کلیاتِ جوش

(جلد اوّل)

قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی

کلیات جوش

فرہنگ کے ساتھ

(جلد اول)

جوش ملیح آبادی

مرتبین

قمر رئیس، جاوید نسیمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی ـ 110025

سنہ اشاعت	:	2013
تعداد	:	550
قیمت	:	-/347 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1617

Kulliyat-e-Josh Vol- I

Compilers : Qamar Rais, Javed Naseemi

ISBN :978-81-7587-874-7

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066 فون نمبر: 26109746

فیکس: 26108159 ای میل: ncpulsaleunit@gmail.com

ای میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: ہائی ٹیک گرافکس، ڈی 8/2، اوکھلا انڈسٹریل ایریا، فیز II، نئی دہلی 110020

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

کچھ لوگ جوش ملیح آبادی کو علامہ اقبال کے بعد سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں اور کچھ اس بات سے انکار کرتے ہیں۔ اقبال کے بعد جوش سب سے بڑے شاعر تھے یا نہیں یہ فیصلہ تو تحقیق وتنقید کو کرنا ہے لیکن ہاں اس سے انکار ممکن نہیں کہ جوش ملیح آبادی بیسویں صدی کے ایک بڑے شاعر تھے اور قومی سطح کے تخلیق کار پریم چند اور علامہ اقبال کے نسبتاً کم عمر معاصرین میں ان کا ایک اہم مقام تھا۔ اقبال ایسی عبقری شخصیت اور عظیم مفکر شاعر کی موجودگی میں انھوں نے خود کو تسلیم کروالیا تھا۔ یہ اعزاز شاید اور کسی شاعر کو نصیب نہ ہوسکا۔ جوش نے اردو شاعری کو انقلابی آہنگ اور مردانہ و باغیانہ لہجے سے آشنا کیا۔ میر انیس کے بعد الفاظ کا سب سے بڑا ذخیرہ جوش کے یہاں ہی نظر آتا ہے۔ انھوں نے الفاظ کی قوت سے اردو شاعری کو روشناس کرانے میں اہم رول ادا کیا۔

علامہ اقبال کے انتقال کے بعد پاکستان ہجرت سے قبل ہی جوش ہمہ گیر شہرت حاصل کر چکے تھے لیکن ہجرت کے بعد نہ صرف ہندوستان بلکہ پاکستان میں بھی، جہاں جوش خود موجود تھے ان کی مقبولیت میں بتدریج کمی آتی گئی۔ مقبولیت کے بام عروج تک پہنچنے کے بعد شہرت کے گراف کے نیچے جانے میں ان کی پٹھانی فطرت کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اپنے جذبات کے بے محابا اظہار کی عادت نے ان کے مخالفین کی تعداد میں خاصہ اضافہ کردیا تھا۔ اسی مخالفت نے ان کے فن

اور کارناموں پر بے توجہی اور بے اعتنائی کی دبیز گرد جما دی۔ لہٰذا ان پر جتنا کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو سکا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بازار میں جوش کے تمام دواوین تک دستیاب نہیں ہیں۔ کوئی کلیات بھی ایسی نہیں جس میں ان کے سارے مجموعے موجود ہوں۔ پھر یہ کہ جوش نے اپنے یہاں ایسی ایسی تلمیحات، اصطلاحات، اسماء الرجال اور فارسی شعرا کے کچھ ایسے اشعار و مصرعے استعمال کیے ہیں کہ ان کے مفہوم تک عام قاری آسانی سے رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا طلبا کی ضرورت کے پیش نظر کلیات جوش اور اس کی فرہنگ کو شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس کی پہلی جلد پیش قارئین ہے۔ امید ہے کہ جوش کی شاعری کے تفصیلی مطالعے کے خواہش مند حضرات کے لیے عموماً اور طلبا کے لیے خصوصاً یہ کتاب سود مند ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین

ڈائرکٹر

دیباچہ

"کلیاتِ جوش۔ فرہنگ کے ساتھ" کا خاکہ مکرمی و معظمی پروفیسر قمر رئیس صاحب (مرحوم) نے تیار کیا تھا چونکہ اُن کی مصروفیات انھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھیں کہ وہ جوش ملیح آبادی کے تمام کلام کا ایک ایک مصرع پڑھ کر اس میں تشریح طلب الفاظ کو چھانٹیں اور پھر ان کے معنی و مفہوم تحریر فرمائیں، لہٰذا اُن کی نگاہِ انتخاب مجھ پر آ ٹھہری اور انھوں نے مجھے یہ کام کرنے کا حکم دیا۔ ہر چند کہ میں جوش ایسے عظیم شاعر کے کلام کی فرہنگ تیار کرنے کا خود کو اہل نہیں پاتا تھا لیکن قمر رئیس صاحب کی خوردنوازی اور شفقت آمیز حکم نیز اُن کے اعتبار کو ٹھکرانا میرے بس میں نہیں تھا لہٰذا میں نے ایک چیلنج کے طور پر اس کام کو قبول کرتے ہوئے کام شروع کر دیا۔ میں جتنا کام کر لیتا تھا اُنھیں کوریئر کے ذریعے روانہ کر دیتا تھا۔ کبھی انھوں نے میرے کام کو کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ واپس کر دیا اور کبھی فون پر اطلاع دی کہ "میں نے آپ کے بھیجے ہوئے صفحات دیکھ لیے ہیں فلاں فلاں جگہ ترمیم کر لیجیے باقی سب ٹھیک ہے۔"

ان کی زندگی میں ہی فرہنگ کا کام پورا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ جوش کے اس سارے کلام اور فرہنگ کی کمپیوٹر پر میں اپنی دیکھ ریکھ میں کمپوزنگ کرواؤں اور اس کے پہلے، دوسرے اور تیسرے پروف کی ریڈنگ کروں۔ پروف ریڈنگ ہو جانے کے بعد میں یہ مسودہ اُن کے سپرد کروں۔ میں نے اُن کے حکم کے بموجب کمپوزنگ کا کام شروع کروا دیا تھا لیکن اسی دوران

اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے انتقال سے میں سکتے کے عالم میں آ گیا اور کچھ دن تک کچھ بھی نہ کر سکا۔ سارا کام رُک گیا، کچھ دن بعد جب صدمے اور غم کی شدت کم ہوئی تو میں نے اُن کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کا ارادہ کیا اور دوبارہ اس کام میں مصروف ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں "کلیاتِ جوش۔ فرہنگ کے ساتھ" کی پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس پہلی جلد میں جوش کے تین مجموعے شامل ہیں۔ مشمولہ مجموعوں کی فہرست دینے کے ساتھ ہی ہر مجموعے کے شروع میں اس کے مشمولات کی ایک فہرست بھی موجود ہے، تاکہ قاری اگر کسی خاص نظم کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو اسے پوری جلد کی ورق گردانی نہ کرنی پڑے اور صرف اس دیوان کی فہرست دیکھ کر ہی اپنی مطلوبہ نظم تلاش کر لے۔ ساتھ ہی جہاں جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں الفاظ پر اعراب کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے تاکہ طلبہ لفظ کی صحیح قرأت کر سکیں اور جوش کی شاعری کا مطالعہ کرنے والے طلبہ و طالبات کے لیے یہ جلد مفید و کارآمد ثابت ہو۔

جلد کے آخر میں تینوں مجموعوں کی فرہنگ موجود ہے۔ اس میں نظم کا عنوان دے کر اُس نظم میں آنے والی تلمیحات، مصطلحات، اسماء الرجال اور مخصوص مقامات وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے۔

فرہنگ میں کچھ تلمیحات یا الفاظ بار بار نظر آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوش نے ایک ہی تلمیح یا لفظ کو مختلف مقامات پر الگ الگ مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ لہٰذا اس مفہوم یا پس منظر کو نظر میں رکھتے ہوئے نیز شاعر کی منشا کے اعتبار سے ہی اس لفظ کی تشریح فرہنگ میں کی گئی ہے تاکہ شعر کی تفہیم میں کوئی ابہام نہ رہے۔ مثال کے طور پر لفظ "یوسف" کسی شعر میں محبوب کی خوبصورتی کا استعارہ بن کر آیا تو اس شعر کا "یوسف" فرہنگ میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ "مشہور پیغمبر یوسفؑ جو نہایت خوب صورت تھے۔ استعارہ ہے خوب صورت ترین انسان کا" دوسری جگہ کہیں لفظ "یوسف" ایک ستم رسیدہ شخص کے استعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے تو وہاں پر لفظ "یوسف" کی تشریح اس طرح کی گئی ہے "مشہور پیغمبر یوسف جنھیں اُن کے بھائیوں نے مصر

کے بازار میں فروخت کردیا تھا"۔

پروفیسر قمر رئیس صاحب کا مشورہ بھی یہی تھا اور میں خود بھی یہی سمجھتا ہوں کہ یہ طریقہ شعر کی بھرپور تفہیم کے لیے درست ہے۔ اس کے علاوہ جوش نے اپنے کلام میں جگہ جگہ اساتذہ کے کچھ فارسی اشعار بھی شامل کیے ہیں۔ فرہنگ میں ان اشعار کی تشریح بھی کر دی گئی ہے تا کہ قارئین جوش کے مجموعوں کے کل مشمولات سے پوری طرح واقف ہوسکیں۔ بہر حال میں نے حتی الامکان فرہنگ کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنانے کی کوشش کی ہے تاہم اغلاط اور خامیوں سے انکار ممکن نہیں۔ اگر پروفیسر قمر رئیس صاحب (مرحوم) موجود ہوتے تو اس ذمے داری کا بوجھ میرے کاندھوں سے کافی حد تک کم ہوسکتا تھا لیکن اب تو ہر خامی اور کوتاہی کی ذمے داری میں خود ہی قبول کرتا ہوں۔

آخر میں کونسل کے ڈائرکٹر عالی جناب ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین صاحب، عالمی شہرت یافتہ شاعر اور کونسل کے وائس چیرمین جناب پروفیسر وسیم بریلوی، جناب نسیم احمد صاحب، محترمہ مسرت جہاں صاحبہ، ڈاکٹر محمد توقیر عالم راہی صاحب اور تمام اراکین کونسل کا نہایت شکر گزار ہوں کہ اُن کی مدد اور تعاون کے بغیر یہ کام کسی طرح پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ جناب مرتضیٰ ساحل تسلیمی کے خصوصی تعاون کے لیے میں اُن کا بھی ممنون ہوں۔

ڈاکٹر جاوید نسیمی

فہرستِ دواوین

(جلد اوّل)

روحِ ادب

جوش ملیح آبادی

فہرست

بقدرِ ذوق نہیں ظرفِ تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

6

تازِ دیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن
این مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن
کوکبم را در عدم اوجِ قبولے بودہ است
شہرتِ شعرم بگیتی بعدِ من خواہد شدن

غالب

امروز کہ نوبتِ جوانی من است
مے نوشم زانکہ کامرانی من است
عیبش مکنید گرچہ تلخست خوش است
تلخ است ازانکہ زندگانی من است

☆☆

ما عاشق و مست و مے پرستیم ہمہ
در کوئے خرابات نشستیم ہمہ
بگذشت ز رنج و حسن و از وہم و خیال
از ما مطلب ہوش کہ مستیم ہمہ

خیام

☆☆

بیا و رید گر اینجا بود سخن دانی
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

ترانۂ بیگانگی

مجھ کو ایذا دے کسی ہستی میں یہ قوت نہیں
دوست یا دشمن کوئی ہو اس قدر طاقت نہیں
جز خدا اب آدمی کی جوش یہ قدرت نہیں
کیونکہ مجھ کو اہل دنیا سے کوئی حاجت نہیں
دوسرے عالم میں ہوں "دنیا" سے میری جنگ ہے
"تاج شاہی" سے "قدم" بھی مس کروں تو ننگ ہے

زہر لگتی ہے زمانے کی مجھے آب و ہوا
ظاہری اسباب کو چھوڑے زمانہ ہوگیا
مال و دولت اقربا احباب یار و آشنا
چوٹ کھائی جب سے دل پر میں نے یہ سب تج دیا
شمع وہ پردہ میں ہے جس شمع کا پروانہ ہوں
انتہا یہ ہے کہ اپنے سے بھی میں بیگانہ ہوں

لوحِ دل پر نقش تھا جب تک کہ یہ مہمل خیال
دوستوں کو واقعی مجھ سے محبت ہے کمال
اقربا جذبات کو ہونے نہ دیں گے پائمال
خواب میں بھی مجھ کو پہنچے گا نہ ان سے کچھ ملال
ان پہ میرا حق ہے، میرا زور ہے، میرے ہیں یہ
ہوں بُرے لیکن مرے حق میں بہت اچھے ہیں یہ

اس خیالِ خام نے کیا کیا نہ کی مجھ پر جفا
میں سمجھتا تھا جنھیں سر حلقۂ اہلِ صفا
جانتا تھا جن کو میں جانِ کرم روحِ وفا
کہہ نہیں سکتا زباں سے کچھ 'انھوں نے کیا کیا'
کیا بتاؤں سختیاں کیں یا ذرا شفقت نہ کی
مختصر یہ ہے 'صفائے نفس' کی عزت نہ کی

میں محبت آشنا دل سے پشیماں ہوگیا
وہ پشیمانی ہوئی سردرگریباں ہوگیا
زندگی دوبھر ہوئی مرنے کا ساماں ہوگیا
عرصۂ ہستی سمٹ کر تنگ زنداں ہوگیا
آئی پہلو سے صدا 'نادان وہ دنیا میں ہیں'
'حق' کسی پر جو سمجھتے ہیں بہت ایذا میں ہیں

آدمی کی دوستی کا کچھ نہیں ہے اعتبار
تو بھروسہ ان پہ کرتا ہے ارے غفلت شعار
فصلِ گل، بادِ خزاں سے ، تنگ دوزخ سے بہار
دوستوں سے مہربانی کا نہ ہو اُمیدوار
تو سمجھتا ہے جنھیں ذاتی ہنر کے دوست ہیں
وہ تری املاک کے خواہاں ہیں زر کے دوست ہیں

کہتے ہیں جس کو قرابت دشمنی کا نام ہے
اپنے مطلب سے غرض اپنی غرض سے کام ہے
دور رہ دنیا سے اس تکلیف میں آرام ہے
ماسوا کی دوستی ہی موت کا پیغام ہے
مہرباں، بیگانہ ہے نامہرباں بیگانہ ہے
دیکھ آنکھیں کھول! یہ سارا جہاں بیگانہ ہے

مہرباں بھی ہوں اگر بالفرض یار و آشنا
راست بھی آئے اگر تجھ کو زمانے کی ہوا
دوست رکھتے ہوں تجھے سب اپنی جانوں سے سوا
تا بہ کے یہ رسمِ اُلفت، یہ محبت تا کجا؟
نام رہ جائے گا باقی دہر میں اللہ کا
موت اک دن قطع کر دے گی یہ رشتہ چاہ کا

ٹھان لی یہ سن کے درد ہجر سہنا چاہیے
شکوہ کیسا، اب زباں سے کچھ نہ کہنا چاہیے
بن کے سیل اشک ویرانوں میں بہنا چاہیے
سبزۂ بیگانہ کے مانند رہنا چاہیے
کیونکہ بزمِ دہر میں اگلی سی وہ رونق نہیں
اب عزیز و اقربا پہ کوئی میرا حق نہیں

سانس لی یہ فیصلہ کرتے ہی اطمینان سے
ختم۔ گویا ہوگئے دنیا کے سارے مرحلے
دفعتاً پیدا ہوئے سینے میں تازہ ولولے
مسکرایا میں زمین و آسماں کو دیکھ کے
آئی بوئے دوستی فطرت کے ساماں سے مجھے
لینے آئی اک مہک صحنِ گلستاں سے مجھے

کھل گیا در ناز سے آنے لگی ٹھنڈی ہوا
ساز غنچوں نے لیے گانے لگی ٹھنڈی ہوا
دوست کی خوشبو سے تڑپانے لگی ٹھنڈی ہوا
گیسوؤں میں مجھ کو اُلجھانے لگی ٹھنڈی ہوا
غنچۂ خاطر کہ مرجھایا ہوا تھا کھل گیا
دل مرا نیچر کے اس پیغامبر سے مل گیا

چھوڑ کر انساں کو میں فطرت کا شیدا ہوگیا
خوبی قسمت کہ فوراً ربط پیدا ہوگیا
میرا ہمدم سبزہ زار و کوہ و صحرا ہوگیا
دوست میرا چشمہ و گلزار و دریا ہوگیا
مجھ کو حلقے میں تبسم نے لیا خورشید کے
''شامِ غم'' رخصت ہوئی جلووں میں صبح عید کے

دوست ایسے ہیں یہ جو دھوکا نہیں دیتے کبھی
جھوٹ سے واقف نہیں ہے ان رفیقوں میں کوئی
وقت آتا ہے تو کھل جاتی ہے ہنس کر چاندنی
صبح ہوتے ہی چٹک جاتی ہیں کلیاں باغ کی
ان کے وعدے وقت پر ایفا نہ ہوں ممکن نہیں
کون سی وہ رات ہے جس کے سرے پر دن نہیں؟

رات چھلکاتی ہے تارے صبح برساتی ہے نور
موسم باراں بچھا دیتا ہے سبزہ دُور دُور
چاندنی شب بھر دکھاتی ہے ضیائے روئے حور
ذرہ ذرہ صبح کو کہتا ہے میں ہوں برق طور
رات زلفیں کھول دیتی ہے سلانے کے لیے
تاج پہنے صبح آتی ہے جگانے کے لیے

لہریں ہنس ہنس کر عجب نغمے سناتی ہیں مجھے
ڈالیاں پھولوں کی جھک جھک کر بلاتی ہیں مجھے
شاخیں اپنے سائے میں پہروں بٹھاتی ہیں مجھے
ندیاں اپنے کناروں پہ سلاتی ہیں مجھے
کوئی مجھ کو رنج ان احباب سے دیتا نہیں
اس خدمت کی قیمت بھی کوئی لیتا نہیں

دیکھتے ہیں مجھ کو پہروں خندہ پیشانی سے پھول
کس قدر مانوس ہیں آئین مہمانی سے پھول
ٹوٹ کر دامن میں آجاتے ہیں آسانی سے پھول
کرتے ہیں مسرور مجھ کو اپنی قربانی سے پھول
پھول کے مانند انسانو! تمھارا دل نہیں
میری خاطر جان بھی دینا انھیں مشکل نہیں

گونجتی ہے کوہ و صحرا میں پپیہے کی صدا
دوڑتی دوڑی آ نالوں پہ جب آتی ہے گھٹا
روح کو بیدار کرتی ہے بیاباں کی ہوا
دور ہوتی ہے خودی سینے میں آتا ہے خدا
کام رہتا ہے نہ دولت سے نہ فانی جاہ سے
لو لگا کر بیٹھ جاتا ہوں فقط اللہ سے

صاف دل ہو جا مجھے تعلیم یہ دیتی ہے نہر
ندیوں کے پیچ و خم سے خون میں آتی ہے لہر
وحشی ہنستے ہیں کہ آبادی پہ کیوں نازاں ہیں شہر؟
آب حیواں جس کو سمجھے ہیں وہ ہے اک موج زہر
سوز دیتا ہے بھری برسات کا دریا مجھے
عقل دیتا ہے گھنے جنگل کا سناٹا مجھے

نقرئی چادر بچھاتا ہے مہ سیمیں بدن
چومتی ہے آ کے پیشانی مری زریں کرن
دیکھ کر شاداب ہوتا ہے مجھے صحن چمن
کس قدر خوش ہوں کہ جنگل ہے مرا پیارا وطن
روز صحرا کی طرف جانا مرا دستور ہے
بستیوں میں ہوں مگر میری قرابت دور ہے

☆☆

مناظرِ سحر

کیا روح فزا جلوۂ رخسارِ سحر ہے
کشمیر دل زار ہے فردوسِ نظر ہے
ہر پھول کا چہرہ عرقِ حسن سے تر ہے
ہر چیز میں اک بات ہے ہر شے میں اثر ہے
ہر سمت بھڑکتا ہے رُخِ حور کا شعلہ
ہر ذرّۂ ناچیز میں ہے طور کا شعلہ

لرزش وہ ستاروں کی وہ ذرّوں کا تبسم
چشموں کا وہ بہنا کہ فدا جن پہ ترنم
گردوں پہ سپیدی و سیاہی کا تصادم
طوفان وہ جلوؤں کا وہ نغموں کا تلاطم
اڑتے ہوئے گیسو وہ نسیمِ سحری کے
شانوں پہ پریشان ہیں یا بال پری کے

وہ پھیلنا خوشبو کا وہ کلیوں کا چٹکنا
وہ چاندنی مدھم، وہ سمندر کا جھلکنا
وہ چھاؤں میں تاروں کی گل تر کا مہکنا
وہ جھومنا سبزہ کا ، وہ کھیتوں کا لہکنا

شاخوں سے مل جاتی ہیں شاخیں وہ اثر ہے
کہتی ہے نسیم سحری " صبح سحر ہے"

خنکی وہ بیاباں کی، وہ رنگینی صحرا
وہ وادیٔ سر سبز وہ تالاب مُصفّا
پیشانیٔ گردوں پہ وہ ہنستا ہوا تارا
وہ راستے جنگل کے وہ بہتا ہوا دریا

ہر سمت گلستاں میں وہ انبار گلوں کے
شبنم سے وہ دھوئے ہوئے رخسار گلوں کے

وہ رُوح میں انوار خدا، صبح وہ صادق
وہ حسن جسے دیکھ کے ہر آنکھ ہو عاشق
وہ سادگی انسان کی فطرت کے مطابق
زرّیں وہ اُفق نور سے لبریز وہ مشرق

وہ نغمۂ داؤدؑ پرندوں کی صدا میں
پیراہن یوسفؑ کی وہ تاثیر ہوا میں!!

گریۂ مسرت

نازنین و عفیف اک بیوی
یادِ شوہر میں ست بیٹھی تھی

غمزدہ مضمحل پریشاں حال
شکل غمگین پُر شکن خط و خال

سوزِ ہجراں کی آنچ سینے میں
پھر وہ برسات کے مہینے میں

اُودی اُودی گھٹائیں آتی تھیں
اُس کے دل پر بلائیں آتی تھیں

دل میں کہتی تھی" کب وہ آئیں گے"
کب یہ دن بے کسی کے جائیں گے

منہمک تھی انھیں خیالوں میں
غرق تھی ہجر کے ملالوں میں

در و دیوار پر اُداسی تھی
چشم و ابرو پہ بدحواسی تھی

دفعتاً چاپ سی ہوئی محسوس
ہل گیا خوف سے دلِ مایوس

یک بہ یک بام و در جھلک اُٹھے
در و دیوار سب مہک اُٹھے

اُس نے حیرت سے مُڑ کے جب دیکھا
پیارے شوہر کو پشت پر پایا!!

آنکھ اُٹھاتے ہی ہوگئی حیرت
سامنے اُس کے تھی وہی صورت

روز روتی تھی جس کی فرقت میں
اشک بہنے لگے مسرت میں

ہنس کے شوہر نے چھیڑ سے پوچھا
میرے آنے سے کیا ہوئی ایذا

دل کے چشمے یہ کیوں اُبل آئے؟
اشک کیوں دفعتاً نکل آئے؟

سن کے شوہر کا یہ عجیب خیال
عرض کرنے لگی وہ دل کا حال

بولی آنکھیں تھیں ہجر سے خونبار
ہوگئی تھیں فراق میں بیمار

تابشِ حسن نے دوا بخشی
لذتِ دید نے شفا بخشی

یہ مری آنکھ میں جو آنسو ہیں
ان میں صدہا خوشی کے پہلو ہیں

پردۂ اشک میں مسرت ہے
آج آنکھوں کا ''غسلِ صحت ہے''

☆☆

خیالاتِ زرّیں

تو راز فراغت کیا جانے، محدود تری آگاہی ہے
اپنے کو پریشاں حال سمجھنا، عقل کی یہ کوتاہی ہے

دولت کیا؟ اک روگ ہے دل کا، حرص نہیں گمراہی ہے
دنیا سے بے پروا رہنا سب سے بڑی یہ شاہی ہے

اس قول کو میرے مانے گا جو صاحب دل ہے دانا ہے
کہتے ہیں جسے "شاہنشاہی" حاجت کا روا ہو جانا ہے

پینے کو میسر پانی ہے، کھانے کے لیے حاضر ہے غذا
تفریح کو سبزہ جنگل کا، صحت کی محافظ صاف ہوا

پوشش کے لیے ملبوس بھی ہے، رہنے کو مکاں بھی ستھرا سا
اور اس کے سوا کیا حاجت ہے، انصاف تو کر تو دل میں ذرا

راحت کے لیے جو ساماں ہیں، قدرت نے بہم پہنچائے ہیں
اے بندۂ زر! پھر تیری ہوس نے پاؤں یہ کیوں پھیلائے ہیں

دولت کا نتیجہ کلفت ہے، سامان امارت ذلّت ہے
جس دل میں ہوس کی کثرت ہے، اوراس سے حقیقی راحت ہے

ارمان بہت ہیں کم کر دے ہستی یہ نہیں اک غفلت ہے
آغاز سراپا دھوکا ہے ، انجام سراسر عبرت ہے

تاریخ اُٹھا! بتلائے گی وہ دنیا میں خوشی کا نام نہیں
جس دل پہ ہوس کا سکہ ہے اُس دل کے لیے آرام نہیں

صحت میں تری کچھ ہرج نہیں ، اعضا میں ترے نقصان نہیں
پھر بھی یہ شکایت تجھ کو ہے اسباب نہیں سامان نہیں

انعام خدا کا منکر ہے، اللہ پہ اطمینان نہیں
تو حرص و ہوا کا بندہ ہے ، مضبوط ترا ایمان نہیں

دنیا کی حکومت تیری ہے ، اپنے کو گدا کیوں کہتا ہے
سامان فراغت حاضر ہے ، بیکار پریشاں رہتا ہے

یہ ابر یہ وادی، یہ گلشن، یہ کوہ و بیاباں، یہ صحرا
یہ پھول، یہ کلیاں، یہ سبزہ، یہ موسم گل، یہ سرد ہوا

یہ شام کی دلکش تفریحیں، یہ رات کا گہرا سناٹا
یہ پچھلے پہر کی رنگینی، یہ نور سحر، یہ موج صبا

معبود کی کس کس بخشش کو منکر ے گا چھپائے جائے گا
اللہ کی کس کس نعمت کو اے منکر دیں جھٹلائے گا

اللہ کی رحمت عام ہے سب پر شاہ ہو اس میں یا ہو گدا
یہ چاند، یہ سورج، یہ تارے، یہ نغمۂ بلبل، یہ دریا

دونوں کے لیے یہ تحفے ہیں کچھ فرق اگر ہے تو اتنا
ان جلوؤں سے لذّت پاتا ہے آزاد کا دل منعم سے سوا

شاہوں کے سروں میں تاج گراں سے درد سا اکثر رہتا ہے
جو اہلِ صفا ہیں ان کے دل میں نور کا چشمہ بہتا ہے

آگاہ ہو جو تو چاہتا ہے، دنیا میں نہیں وہ ہونے کا
اسباب طرب کا جو پاتو، سامان یہاں ہے رونے کا

''دولت'' کو صلا کیا سمجھا ہے اخلاق کی قوت کھونے کا؟
ایمان کے دل کا داغ ہے یہ ، سکہ یہ نہیں ہے سونے کا

کیا کرتا ہے ناداں؟ بھاگ ادھر سے نار ہے ان دیناروں میں
یوں ہاتھ نہ ڈال ان دوزخ کے لو دیتے ہوئے انگاروں میں

اسباب تمول زنجیریں، ایوان حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے ، دہشت کا وہ سازو ساماں ہے

سکوں کی چمک پر مرتا ہے، دولت کے لیے سرگرداں ہے
تو رازِ فنا معلوم تو کر ، دنیا کے لیے کیوں حیراں ہے؟

اس شے سے تعلق ہی کیسا، جو چیز کہ جانے والی ہے!
سامان تعیش جمع کیے جا! موت بھی آنے والی ہے!

آراستہ ہو کر جلووں سے جب سامنے دنیا آتی ہے
راحت کے ترانے گاتی ہے ، دولت کی چمک دکھلاتی ہے

جب آنکھ پہ قبضہ کرتی ہے، سینہ میں ہوس بھڑکاتی ہے
ایمان و یقیں کی شمع درخشاں، بن کے دھواں اُڑ جاتی ہے

ملتا ہی نہیں ہے جسم سے پھر، جب عضو کوئی کٹ جاتا ہے
بس یونہی ہوس کے بندے کا معبود سے دل ہٹ جاتا ہے

شاہوں کی امارت جسمانی، قانع کی حکومت روحانی
ظاہر کی مسرت سلطاں کو، آزاد کو لذت وجدانی

دنیا کے تماشے [illegible]
[illegible] ذرّوں، [illegible] چپے تک سراسر حیرانی

بندے جو ذرا بھی عقل ہو تجھ میں نام جہاں میں کر جانا
اللہ اگر توفیق تجھے دے، موت سے پہلے مرجانا

آرام کی خواہش مہمل ہے یہ قبر نہیں ہے دنیا ہے
یہ زیست نہیں ہے کلفت ہے یہ سانس نہیں ہے ایذا ہے

آگاہ ہو اے نادان! کدھر تو پیاس بجھانے جاتا ہے
ذرّوں کی چمک کا یہ چشمہ، یہ ریگ رواں کا دریا ہے

سن جوش کی باتیں غور سے تو، مشتاق نہ بن اس ارذل کا
اے دوست یہ دنیا سایہ ہے گرمی کے پریشاں بادل کا

☆☆

طوفانِ بے ثباتی

چاندنی تھی، صبح کا ہنگام تھا
میں یکایک اپنے بستر سے اُٹھا

ڈوبتے تاروں کو دیکھا غور سے
آنکھ میں اشکوں سے طوفاں آگیا

ذرّہ ذرّہ میں زمیں سے تافلک
موجزن تھا اک سمندر حسن کا

وہ گلابی روشنی ، ہلکا وہ نور
وہ تڑپ دریا کی وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نسیم صبح کی اٹکھیلیاں
وہ ترنم خیز جھونکے وہ ہوا

آنکھ اُٹھائی روح بالیدہ ہوئی
سانس لی اور خون تازہ ہوگیا

دل ہلا روحانیت کے جوش سے
سجدۂ معبود میں سر جھک گیا

خاک پر رکھتے ہی سجدے میں جبیں
دفعتاً اک درد سینے میں اُٹھا

باغِ عالم پر نظر کر غور سے
دوست کے پہلو سے آئی یہ صدا

سطحِ حیوانیت سے ہو بلند
منتظر ہے خلد کی آب و ہوا

سرمدی جلوے ترے مشتاق ہیں
میرے بندے کھول دے آنکھیں ذرا

حافظہ کو سچ ہماری یاد سے
ذہن کو دنیا کی فکروں سے بچا

میری جانب دیکھ اے فانی وجود
دیکھ رنگ دہر سے دھوکا نہ کھا

زندگانی کا سبق لے پھول سے
دیکھ اس کی ابتدا و انتہا

بس یہ سننا تھا کہ میں دیوانہ وار
تیز تیز اک باغ کی جانب چلا

دل ربا کلیاں کھلی تھیں ہر طرف
خوشنما سبزہ بچھا تھا جا بجا

اوس کے موتی پڑے تھے خال خال
صاف تھے چشمے معطر تھی ہوا

خون میں گردش تھی آنکھوں میں سرور
میں اسی عالم میں اک جانب بڑھا

آہ کھینچی میں نے شاخِ گل کے پاس
اک کلی کو توڑ کر بوسہ دیا

گرمی و سردی سے کھل جاتے ہیں پھول
یہ ہوا کا کام ہے اور دھوپ کا

فعل تھا فطرت کا جو کچھ اصل میں
وہ عمل میرے تنفس نے کیا

شاخِ نازک سے کلی کو توڑ کر
جیسے ہی میں نے لبوں سے مس کیا

مجھ کو حیرت ہوگئی یہ دیکھ کر
غنچہ چٹکا اور چٹک کر کھل گیا

مجھ پہ بھی لیکن ہوا طرفہ اثر
روح کا "ست" پتیوں میں کھنچ گیا

جس طرح شبنم کو پیتی ہے کرن
پھول میری روح کو یوں پی گیا

شاخ گل سے خون ٹپکا بعد ازاں
اور میں بیہوش ہوکر گر پڑا

ہوش میں آیا تو دیکھا دھوپ تھی
اور پڑا تھا پھول مرجھایا ہوا

یہ صدا گونجی ہوئی تھی ہر طرف
"سوچ اپنی ابتدا و انتہا"

☆☆

تماشۂ قدرت

جھٹپٹا وقت ہے لبِ دریا
ایک مندر میں جل رہا ہے دیا

روشنی روح کو لبھاتی ہے
بہہ کے لہروں میں مسکراتی ہے

موجیں تھم تھم کے ہو رہی ہیں رواں
قطرہ قطرہ ہے مشعلِ ایماں

حسن کی روح ہے نمودِ چراغ
کاکلِ پُر شکن ہے دودِ چراغ

چرخ پر ہے شفق کی گلکاری
ہر طرف اک سکوت ہے طاری

میری آنکھیں جمی ہوئی ہیں اُدھر
نور میں غوطہ زن ہیں قلب و نظر

سینہ روشن ہے درد کی ضو سے
گرم ہے دل چراغ کی لو سے

کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے
میری حالت پہ مسکراتا ہے

وحشتِ دل سے ربط ہے اس کو
لوگ کہتے ہیں خبط ہے اس کو

لیکن اتنی کسی میں عقل کہاں
کہ سمجھ لے ہر اک یہ رازِ نہاں

کہ یہ چیزیں علوم کے "سِر" ہیں
مرکزِ فکر یہ مناظر ہیں

ان سے ہوتی ہے عقل کو ہمت
ان سے آتی ہے روح میں قوت

جلوہ گر ان میں برقِ عرفاں ہے
ان مناظر میں "سوز" پنہاں ہے

☆☆

حالاتِ حاضرہ (بہ زمانۂ جنگ)

ہر چیز پر سکوت ہے ہر شے پہ یاس ہے
غم حکمراں ہے دہر میں دنیا اُداس ہے

جلوے ہیں شامِ غم میں نہاں صبحِ عید کے
دھندلے ہیں خط و خالِ عروسِ اُمید کے

کشتی رواں ہے زیست کی دریائے زہر میں
بجلی تڑپ رہی ہے مسرت کی لہر میں

عالم ہے شاخِ گل میں عجب پیچ و تاب کا
کانٹے ہیں اور پھول نہیں ہے گلاب کا

لذت اُڑی ہے خواب سے وسعت خیال سے
'آب' آئینہ سے 'قوت برقی' جمال سے

مخفی ہیں چھپی ہیں قہر کی پُر ہول رات میں
گھولا ہے زہر چشمۂ آب حیات میں

تابندگی کے راز سے محرم نہیں رہے
وہ روئے گل پہ قطرۂ شبنم نہیں رہے

فطرت کو انتظام پہ قدرت نہیں رہی
پانی گھٹا میں پھول میں نکہت نہیں رہی

سینوں میں قلب برف کے مانند سرد ہیں
بس حد ہوئی کہ چہرۂ خوباں بھی زرد ہیں

سلطاں بڑھے ہیں دہر کے لشکر لیے ہوئے
اور اُن کے ساتھ قحط بھی خنجر لیے ہوئے

یہ جنگ کیا ہے ایک مجسم جنون ہے
گلزارِ کائنات کے تھالوں میں خون ہے

خلقت تمام قحط سے بے آب و دانہ ہے
اُس پر وبا کا زور، یہ کیسا زمانہ ہے

عالم کے بام و در میں مریضوں کی آہ ہے
دنیائے طب ہجوم مرض کی گواہ ہے

نسخوں سے تھک گئی ہیں غریبوں کی اُنگلیاں
نبضوں نے کیں فگار طبیبوں کی انگلیاں

اب حد کے اختیار میں قیمت نہیں رہی
ڈاکہ رہا ہے رسم تجارت نہیں رہی

خنجر سے غم کے رشتۂ آرام کٹ گیا
شعلے سے آشتی کے اندھیرا لپٹ گیا

پچھلے پہر میں اب وہ صباحت نہیں رہی
وہ جھٹپٹے کی سانولی صورت نہیں رہی

گرمی کی شام اور کوئی بانکپن نہیں
جاڑوں کی صبح اور سنہری کرن نہیں

ہستی کی مملکت میں تباہی کا راج ہے
ہشیار ہو کہ فرقِ مصیبت پہ تاج ہے

محویتِ جنوں میں مری یاس مٹ گئی
دل یوں مٹا کہ قوتِ احساس مٹ گئی

☆☆

انتظار کے آخری لمحے

جلوہ کسی کا طور سینا ہی چاہتا ہے
دل پرتوِ جمالِ زیبا ہی چاہتا ہے
حسنِ صبیح چشمِ بینا ہی چاہتا ہے
اب صبح کا ستارہ چمکا ہی چاہتا ہے
عکس آئینے کے اندر اترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

ظاہر ترے کرم کے آثار ہو رہے ہیں
خوابیدہ ہوش اپنے بیدار ہو رہے ہیں
دل اور جگر بباطن سرشار ہو رہے ہیں
تھے تندرست لیکن بیمار ہو رہے ہیں
عکس آئینے کے اندر اترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اوصاف عارفانہ جلوہ دکھا رہے ہیں
دامان معصیت سے دھبے مٹا رہے ہیں
صبر و شکیب دل پر سکہ بٹھا رہے ہیں
آثار ہیں یہ جتنے ہم کو بتا رہے ہیں
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

یہ کوہ یہ بیاباں یہ وادیاں یہ دریا
ان پر نظر جو ڈالی ایماں کو زور پہنچا
فطرت سے ہم نے کتنا باریک ذہن پایا
ان حس کی قوتوں سے ہم کو یقین آیا
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

میری نظر میں یکساں تیری تمام خلقت
مدت سے اب نہیں ہوں پابند قوم و ملت
سب سے مجھے تعلق سب سے مجھے محبت
دل سے یقیں ہے اس کا اب بے دلیل و حجت
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

سینہ تجلیوں سے معمور ہو گیا ہے
ہر داغ اپنے دل کا ناسور ہو گیا ہے
پروانہ دار جینا مشہور ہو گیا ہے
پچھلے پہر سے رونا دستور ہو گیا ہے
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

اب تیرے تذکرے میں پاتی ہے روح لذت
تسبیح میں مزا ہے تقدیس میں مسرت
مبذول ہو رہی ہے مجھ پر تری عنایت
پہنچا ہی چاہتا ہوں تا مرکزِ حقیقت
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

جب بے کسی میں گھر کر کوئی غریب رویا
رقت ہوئی وہ طاری جلنے لگا کلیجا
آنکھوں نے بھی دکھایا جوش و خروش دریا
میں اس گداز دل سے سمجھا یہ راز سمجھا
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

شمعیں وہ جھلملائیں وہ آفتاب نکلا
وہ صبح مسکرائی وہ جوش نور پھیلا
خوش آمدید کہہ کر سینے میں دل وہ تڑپا
وہ اٹھ گئیں نگاہیں کھنچنے لگا وہ پردا
عکس آئینے کے اندر اُترا ہی چاہتا ہے
تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے

☆☆

حقیقتِ دل

آئیں اسکول کے احباب سنیں درد مرا
گرم کردے گا لہو ہر نفسِ سرد مرا

آئیں بیٹھیں مری تقریر سنیں غور کریں
عافیت کا کوئی سامان بہر طور کریں

کیوں شکایت ہے کہ پڑھنے کا اسے شوق نہیں
دل میں تحصیل کمالات کا کچھ ذوق نہیں

مدرسے کیوں نہیں آتا یہ شکایت کیا ہے
کاش پوچھیں تو ترے دل پہ مصیبت کیا ہے

آئیں اور جھک کے سنیں کان لگا کر باتیں
تیغ باتیں ہیں چھری باتیں ہیں خنجر باتیں

میں لڑکپن سے جسے عشق کمالات رہا
علم حاصل ہو اسی فکر میں دن رات رہا

بھائی سے کام تھا مجھ کو نہ کسی ہم سن سے
لڑکے کہتے تھے کبھی ہم نہیں کھیلے ان سے

اور اب میں وہی کمبخت کہ پڑھتا ہی نہیں
سامنے علم کا میدان ہے بڑھتا ہی نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ اب زیست کے دن ہیں تھوڑے
حرف گھس گھس کے نظر سے کوئی آنکھیں پھوڑے

دوستو! دل میں خیال اب بھی آیا ہوگا
کیوں ہوا اس میں یکایک یہ تغیر پیدا؟

اپنی تکلیف کے کس طرح بتاؤں اسباب
ہوگا مجھ سا بھی نہ دنیا میں کوئی خانہ خراب

غور سے اب مرے پڑھنے کی حکایت سنیے
دل کا جب تک نہ کہوں حال کوئی کیا جانے

(1)

ایک تنکا بھی اگر آنکھ میں پڑ جاتا ہے
آدمی ہے کوئی ایسا جسے چین آتا ہے

چھین لینے دیں بھلا کب مجھے ایسی آنکھیں
جن کے پردوں میں سمائی ہوں کسی کی آنکھیں

(2)

اکثر آنکھوں کی اذیت کو بھلا دیتا ہوں
میز سے بڑھ کے کتاب ایک اٹھا لیتا ہوں

لیکن آساں نہیں اُس قلب کا شاداں ہونا
جس کی تقدیر میں لکھا ہو پریشاں ہونا

رو برو آنکھ کے جس وقت کتاب آتی ہے
اک جھلک صفحۂ قرطاس پہ پڑ جاتی ہے

نقطہ نقطہ نظر آتا ہے مجھے برق لباس
شمعیں جل اُٹھتی ہیں ہر مرکز و اعراب کے پاس

دیر تک کچھ نظر آتا نہیں بجلی کے سوا
دفعتاً ہوتی ہے ہر سطر میں جنبش پیدا

حرف دب جاتے ہیں کچھ دیر میں رفتہ رفتہ
صاف کھنچ جاتا ہے ہر لفظ پہ اُن کا نقشہ

(3)

جب کیا قصد کریں یاد کتابیں سن کر
ہم سبق آئے سنانے کہ اُٹھا دردِ جگر

یک بہ یک جوش ہوا ذہن و ذکا میں پیدا
اک ترنم سا ہوا موج ہوا میں پیدا

دوست کی آئی صدا حسن یگانہ میرا
کان رکھتا ہے تو سن دل سے فسانہ میرا

میری آواز کی پابند سماعت تیری
گھیر لی ہے مرے جلوے نے بصارت تیری

عاشقی چیست بہم بندۂ جاناں بودن
دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

جوشِ تعلیم کجا عشق جگر دوز کجا
محفلِ علم کجا جلوہ گہہ سوز کجا

☆☆

نفس مطمئنہ

تھے اک ایسے مقام پر حیدرؑ
کہ ہر آئینہ جان کا تھا ضرر

آپ کو تھی مگر نہ کچھ پروا
آپ پر تھا مگر نہ کوئی اثر

کیا اُسے خوف جو ہو شیرِ خدا
کیا ڈرے جو ہو قاتلِ عنتر

خوف کیا اُس کے دل کو توڑ سکے
جس نے توڑا ہو قلعۂ خیبر

اُس کے سینے میں کیا ہراس آئے
جس کو کہتے ہوں نفسِ پیغمبر

آپ کے ساتھ تھے حسینؑ اس وقت
عرض کی اے امامِ جن و بشر

آپ کو کچھ نہیں خیال اپنا
نہ زرہ ہے نہ ہاتھ میں ہے سپر

جان جانے کا ہے یہاں ساماں
آپ کو کچھ نہیں ہے فکر مگر

جوش، شبیر نے کہا جو کچھ
قول حق تھا یہ محبت پر

ورنہ خدشہ کجا حسینؑ کجا
کربلا کے تو یاد ہیں منظر

خیر جملہ تھا یہ تو معترضہ
پھر اُسی سمت آیئے پھر کر

ختم تقریر جب حسین نے کی
ہنس کے کہنے لگے شہِ صفدر

ناز پروردۂ خدا و رسولؐ
موت کو جانتا ہے فتح و ظفر

اس سے ڈرتا نہیں ہے باپ ترا
موت پر وہ گرے کہ موت اُس پر

☆☆

دنیا میں آگ لگی ہے میرا دل بہترین خلوت ہے
مناسب ہو تو میرے دل ہی میں چلے آؤ

سموم ہوا کے اندر شعلہ بھڑک رہا ہے
گرمی کی دوپہر ہے سورج دہک رہا ہے

تپتی ہوئی زمیں سے آنچیں نکل رہی ہیں
پتھر سلگ رہے ہیں کانیں پگھل رہی ہیں

ہر قلب پھنک رہا ہے تہ خانہ چاہتا ہے
پردے میں لو کے گویا عالم کراہتا ہے

لو دے رہے ہیں کانٹے اور پھول کانپتے ہیں
طائر سکوت میں ہیں چوپائے ہانپتے ہیں

کیوں جسم نازنیں کو لُو میں جلا رہے ہو؟
رُومال منھ پہ ڈالے کس سمت جا رہے ہو؟

وقتِ جلال اپنی شانِ عتاب پر ہے
ٹھہرو! کہ دوپہر کی گرمی شباب پر ہے

دیکھو! یہ میرا مسکن کس درجہ پُر فضا ہے
سایہ بھی ہے میسر دریا بھی بہہ رہا ہے

پانی ہے سرد و شیریں خنکی بھی دلنشیں ہے
نزدیک و دور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے

دکھتے ہوئے جگر کی حالت دکھاؤں تم کو
ٹھہرو تو بانسری پر آہیں سناؤں تم کو

☆☆

سائنس لو یا خوش رہو

قسم اُس موت کی اُٹھتی جوانی میں جو آتی ہے
عروسِ نو کو بیوہ ماں کو دیوانہ بناتی ہے

جہاں سے چھٹنے کے وقت اک ہاتھ سے اُٹھا ہو
قسم اُس شب کی جو پہلے پہل اس گھر میں آتی ہے

عزیزوں کی نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں مرنے والے کو
قسم اُس صبح کی جو غم کا یہ منظر دکھاتی ہے

قسم سائل کے اس احساس کی جب دیکھ کر اُس کو
سیاہی دفعتاً کنجوس کے ماتھے پہ آتی ہے

قسم اُس سوز کی پیدا جو ہوتا ہے طبیعت میں
اندھیری رات میں رونے کی جب آواز آتی ہے

قسم اُن آنسوؤں کی ماں کی آنکھوں سے جو بہتے ہیں
جگر تھامے ہوئے جب لاش پر بیٹے کی آتی ہے

قسم اُس بے بسی کی اپنے شوہر کے جنازے پر
کلیجہ تھام کر تازہ دلہن جب سر جھکاتی ہے

نظر پڑتے ہی اک ذی مرتبہ مہماں کے چہرے پر
قسم اُس شرم کی مفلس کی آنکھوں میں جو آتی ہے

قسم اُس درد کی جو ہجر کی راتوں میں اُٹھتا ہے
قسم اُس کرب کی جب روح کھنچ کر لب پر آتی ہے

کہ یہ دنیا سراسر خواب اور خواب پریشاں ہے
خوشی آتی نہیں جینے میں جب تک سانس آتی ہے

☆☆

مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں

بے تعلق ہوں دین و دنیا سے
حب ثروت نہ فکر جنت ہے

نہ مجھے شوق صبح آسائش
نہ مجھے ذوق شام عشرت ہے

نہ تو حور و قصور پہ مائل
نہ تو ساقی و مے سے رغبت ہے

نہ تقاضائے منصب و جاگیر
نہ تمنائے شان و شوکت ہے

"کچھ مجھے تیرے در سے مل جائے"
کس منافق کو اس کی حسرت ہے

کیا کروں گا میں نعمتیں لے کر
میری ہر سانس ایک نعمت ہے

تجھ پہ روشن ہے اے مرے مولا!
کہ مرے دل میں سوزِ وحدت ہے

"تیرے انعام" کی نہیں خواہش
بلکہ مجھ کو "تیری" ضرورت ہے

☆☆

برادرِ خُرد

اے رئیسِ با وفا، اے جوش کی روحِ رواں
اے ضیائے خانۂ دل اے چراغِ خانداں

اے کہ طینت میں تری پنہاں وفا اندیشیاں
اے کہ فطرت میں تری مضمر محبت کے نشاں

فی الحقیقت جوہرِ اجداد کا حامل ہے تو
اقربا ہیں جس قدر "اعضا" ہیں لیکن دل ہے تو

اے کہ تیرا قلب مرکز ہے خلوص و لطف کا
اے کہ تیری ذات ہے سرچشمۂ صدق و صفا

بھائیوں میں تو محبت کا نہیں ہوتا پتا
سخت حیراں ہوں یہ جوہر تجھ میں کیوں کر آ گیا

بھائی ہو کر ظلم و بے مہری کی تجھ میں خو نہیں
قوتِ دل ہے مرا تو قوتِ بازو نہیں

☆☆

دُنیا

دُنیا ہے دنی، خاک ہے دنیا کا زر و مال
تذلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال

ادبار کوئی چیز ہے دراصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال

بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے
جو چند نفس ہو اُسے لذت نہیں کہتے

دیباچۂ ماتم کو مسرّت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اُسے نعمت نہیں کہتے

آرام کی خواہش نہ کرو قوتِ زر سے
لبریز کرو روح کو اللہ کے ڈر سے

غدار زمانہ کی لگاوٹ سے خبردار!
آگاہ ہو! آگاہ ہو! ہشیار ہو، ہشیار!!

جھوٹی یہ اُمیدیں ہیں، پریشاں ہیں یہ افکار
کس نشہ میں بدمست ہیں دنیا کے طلبگار

یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دنیا تجھے نادان! کدھر لے کے چلی ہے!

کھینچے لیے جاتا ہے کہاں تجھ کو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ

دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ
دھوکا ہی یہ دھوکا ہے، بہانہ ہے بہانہ

واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے
حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار
خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مُردار

ناپاک ہے بد اصل ہے کم ظرف ہے بدکار
مُردار شکم اس کا تو پشت اُس کی ہے بیمار

مبروص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے
ذلت کا یہ لقمہ ہے سگوں کی یہ غذا ہے

تو فخر سے کہتا ہے جسے عیش و تنعم
وہ خواب کی جنت ہے وہ فردوس توہم

نالہ ہی کی روداد ہیں ، نغمہ کہ ترنم
ہے مہر فغاں روشنیِ ماہِ تبسم

تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوسِ بریں ہے
دھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

جا گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت
کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت

عبرت کے لیے ڈھونڈھ کسی شاہ کی تربت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت

کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے؟
"اے کاسۂ سر بول! ترا تاج کہاں ہے"؟

☆☆

خشک سالی

یہ نظم 1918 کی خشک سالی پر لکھی گئی تھی

اے دل افسردہ وہ اسرار باطن کیا ہوئے؟
سوز کی راتیں کہاں ہیں ساز کے دن کیا ہوئے؟

آنسوؤں کی وہ جھڑی وہ غم کا ساماں کیا ہوا؟
تیرا ساون کا مہینہ چشم گریاں! کیا ہوا؟

کیا ہوئی بالائے سر وہ لطفِ یزداں کی گھٹا
آسمان دل پہ وہ گھنگھور عرفاں کی گھٹا

اب وہ نالوں کی گرج ہے اب نہ وہ شور فغاں
اب نہ اُٹھتا ہے کلیجے سے محبت کا دھواں

اپنے انفعالِ سیہ پر اب پشیمانی نہیں
اب پسینے کے ستارے زیبِ پیشانی نہیں

درد کی مدت سے اب دل میں چمک ہوتی نہیں
وہ تپک چھالوں کی کوندے کی لپک ہوتی نہیں

ذکرِ مولیٰ سے لبوں پر اب وہ نرمی ہی نہیں
بھاپ سینے سے اُٹھے کیا دل میں گرمی ہی نہیں

اب شرارے سوزِ غم کے دل میں رہتے ہی نہیں
اشک اب پچھلے پہر آنکھوں سے بہتے ہی نہیں

معرفت دل میں نہ اب وہ روح میں احساس ہے
لوگ کہتے ہیں کہ ہے لیکن ہمیں تو یاس ہے

اب نہ وہ آنکھوں میں اشکِ خوں نہ وہ دل میں گداز
اب نہ وہ شامِ تمنا ہے نہ وہ صبحِ نیاز

خشک ہیں آنکھیں جبینیں تنگ سینے سرد ہیں
اب نہ وہ دکھتے ہوئے دل ہیں نہ چہرے زرد ہیں

آہ کی اور دل اُمنڈ آیا یہ ہوتا ہی نہیں
ڈوب کر ذوقِ فنا میں کوئی روتا ہی نہیں

پھول داغوں سے کھلے تھے جس دلِ سرشار میں
خاک اب مدت سے اُڑتی ہے اُسی گلزار میں

آنسوؤں سے نم جو رہتا تھا وہ داماں جل گیا
لہلہاتا تھا جو سینے میں گلستاں جل گیا

روح میں بالیدگی کی قوتیں معدوم ہیں
دونوں آنکھیں آنسوؤں کے فیض سے محروم ہیں

پیچ و خم سے بہنے والا دل کا دریا خشک ہے
وہ بھری برسات یعنی چشمِ بینا خشک ہے

خون ہے دل میں مگر پہلی سی طغیانی نہیں
ابر ہے بادِ مخالف سے مگر پانی نہیں

جب یہ عالم ہے تو بارش کی شکایت کس لیے؟
بے محل یہ حسرتِ بارانِ رحمت کس لیے؟

اک مجسم خشک سالی خود ہماری ذات ہے
ضد ہماری بستیوں کی ابر ہے برسات ہے

رحمتوں سے جوش میں آنے کی خواہش کیا کریں!
خود سراپا قحط ہیں اُمید بارش کیا کریں!

☆☆

سُراغِ راہرو

جہاں زمیں پہ رگڑ کا نشاں ہُویدا ہے
دلیل اس کی ہے سانپ اس طرف سے گزرا ہے

نشاں ہلال نما راہ میں بتاتے ہیں
کہ تھوڑی دور پہ آگے سوار جاتے ہیں

غبارِ راہ نشاں ہے کسی تگ و پو کا
یقین ہوتا ہے نقشِ قدم سے رہرو کا

ٹپک کے جھاڑیوں سے خون یہ بتاتا ہے
کہ زخم کھا کے اِدھر سے شکار بھاگا ہے

صنم تراش نہ ہو تو صنم نہیں بنتا
قدم نہ ہو تو نشانِ قدم نہیں بنتا

یونہی یہ راہ کہ ہے جس کا نام کاہکشاں
یونہی یہ نقشِ قدم ماہ و نیرِ تاباں

یونہی یہ گرد سرِ راہ خوشنما تارے
رواں ہیں جن کی جبینوں سے حسن کے دھارے

زمیں کا نور ہیں اور آسماں کی زینت ہیں
کسی کی شوخیٔ رفتار کی علامت ہیں!!

☆☆

برقِ عرفان

خاموش رات اپنا سکہ جما چکی ہے
زلفِ سیہ کمر تک لہرا کے آ چکی ہے

پیشانیٔ فلک پر تارے جھلک رہے ہیں
تکیوں پہ مہوشوں کے عارض چمک رہے ہیں

خاموش ہیں ہوائیں ذرّے سجے ہوئے ہیں
شاخیں جھکی ہوئی ہیں دریا تھمے ہوئے ہیں

پھولوں کے عارضوں پر باغوں میں اک نمی ہے
شبنم کے موتیوں کے سبزے پہ شبنمی ہے

خاموشیوں میں سن سن آواز آ رہی ہے
لیلائے شب پھریرا شاید اُڑا رہی ہے

وہ غل نہ اب جہاں میں وہ شور شر رہا ہے
گویا تمام عالم کچھ غور کر رہا ہے

ہستی کا ذرہ ذرہ بے حس ہے سو رہا ہے
لیکن کنول جلائے اک شخص رو رہا ہے

چیم ٹپک رہی ہے اک تشنگی نظر سے
دیدار کی تمنا ظاہر ہے چشم تر سے

پلکیں سُلگ رہی ہیں لو دے رہے ہیں آنسو
سوز دل و جگر سے دوزخ ہیں دونوں پہلو

جذبات بیخودی کی ندی اُبل رہی ہے
تخئیل کی سنہری قندیل جل رہی ہے

آنکھیں بتا رہی ہیں صدمے بڑے ہوئے ہیں
ناکام زندگی کے حلقے پڑے ہوئے ہیں

گہرا سکوت شب کا آہوں میں بہہ رہا ہے
تاروں سے بیکسی میں اس طرح کہہ رہا ہے

اے خوشنما ستارو! شمعیں جلانے والو!
گردوں پہ سادگی سے اے جگمگانے والو!

آرائش جہاں کی خاطر سنورنے والو!
ہاں صوتِ سرمدی پر اے رقص کرنے والو!

اک بات میری مانو صدقے میں اس ضیا کے
جب گلشنوں میں جھونکے چلنے لگیں ہوا کے

جب آسماں پہ کچھ کچھ رنگین دھاریاں ہوں
جب بادلوں کے ٹکڑے زرتار و زرفشاں ہوں

لپٹے ہوئے تڑپ میں دیوار و در کھڑے ہوں
ہلکی سی چاندنی کے ہیرے جڑے ہوئے ہوں

کچھ نور کچھ سیاہی جس وقت مل رہے ہوں
فردوس کی ہوا سے جب پھول کھل رہے ہوں

ہلکا سا اک گلابی پر تو ہو جب فضا میں
سبزے پہ لہر دوڑے خنکی ہو جب ہوا میں

جس وقت صبح صادق مشرق سے جگمگائے
جیسے ہی آج تم میں حسنِ ازل سمائے

کہنا کہ ایک بندہ مدّت سے رو رہا ہے
رو رو کے بیکسی میں جان اپنی کھو رہا ہے

رونے کا چشم تر سے گویا معاہدہ ہے
معبود یہ ہمارا عینی مشاہدہ ہے

ہم کانپتے ہیں کچھ یوں شب بھر کراہتا ہے
اور تجھ سے صرف اتنا اے دوست چاہتا ہے

جب صبح کا ستارہ ذرّوں کو جگمگا دے
تو اک ذرا نکل کر پردہ سے مسکرا دے

☆☆

غزلیات

نالۂ سحر

پچھلا پہر ہے غرقِ راز و نیاز ہو جا
بیتاب ہیں نگاہیں سرگرم ناز ہو جا

دل بجھ رہا ہے اب تو خلوت کدے میں در آ
آرائشِ حریم سوز و گداز ہو جا

رگ رگ میں سوز دوڑا سینے کو مشتعل کر
طوفانِ دلبری بن طغیانِ ناز ہوجا

اشکوں میں رہنے والے آنکھوں کے سامنے آ
اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہو جا

یوں مسکرا کہ گم ہو صبحِ ازل کا جلوہ
اے حسنِ بے نیازی خورشید ناز ہو جا

کیفِ شگفتگی دے افسردہ خاطری کو
ہو جا ذرا ادھر بھی او عشوہ ساز ہو جا

مخمور کر فضا کو بے حس مجھے بنا دے
اے سرمدی ترانے طاقت گداز ہو جا

مشعل کی آرزو ہے تاریک خانماں ہوں
باطن کی انجمن میں اے برقِ ناز ہو جا

اے جوش کھول آنکھیں وہ کوئی آ رہا ہے
ذرّوں پہ سر جھکا دے غرقِ گداز ہو جا

☆☆

تجھے اس سے زیادہ کوئی سمجھا ہی نہیں سکتا
خدا وہ ہے جو حدِ عقل میں آ ہی نہیں سکتا

مرا دل عزتِ فانی پہ اترا ہی نہیں سکتا
ترے دھوکے میں اے دنیا کبھی آ ہی نہیں سکتا

رموزِ معرفت کو معنیِ بے لفظ کہتے ہیں
یہ وہ باتیں ہیں جن کو ناطقہ پا ہی نہیں سکتا

انھیں اس کی تمنا شرح سن لوں سوزِ باطن کی
مجھے اس کی پشیمانی کہ سمجھا ہی نہیں سکتا

جو ہر جنبش کے پیچھے اک سکوں محسوس کرتا ہے
کبھی وہ اضطرابِ دل سے گھبرا ہی نہیں سکتا

جسے حس ہو گیا یہ عقل اک طوقِ غلامی ہے
قیامت تک کبھی وہ ہوش میں آ ہی نہیں سکتا

عقائد نے مرے دی اس کو آزادی جفاؤں کی
سمجھ رکھا ہے اُس نے زہر یہ کھا ہی نہیں سکتا

☆☆

گداز دل سے باطن کا تجلی زار ہو جانا
محبت اصل میں ہے روح کا بیدار ہو جانا

نوید عیش سے اے دل ذرا ہشیار ہو جانا
کسی تازہ مصیبت کے لیے تیار ہو جانا

وہ اُن کے دل میں شوقِ خودنمائی کا خیال آنا
وہ ہر شے کا تجسم کے لیے تیار ہو جانا

مزاجِ حسن کو اب بھی نہ سمجھو تو قیامت ہے
ہمارا اور وفا کے نام سے بیزار ہو جانا

سحر کا اُس طرف انگڑائی لینا دلفریبی سے
ادھر شاعر کے محسوسات کا بیدار ہو جانا

توسل سے ترے دل میں بھردوں گا قوت برقی
ذرا میری طرف بھی اے نگاہِ یار ہو جانا

وہ آرائش میں سب قوت کسی کا صرف کر دینا
تحمل میں وہ ہر کوشش مری بیکار ہو جانا

معاذ اللہ اب یہ رنگ ہے دنیا کی محفل کا
خدا کا نام لینا اور ذلیل و خوار ہو جانا

رگوں سے خون سارا زہر بن کر پھوٹ نکلے گا
ذرا اے جوشِ ضبطِ شوق سے ہُشیار ہو جانا

☆☆

جب فضائے قدس میں پرچم اُڑا تقدیر کا
عقل سجدے میں گری سر جھک گیا تدبیر کا

وجد کے قابل تھا راہِ سعی میں میرا ثبات
دل نہ دھڑکا گو قدم کانپا کیا تدبیر کا

کہتے ہیں جس کو مسرّت اک خیالی چیز ہے
سونگھتا ہے کیا اسے یہ پھول ہے تصویر کا

طے کیے بیٹھا ہوں کب سے شرمساری کی حدیں
مرتبہ پوچھے کوئی مجھ سے مری تقصیر کا

وائے قسمت دل بھر آیا ہونٹ تھرانے لگے
ہو چلا تھا کچھ اثر اُن پر مری تقریر کا

توسل سے ترے دل میں بھروں گا قوت برقی
ذرا میری طرف بھی اے نگاہِ یار ہو جانا

وہ آرائش میں سب قوت کسی کا صرف کر دینا
تحمل میں وہ ہر کوشش مری بیکار ہو جانا

معاذ اللہ اب یہ رنگ ہے دنیا کی محفل کا
خدا کا نام لینا اور ذلیل و خوار ہو جانا

رگوں سے خون سارا زہر بن کر پھوٹ نکلے گا
ذرا اے جوش ضبط شوق سے ہشیار ہو جانا

☆☆

جب فضائے قدس میں پرچم اُڑا تقدیر کا
عقل سجدے میں گری سر جھک گیا تدبیر کا

وجد کے قابل تھا راہِ سعی میں میرا ثبات
دل نہ دھڑکا گو قدم کانپا کیا تدبیر کا

کہتے ہیں جس کو مسرت اک خیالی چیز ہے
سونگھتا ہے کیا اسے یہ پھول ہے تصویر کا

طے کیے بیٹھا ہوں کب سے شرمساری کی حدیں
مرتبہ پوچھے کوئی مجھ سے مری تقصیر کا

وائے قسمت دل بھر آیا ہونٹ تھرانے لگے
ہو چلا تھا کچھ اثر اُن پر مری تقریر کا

کچھ سمجھ کر میں جھکا اپنی پرستش کے لیے
جاہلوں نے مجھ پہ فتویٰ دے دیا تکفیر کا

ہوتی جاتی ہیں ادھر بے نور آنکھیں نزع میں
اُٹھتا جاتا ہے اُدھر پردہ تری تصویر کا

اہلِ عالم کو مبارک جوشؔ فانی عز و جاہ
فخر کافی ہے مجھے ہمنامیِ شبیر کا

☆☆

ہم نے نکالیں سیکڑوں راہیں کچھ بھی سکونِ غم نہ ہوا
جان کو کچھ آرام نہ پہنچا دل کا دھڑکنا کم نہ ہوا

کیا نزع کی تکلیفوں میں مزا جب موت نہ آئے جوانی میں
کیا لطف جنازہ اُٹھنے کا ہر گام پہ جب ماتم نہ ہوا

اشکوں کے نکلنے میں ہے تسلی دل کے تڑپنے میں ہے مزا
واللہ کہ وہ انسان نہیں اس راز سے جو محرم نہ ہوا

جب سے نگاہیں تم سے لڑائیں عیش گیا آرام گیا
کس صبح کو آہِ سرد نہ کھینچی کون سی شب ماتم نہ ہوا

راحت کا جہاں میں نام نہیں ایذا کے سوا آرام نہیں
جس روز سے دل نے یہ سمجھا اُس روز سے کوئی غم نہ ہوا

گھر بھر میں کسی کا پرتو تھا، قندیلِ تصوّر روشن تھی
کیا وجد کے قابل تھا یہ سماں کل رات کو تو ہمدم نہ ہوا

☆☆

ساری دنیا ہے ایک پردۂ راز
اُف رے تیرے حجاب کے انداز

موت کو اہل دل سمجھتے ہیں
زندگانی عشق کا آغاز

مر کے پایا شہید کا رُتبہ
میری اس زندگی کی عمر دراز

کوئی آیا تری جھلک دیکھی
کوئی بولا سنی تری آواز

ہم سے کیا پوچھتے ہو ہم کیا ہیں؟
اک بیاباں میں گم شدہ آواز

تیرے انوار سے لبالب ہے
دل کا سب سے عمیق گوشۂ راز

آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
"جوش ہمتائے حافظِ شیراز"

☆☆

پہنچ کر عالمِ وحدت میں دل سے کام لیتے ہیں
جب آدھی رات آ جاتی ہے اُن کا نام لیتے ہیں

برس جاتے ہیں موتی برق سی اک کوند جاتی ہے
کچھ اس انداز سے وہ مسکرا کر جام لیتے ہیں

کوئی اس کوششِ اخفائے رازِ عشق کی حد بھی
کہ خلوت میں بھی آہستہ کسی کا نام لیتے ہیں

یہ سن کر ہم نے میخانہ میں اپنا نام لکھوایا
جو میکش لڑکھڑاتا ہے وہ بازو تھام لیتے ہیں

سحر تک چاند میرے سامنے رکھتا ہے عکس اُن کا
ستارے شب کو میرے ساتھ اُن کا نام لیتے ہیں

نہیں معلوم کیا کھوئی ہوئی شے یاد آتی ہے
ہوا جب سرد چلتی ہے کلیجہ تھام لیتے ہیں

قریب رہ گزر تربت کا ہونا بھی قیامت ہے
اِدھر سے جو گزرتے ہیں تمھارا نام لیتے ہیں

☆☆

بے سبب کب طلبِ دوست پہ مغرور نہیں
دل میں کیا گھاؤ نہیں آنکھ میں ناسور نہیں

رسمِ اُلفت کا اب اس عہد میں دستور نہیں
تم یہ کہتے ہو تو جینا ہمیں منظور نہیں

جب کہ مدت سے یہی پیشہ آیا ہے تو ہم
صاحبِ سیف و قلم ہوں تو کوئی دور نہیں

حسرتِ وصل ہے اور داغ نہیں سینے میں
خواہشِ دید ہے اور آنکھ میں ناسور نہیں

اب کھلا رازِ درِ دوست پہ سجدہ کر کے
آسمانوں کی بلندی تو کوئی دور نہیں

داغِ ہستی کو بہر طور مٹا ہی دیں گے
اپنے دامن پہ یہ دھبہ ہمیں منظور نہیں

جھلملاتے ہوئے تاروں میں یہ سنتا ہوں صدا
رونے والے میں ترے پاس ہوں کچھ دور نہیں

مسکراتے ہوئے آئے ہیں وہ میت پہ مری
روح قالب میں پلٹ آئے تو کچھ دُور نہیں

دعوئے عشق کجا شور اناالحق کیسا
سانس لینا بھی تری بزم میں دستور نہیں

آپ ہی کچھ نہیں بیزار مرے جینے سے
میں بھی اس زندگیٔ تلخ سے مسرور نہیں

دیر سے دیکھ رہے ہیں وہ ادائیں اپنی
آئینہ ہاتھ سے چھٹ ئے تو کچھ دُور نہیں

اہل عرفاں میں عجب چیز ہے ٹوٹا ہوا دل
کتنا بے قدر یہ شیشہ ہے اگر چور نہیں

اس طرف لے کے چلی حسرتِ دیدار مجھے
کہ جہاں آنکھ اُٹھانے کا بھی دستور نہیں

دیکھ لو بند کفن کھول کے تم ایک نظر
اب نہ شرماؤ کہ آنکھوں میں مری نور نہیں

ہو چلی نزع میں اے جوش لبوں کو جنبش
دونوں عالم میں تلاطم ہو تو کچھ دُور نہیں

عمارت پر نہ جا کچھ بھی نہیں شاہوں کی محفل میں
محبت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

جب آنکھیں بند کرتا ہوں جھلکتا ہے مرے دل میں
وہ پرتو جو سماتا ہی نہیں ہے چشم باطل میں

کبھی جن کا تبسم روح کو بیدار کرتا تھا
وہی اب سو رہے ہیں قبر کی تاریک منزل میں

جب آدھی رات پردہ ڈال دیتی ہے زمانے پر
کوئی دربار کرتا ہے مرے کاشانۂ دل میں

کلی مرجھائی ٹپکیں شاخ گل سے خون کی بوندیں
ہوائے گرم یہ کیا کہہ گئی پھولوں کی محفل میں

یہ صوت سرمدی ہے جس پہ تارے رقص کرتے ہیں
یہ حسن دوست ہے جس کی تڑپ ہے ماہ کامل میں

نظر نے پا لیا ہے انتہائے عیش فانی کو
خوشی کے نام سے اب درد اٹھتا ہے مرے دل میں

مری راتیں مری تخئیل دونوں تجھ سے روشن ہیں
اُتر آ چودھویں کے چاند! رکھ لوں میں تجھے دل میں

مزاج خاکساری میں [illegible]ت ہے قیامت کی
نہ لے جاؤ مجھ[illegible] مغرور انسانوں کی محفل میں

صدا دی جب درِ دل پہ یہ دنیا نے ہمیں دیکھو!
جواں ہیں اور کوئی ولولہ باقی نہیں دل میں

سبق لیتا ہے اکثر معرفت کا فلسفہ ہم سے
کہ ہم ڈوبے ہوئے ہیں جوشِ روحانی مسائل میں

☆☆

اتنا لبریزِ وفا روح کا پیمانہ ہے
اب تو ہر سانس مری آپ کا افسانہ ہے

ختم ہے عمر نہ ساقی ہے نہ میخانہ ہے
زندگی اب تو چھلکتا ہوا پیمانہ ہے

پنکھڑی کوئی بھی شبنم سے نہیں ہے خالی
ساقیِ صبح کا ہر پھول میں میخانہ ہے

عقل مدہوش ہے اور روح دکھاتی ہے چراغ
بے خطر راہِ طلب میں ترا دیوانہ ہے

اے خدا دیکھ کہ اب یہ ہے زمانے کی روش
جو ترے نام پہ مرتا ہے وہ دیوانہ ہے

شومئ بخت ہے گو جوش وہ اسباب نہیں
پھر بھی خوش ہوں کہ طبیعت تو فقیرانہ ہے

☆☆

یقیں ہے دوستو مجھ کو مرے وحشت طلب دل سے
کہ یہ آسانیاں پیدا کرے گا سخت مشکل سے

کبھی سن لے ارے او سازِ عشرت چھیڑنے والے
عجب آواز آتی ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل سے

بُجھی جاتی ہیں شمعیں دل بلے جاتے ہیں سینوں میں
بتا دُنیا کہ یہ اُٹھ کر چلا ہے کون محفل سے

جبیں پر سادگی نیچی نگاہیں بات میں نرمی
مخاطب کون کر سکتا ہے تم کو لفظِ قاتل سے؟

نہیں ہے آہ میں تاثیر خیر اچھا نکلوا دو!
بتا دیتا میں ورنہ ''اس طرح اُٹھتے ہیں محفل سے''

وہ اک ہم ہیں جسے کف در دہاں موجوں نے گھیرا ہے
وہ اک تم ہو کہ ہنستے ہو تماشا گاہ ساحل سے

ارے او پوچھنے والے "سبب میرے نہ ہنسنے کا
مجھے رونا بھی اب مدت ہوئی آتا ہے مشکل سے

زمانہ میں جب آدھی رات کا ہوتا ہے سناٹا
برابر آپ کی آواز آتی ہے مرے دل سے

سمجھ کر رمزدہ اے جوش ہمرازوں کا ہنس دینا
مرا وہ مطمئن بن کر نکلنا کوئے قاتل سے

☆☆

دل بجھ گیا ہے، سینہ خالی سا ہو گیا ہے
بیٹھا ہوا ہوں حیراں کچھ جیسے کھو گیا ہے

کس نے یہ نصف شب میں چھیڑا رباب اپنا
ہستی کا ذرّہ ذرّہ مدہوش ہو گیا ہے

بیمار شامِ غم کی اللہ ری نا اُمیدی
ملتے ہی تم سے آنکھیں کچھ چپ سا ہو گیا ہے

کس زور میں رواں ہے دریائے غم کا دھارا
آیا ہے جو وہ اپنی کشتی ڈبو گیا ہے

آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا
جب کوئی پوچھتا ہے "کیا تجھ کو ہو گیا" ہے؟

آ نکلے ہو تو تم بھی کچھ دل کا حال سن لو
گزرا ہے جو ادھر سے کچھ دیر رو گیا ہے

کل شب کو چاندنی میں پھر اس کی یاد آئی
ہم جانتے تھے دل سے وہ محو ہو گیا ہے

چہرے پہ مردنی سی چھائی ہوئی ہے گویا؟
دو دن میں جوش تیرا کیا حال ہو گیا ہے!!

☆☆

میری حالت دیکھیے اور اُن کی صورت دیکھیے
پھر نگاہِ غور سے قانونِ قدرت دیکھیے

سیرِ مہتاب و کواکب سے تبسم تابہ کے
رو رہی ہے وہ کسی کی شمعِ تربت دیکھیے

آپ اک جلوہ سراسر میں سراپا اک نظر
اپنی حاجت دیکھیے میری ضرورت دیکھیے

اپنے سامانِ تعیش سے اگر فرصت ملے
بے کسوں کا بھی کبھی طرزِ معیشت دیکھیے

مسکرا کر اس طرح آیا نہ کیجے سامنے
کس قدر کمزور ہوں میں میری صورت دیکھیے

آپ کو لایا ہوں ویرانوں میں عبرت کے لیے
حضرتِ دل دیکھیے اپنی حقیقت دیکھیے

صرف اتنے کے لیے آنکھیں ہمیں بخشی گئیں
دیکھیے دنیا کے منظر اور بہ عبرت دیکھیے

موت بھی آئی تو چہرے پر تبسم ہی رہا ؟
ضبط پر ہے کس قدر ہم کو بھی قدرت دیکھیے

یہ بھی کوئی بات ہے ہر وقت دولت کا خیال
"آدمی" ہیں آپ اگر تو آدمیت دیکھیے

پھوٹ نکلے گا جبیں سے ایک چشمہ حسن کا
صبح اُٹھ کر خندۂ سامانِ قدرت دیکھیے

رشحۂ شبنم، بہارِ گل، فروغِ مہر و ماہ
واہ کیا اشعار ہیں دیوانِ فطرت دیکھیے

اس سے بڑھ کر اور عبرت کا سبق ممکن نہیں
جو نشاطِ زندگی تھے اُن کی تربت دیکھیے

تھی خطا اُن کی مگر جب آ گئے وہ سامنے
جھک گئیں میری ہی آنکھیں رسمِ اُلفت دیکھیے

خوشنما یا بدنما ہو دہر کی ہر چیز میں
جوش کی تخئیل کہتی ہے کہ ندرت دیکھیے

☆☆

''برق سی اک گرائی جاتی ہے''
یوں بھی صورت دکھائی جاتی ہے

لوگ مُڑ مُڑ کے دیکھتے ہیں انھیں
لاش میری اُٹھائی جاتی ہے

میری میت پہ کیوں تری تصویر
دوستوں کو دکھائی جاتی ہے

کون آیا ہے لاش پر میری
منہ سے چادر ہٹائی جاتی ہے

تم نہ دیکھو! کہ میرے چہرے پر
اک تمنا سی پائی جاتی ہے

تیری باتوں میں آج کل پھر جوش
بُو محبت کی پائی جاتی ہے

☆☆

جب سے مرنے کی جی میں ٹھانی ہے
کس قدر ہم کو شادمانی ہے

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے
یہ مرا فنِ خاندانی ہے

کیوں لبِ التجا کو دوں جنبش
تم نہ مانو گے اور نہ مانی ہے

روح کیا؟ آہ کی خفیف ہوا
خون کیا؟ آنسوؤں کا پانی ہے

آپ ہم کو سکھائیں رسمِ وفا
مہربانی ہے، مہربانی ہے!!

دل ملا ہے جنھیں ہمارا سا
تلخ اُن سب کی زندگانی ہے

کوئی صدمہ ضرور پہنچے گا
آج کچھ دل کو شادمانی ہے

☆☆

جب سے مرنے کی جی میں ٹھانی ہے
کس قدر ہم کو شادمانی ہے

شاعری کیوں نہ راس آئے مجھے
یہ مرا فنِ خاندانی ہے

کیوں لبِ التجا کو دوں جنبش
تم نہ مانو گے اور نہ مانی ہے

روح کیا؟ آہ کی خفیف ہوا
خون کیا؟ آنسوؤں کا پانی ہے

آپ ہم کو سکھائیں رسمِ وفا
مہربانی ہے، مہربانی ہے!!

دل ملا ہے جنھیں ہمارا سا
تلخ اُن سب کی زندگانی ہے

کوئی صدمہ ضرور پہنچے گا
آج کچھ دل کو شادمانی ہے

☆☆

ڈور اندیش مریضوں کی یہ عادت دیکھی
ہر طرف دیکھ لیا جب تری صورت دیکھی

آئے اور اک نگہہِ خاص سے پھر دیکھ گئے
جب کہ آتے ہوئے بیمار میں طاقت دیکھی

تو تمیں ضبط کی ہر چند سنبھالے تھیں مجھے
پھر بھی ڈرتے ہوئے میں نے تری صورت دیکھی

محفلِ حشر میں یہ کون ہے میرِ مجلس؟
یہ تو ہم نے کوئی دیکھی ہوئی صورت دیکھی!!

سب یہ کہتے ہیں اسے اب کوئی آزار نہیں
کیوں ستم گار مرے ضبط کی قوت دیکھی؟

اس کی صورت کو بہت غور سے دیکھا میں نے
سرسری طور سے جس نے تری صورت دیکھی

سونے والوں پہ نہ چمکا کبھی نورِ سحری
رونے والوں ہی کے چہروں پہ صباحت دیکھی

صفحۂ دل پہ جو مقصود تھا گہرا نقشہ
دیر تک شکل تمھاری دمِ رخصت دیکھی

اس قدر یاس بھی ہوتی ہے کہیں دنیا میں
رو دیے ہم جو تری چشمِ عنایت دیکھی

مجھ کو تعلیم سے فرصت ہی کہاں اے شبیر
کہہ لیا شعر کوئی جب کبھی فرصت دیکھی

☆☆

دلِ آزادہ رو میں وہ تمنا تھی بیاباں کی
قدم رکھتے ہی شق ہونے لگی دیوار زنداں کی

تری قوت پہ اے جوشِ نمو ادراک حیراں ہے
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

پشیماں ہو کے میرے بعد گھر سے اقربا نکلے
بنانے آئے تھے فہرست میرے ساز و ساماں کی

گھٹا میں برق کی چشمک، ستاروں میں درخشانی
یہ تصویریں ہیں کچھ تیرے تجسم ہائے پنہاں کی

کبھی دنیا کے منظر کی طرف پھر ہی نہیں سکتیں
مری آنکھیں" کہ ہیں پابندِ حسنِ روئے جاناں کی

خدا کی رحمتیں اے مطربِ رنگیں نوا تجھ پر
کہ ہر کانٹے میں تو نے روح دوڑا دی گلستاں کی

گل نے ساز چھیڑا، بلبلوں نے نغمۂ شیریں
ترے آتے ہی گویا جاگ اٹھی دنیا گلستاں کی

زمیں سے آسماں تک ذرہ ذرہ رقص کرتا ہے
شعاعیں پڑ رہی ہیں آفتاب روئے جاناں کی

اسی انداز سے پھر کھول دیں زلفیں ستم گر نے
کسی کافر سے ہوگی اب حفاظت دین و ایماں کی

یہ ثابت کر دیا تجھ کو بنا کر دست قدرت نے
"کہ ہو سکتی ہیں اتنی خوبی صورت میں انساں کی"

مناسب ہو اگر تو ساز شادی روک کر دم بھر
ذرا رُوداد سن لیتے مرے حال پریشاں کی

نسیم صبح ٹھنڈی سانس بھرتی ہے مزاروں پر
اُداسی منہ اندھیرے دیکھیے گور غریباں کی

جھپک جاتی ہے ان کی آنکھ لیکن میں نہیں سوتا
ستاروں سے حقیقت پوچھ میری چشم گریاں کی

شب مہتاب میں اے سونے والے بستر گل پر
پرستش کر رہا ہے چاند تیرے روئے تاباں کی

سحر کو سانس لی دریا نے دوڑی روح لہروں میں
نہانے آئی جب پہلی کرن مہر درخشاں کی

حیاتِ عارضی کیا؟ اک لطیفہ اس کی قدرت کا
قضا کیا؟ روح پرور اک ادا اس آفت جاں کی

کنارِ آب جو فصلِ بہاری کی ہواؤں میں
نہ پوچھ اے ہم نشیں لذت جرأت ہائے پنہاں کی

ارے او حکم دینے والے مجھ کو در سے اُٹھنے کا
جگہ مجھ کو نہ دے گی کیا زمیں گورِ غریباں کی؟

"ازل" پہلا تبسم اس لب ایجاد فطرت کا
"قیامت" چند سانسیں آخری ہستی کے ساماں کی !!

سنا ہے اپنے چہرے سے کوئی زلفیں ہٹاتا ہے
سحر کے وقت دیکھی روشنی میں ماہ تاباں کی

ہواؤں کے وہ جھونکے، وہ کھلے میداں کی سردی
وہ لہریں چاند سے رخسار پہ زلف پریشاں کی

سر بالیں سحر ہوتے ہی غمخواروں کا مجمع ہے
خدا جانے بسر کس طرح میں نے شام ہجراں کی

ٹپک پڑتے ہیں جن کے اشک بربادی کے قصوں پہ
خبر ہو جائے کاش اُن کو مرے حالِ پریشاں کی

نہ لو انگڑائیاں اس طرح اُٹھ کر خوابِ نوشیں سے
کہیں کروٹ نہ لے دنیا مرے جذباتِ پنہاں کی

ہماری زندگی کیا؟ سلسلہ اک دل دھڑکنے کا
ہماری موت کیا؟ جنبش ہے ایک جذباتِ پنہاں کی

بتا دیں گی یقیں ہے جوشِ مُردہ با خدا اک دن
تپش اندوزیاں سینے سے برقِ سوزِ پنہاں کی

☆☆

اپنے میں جو اب بھولے سے کبھی راحت کا تقاضہ پاتا ہے
حالات پہ میرے کر کے نظر دل مجھ سے بہت شرماتا ہے

اُلجھن سی یکایک ہوتی ہے دم رُکتا ہے دل بھر آتا ہے
جب کوئی تسلی دیتا ہے کچھ اور بھی جی گھبراتا ہے

کس سے ملوں اور کس سے مدد لوں ہائے مری محرومیٔ دل
آغازِ محبت ہی میں زمانہ مجھ سے تمھیں چھڑواتا ہے

آرام سرکنے والا ہے کس شے پہ یہ غرّہ ہے تجھ کو؟
دنیا یہ بدلنے والی ہے؟ کس چیز پہ تو اتراتا ہے؟

کس طرح یہ دل کا رنج ہٹے؟ اللہ میں کیا تدبیر کروں؟
آنسو ہیں کہ اُبلے پڑتے ہیں دل ہے کہ وہ بیٹھا جاتا ہے

اعلان سحر کو ہوتا ہے یوں حسن کی شاہنشاہی کا
گردوں پہ سنہرا اک پرچم مشرق کی طرف لہراتا ہے

مشکل میں یوں اپنی فطرت سے انجام پہ یوں رہتی ہے نظر
جب سازِ مسرت چھڑتے ہیں، بے ساختہ رونا آتا ہے

انداز و ادا سے اے دنیا تو لاکھ سنور کر سامنے آ
یہ جوشِ فقیر آزاد منش کب دھیان میں تجھ کو لاتا ہے

☆☆

تبسم ہے وہ ہونٹوں پر جو دل کا کام کر جائے
انھیں اس کی نہیں پروا کوئی مرتا ہے مر جائے

دعا ہے میری اے دل تجھ سے دنیا کوچ کر جائے
اور ایسی کچھ بنے تجھ پر کہ ارمانوں سے ڈر جائے

جو موقع مل گیا تو خضر سے یہ بات پوچھیں گے
جسے ہو جستجو اپنی وہ بیچارہ کدھر جائے؟

سحر کو سینۂ عالم میں پرتو ڈالنے والے
تصدق اپنے جلوے کا مرا باطن سنور جائے

پریشاں بال کرتے ہیں انھیں شوخی سے مطلب ہے
بکھرتا ہے اگر شیرازۂ عالم، بکھر جائے

حیات دائمی کی لہر سے اس زندگانی میں
اگر مرنے سے پہلے بن پڑے تو جوشؔ مر جائے

☆☆

تجربہ کے دشت سے دل کو گزرنے کے لیے
روز اک صورت نئی ہے غور کرنے کے لیے

جب کوئی بنتا ہے لاکھوں ہستیوں کو پیٹ کر
صبح تاروں کو دباتی ہے اُبھرنے کے لیے

حاصلِ اسرارِ فطرت ہوں، گدا بھی ہوں تو کیا
بات یہ کافی ہے مجھ کو فخر کرنے کے لیے

روح کو چمکا خودی کو توڑ کر زینے بنا
دو یہ تدبیریں ہیں دنیا میں اُبھرنے کے لیے

غور سے دیکھا نظامِ دہر تو ثابت ہوا
''آدمی پیدا ہوا ہے کام کرنے کے لیے''

صبح اٹھ کر آنسوؤں سے خون کے روتا ہوں میں
دل کے نقشے میں وفا کا رنگ بھرنے کے لیے

گوہر مقصود خود ملتا ہے ہمت شرط ہے
مضطرب رہتا ہے ہر موتی ابھرنے کے لیے

آنکھ شرمائی ہوئی ہے دل پشیمانی پہ ہیں
آئینہ خانے میں جاتے ہیں سنورنے کے لیے

کہہ دو دنیا کے حوادث سے نہ چھیڑیں اس طرح
جوشؔ ہم تیار ہی بیٹھے ہیں مرنے کے لیے

☆☆

سبدِ گل

(1)

بیہوشیوں نے اور خبر دار کر دیا
سوئی جو عقل روح کو بیدار کر دیا

فطرت نے شام ہوتے ہی دریا کو روک کر
آئینۂ ثوابت و سیار کر دیا

ہر جن تصوّرات میں رہتے ہیں رات دن
کتنوں کو اس جنون نے بیکار کر دیا

سوجھا عجیب کاتبِ تقدیر کو مذاق
شاعر بنا کے ہم کو زمیندار کردیا

(2)

دیکھتے ہی اُٹھیں وہ حال نہ تھا
مجھ کو جیسے کبھی ملال نہ تھا

تیرے ملنے سے قبل بھی مجھ کو
تھا مگر اس قدر ملال نہ تھا

لوٹ جاتا چمک پہ دنیا کی
میں کوئی طفل خورد سال نہ تھا

☆☆

(3)

جمعیتوں نے بڑھ کے پریشاں بنا دیا
گلشن کو رفتہ رفتہ بیاباں بنا دیا

آتا نہ ہوگا راس کسی کو نہ آئے عشق
ہم کو تو تیرے درد نے انساں بنا دیا

دنیا بہت وسیع تھی لیکن مرے لیے
آزادیِ خیال نے زنداں بنا دیا

ممنون ہوں طبیعت محنت شعار کا
ڈالا وہ آفتوں میں کہ انساں بنا دیا

(4)

درد نے دل میں چمک کر طرفہ ساماں کر دیا
پیکر تاریک کو فانوسِ عرفاں کر دیا

ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا کے کانٹے ہو گئے
تم نے کانٹوں پہ قدم رکھا گلستاں کر دیا

بس عنایت کے تصدق اس تعلق کے نثار
آپ کو میری خطاؤں نے پشیماں کر دیا

☆☆

(5)

چاہنے والوں کی آنکھوں سے حجاب آ ہی گیا
جب نگاہیں لڑ گئیں مجھ سے وہ شرما ہی گیا

چارہ گر سب رو رہے تھے سست تھیں نبضیں مری
ایسے عالم میں بھی وہ آیا تو تڑپا ہی گیا

لاکھ روکا بزم عشرت میں طبیعت کو مگر
لب پہ نالہ اور آنسو آنکھ میں آ ہی گیا

☆☆

(6)

اللہ اللہ یہ اثر! اے گریۂ بیمار دوست
صورتِ دشمن سے پیدا ہوگئے آثار دوست

ایسے بیہوشوں کو ہوش آنا بہت دشوار ہے
اُٹھ چکا ہو جن کے آگے پردۂ رخسار دوست

جلوہ گاہِ ناز کے پردے کو جنبش ہو چلی
اور تھوڑی سی کشش اے طالب دیدار دوست

☆☆

(7)

جوش مر رہنے کی جی میں ٹھان لیں
اب تو اس دل ہی کا کہنا مان لیں

جان لیں گے فلسفہ ہر چیز کا
پہلے ہم اپنی حقیقت جان لیں

صدر ہے یہ کون بزم حشر میں؟
اک ذرا صورت تو ہم پہچان لیں!!

(8)

روز منہ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
دل کی ناطاقتی پہ روتے ہیں

یاد آتی ہیں جب تری باتیں
ہم کلیجہ پکڑ کے روتے ہیں

کچھ نہیں اب مجال دنیا میں
میری تربت پہ آپ روتے ہیں

☆☆

(9)

درد کو دل میں جو کم پاتا ہوں
کانپ اُٹھتا ہوں تڑپ جاتا ہوں

جب کسی کو نہیں پاتا ہمدرد
ہر طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں

مجھ سے کہیے نہ خوشی کے قصے
ایسی باتوں سے میں گھبراتا ہوں

اللہ اللہ یہ عزت غم کی
اب جو ہنستا ہوں تو شرماتا ہوں

☆☆

(10)

کب تک ستم اُٹھائیں کب تک جگر سنبھالیں
اب دل میں ٹھان لی ہے جینے سے ہاتھ اُٹھا لیں

شہروں میں گشت کر لیں صحرا میں خاک اُڑا لیں
تم کو بھی ڈھونڈ لیں گے اپنے کو پہلے پا لیں

جنگل میں چاندنی ہے ہر پھول ہنس رہا ہے
اس وقت تم بھی ہوتے کیونکر تمھیں بلا لیں

☆☆

(11)

آ کے ہنگامِ سکوں دیکھو تو حیرانی مری
درد گھٹتا ہے تو بڑھتی ہے پریشانی مری

حادثاتِ دہر کا اب کچھ اثر ہوتا نہیں
ایک ہے مدت سے آبادی و ویرانی مری

چند لمحوں کے لیے یہ سازِ عشرت روک کر
آپ سن لیں داستانِ خانہ ویرانی مری

آسمانوں کی بلندی دیکھتی ہے راستہ
خاک سے اُٹھنے نہیں دیتی تن آسانی مری

☆☆

(12)

فنائے حرص بیجا ہے فدائے زر پرستی ہے
مہوس تجھ پہ سر سے پاؤں تک دنیا برستی ہے

عیاں ہے صفحۂ گلشن سے فصلِ گل کی معزولی
یہ برگِ خشک تیرا اے خزاں فرمانِ دستی ہے

فنا ہو جا جھلک اُٹھے گا سینہ شمعِ عرفاں سے
ابھی تو دل کے آئینے پہ غافل داغِ ہستی ہے

مرا دعویٰ کہ میں بندہ ہوں دل سے سوزِ باطن کا
وہ ان کا ہنس کے کہنا جوش یہ آتش پرستی ہے

☆☆

(13)

جس کو دیکھو وہ مسکراتا ہے
کون بیکس پہ رحم کھاتا ہے

جب تم آتے ہو سامنے تو کوئی
اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے

کتنا رویا ہوں دیکھ کر یہ خواب
وہ مجھے دور سے بلاتا ہے

قلب کو دے تو دے خوشی آرام
روح کو درد ہی جگاتا ہے

عزم اتنے ہوئے ہیں فسخ کہ اب
دل ارادے سے کانپ جاتا ہے

دل کے آئینے میں مرے کوئی
زلفیں بیٹھا ہوا بناتا ہے

کچھ دنوں سے تو اب بہت مجھ کو
اپنی حالت پہ رحم آتا ہے

(14)

کچھ سوچ کے ہر ایک طلب گار فنا ہے
کیا راز مرے بعد زمانے پہ کھلا ہے

بجلی کے سمندر میں خفیف اٹھی ہیں موجیں
یا اُس لب رنگیں پہ تبسم کی ضیا ہے

جس آنکھ کے پردے میں جھلکتے رہیں آنسو
دراصل وہ سر چشمۂ انوار خدا ہے

(15)

خاموشیوں سے اور کچھ آزار ہو نہ جائے
ڈرتا ہوں سلب قوت گفتار ہو نہ جائے

دیکھ اے جفا شعار نہ کر اس قدر ستم
کوئی غریب جان سے بیزار ہو نہ جائے

ہر چند خودکشی کو بُرا جانتا ہوں میں
مجھ سے بھی کام یہ کہیں ناچار ہو نہ جائے

انجامِ عشق لوح پہ لکھو نہ دوستو!
دنیا وفا کے نام سے بیزار ہو نہ جائے

☆☆

(16)

جلد آ ترے بغیر شبِ غم کا جوش ہے
شمعِ حیات اب کوئی دم میں خموش ہے

میرا سلامِ شوق ادب سے قبول ہو
اے خفتگانِ خاک اگر کچھ بھی ہوش ہے

دور اے خیالِ وضع پھر اس در پہ جا پڑیں
آ اے سیاہ رات کہ تو پردہ پوش ہے

☆☆

(17)

جاتا ہوں سوئے دوست تمنا لیے ہوئے
رگ رگ میں اک خلوص کی دنیا لیے ہوئے

پھر لہر سبزہ زار کی دوڑی ہے خون میں
پھر رو رہا ہوں دامنِ صحرا لیے ہوئے

پھر بارگاہِ عشق میں پہنچا ہوں سر بکف
زخموں سے پاش پاش کلیجا لیے ہوئے

پھر جلوہ گاہِ ناز کی جانب بڑھا ہوں میں
اشکوں کا چشمِ شوق میں دریا لیے ہوئے

پھر خلوتِ خیال میں بیٹھا ہوا ہے وہ
عارض میں شمعِ طور کا شعلہ لیے ہوئے

سر کرنے پھر چلا ہوں مہمِ حسن و عشق کی
ہر سانس میں شکست کی دنیا لیے ہوئے

☆☆

(18)

جلوۂ شامِ طرب سے ہو کے برہم روئیے
خندۂ صبحِ ظفر پر مثلِ شبنم روئیے

ٹھنڈی سانسیں کھینچیے جوشِ نسیمِ صبح پر
دیکھ کر گل پر گہر ریزیٔ شبنم روئیے

برق کی صورت تڑپیے لوٹیے دل کی طرح
شمع کے مانند جلیے مثلِ شبنم روئیے

☆☆

(19)

قوت بڑھا رہی ہے دمِ صبح نور کی
روحانیت میں غرق صدائیں طیور کی

تیرے سلوک سے مجھے چنداں غرض نہیں
میں نے تری خلوص سے خدمت ضرور کی

روکے ہوئے ہیں گو کہ تحمل کی قوتیں
رگ رگ تڑپ رہی ہے دلِ ناصبور کی

کہتے تھے "دل پہ ہاتھ نہ رکھا کرو بہت"
عادت بگاڑ دی نہ دلِ ناصبور کی

اے جوش! یہ کلام میں ہوتیں نہ گرمیاں
تم نے کبھی کسی سے محبت ضرور کی

☆☆

(20)

صبر کی دنیا ہمارے ضبط سے آباد ہے
دل حریف آہ ہے لب دشمنِ فریاد ہے

زلزلوں میں اضطراب دل کے بھی قائم رہا
کس قدر مضبوط اپنے شوق کی بنیاد ہے

اف یونہی گورِ غریباں سے گزر جاؤ گے کیا
وہ کسی کا رو کے کچھ کہنا بھی تم کو یاد ہے؟

سلسلے سے راحتیں پہنچیں تو جنبش چھوڑ دے
دل کہ مدت سے حریصِ لذتِ بیداد ہے

زندگی کے قیمتی لمحے ہوئے جاتے ہیں صرف
اے مرے دیر آشنا! فریاد ہے فریاد ہے

☆☆

(21)

اُس نے اتنا سوز بخشا گرمیٔ رخسار سے
لَو نکل آئی نگاہ طالب دیدار سے

نرمی و آہستگی سے پاؤں رکھنے کی ادا
سیکھ لیں شبنم کے قطرے آپ کی رفتار سے

کی عجب صنعت دم وعدہ تبسم نے ترے
دفترِ انکار لکھا سرخیِ اقرار سے

بیٹھ کر مہتاب کے حجرے میں راتوں کو مجھے
کوئی پہروں جھانکتا ہے عالمِ انوار سے!

☆☆

(22)

''کیوں خوشی ہم کو عمر بھر نہ ہوئی''
تم کو اس راز کی خبر نہ ہوئی

سازِ عشرت کی دل فریب صدا
ہمسرِ گریۂ سحر نہ ہوئی

میری وارفتگی معاذ اللہ
تم بھی آئے تو کچھ خبر نہ ہوئی

کون اس کا یقین لائے گا؟
میرا مرنا تمھیں خبر نہ ہوئی!!

آ گئی شرم میرے شکووں کو
جب کہ نیچی تری نظر نہ ہوئی

ہم بھی اُٹھتے بہ خندہ پیشانی!
کبھی ایسی کوئی سحر نہ ہوئی

☆☆

(23)

جسے تو ڈھونڈتا تھا یہاں ہے
مرے کھوئے ہوئے دل تو کہاں ہے

ٹھہر اے دل! کہ "وہ تلوار نکلی"
مدد اے شوق، وقتِ امتحاں ہے

بھرے آتے ہیں اس ظالم کے آنسو
ابھی کون سرگرمِ فغاں ہے

☆☆

(24)

کوئی آتا ہے یوں بھی دفعتاً اے ترک تبریزی
خصوصاً اس ادا سے اور بہ ایں طرز دل آویزی

بہت شیریں ہے پیغامِ زبانی اس ستمگر کا
ذرا قاصد اسی انداز سے ہاں پھر شکر ریزی

تجھے راس آئے ناصح پیروی مرشد کامل
مبارک ہم کو تقلیدِ جنونِ شمس تبریزی

مری وحشت پسندی نے عجب اعجاز دکھلایا
بہت مشکل تھا ورنہ عشق اور تعلیمِ انگریزی

☆☆

(25)

جفائے زندگی کو مختصر کرنا ہی بہتر ہے
مرے نزدیک اس جینے سے تو مرنا ہی بہتر ہے

صفائے نفس کی خاطر سکونِ خواب کے بدلے
سحر کے نور میں آہوں کا سر کرنا ہی بہتر ہے

ہزاروں تجربوں کے بعد میں یہ بات کہتا ہوں
خوشی کے نام سے انسان کو ڈرنا ہی بہتر ہے

فراغت دل کی ہے تو مطمئن سینے کی خلوت میں
جہاں تک بھی ہو ارمانوں کا کم کرنا ہی بہتر ہے

☆☆

(26)

میں رو رہا ہوں تیری نظر ہے عتاب کی
شبنم کو پی رہی ہے کرن آفتاب کی

بجھنے پہ دل ہے سانس میں بھی ضابطہ نہیں
ظالم دہائی ہے ترے زور شباب کی

منظور ہے خدا کو تو پہنچوں گا روز حشر
چہرے پہ خاک مل کے در بوتراب کی

صورت پرست میری نگاہوں نے اصل میں
دل کیا مرے وجود کی مٹی خراب کی

ہر پنکھڑی کے طاق میں ہنس ہنس کے صبح کو

شمعیں جلا رہی ہے کرن آفتاب کی

☆☆

(27)

عیش کی جانب جو مائل کچھ طبیعت ہوگئی

دل پہ غصہ آ گیا اپنے سے نفرت ہوگئی

مجھ کو خود اپنی تباہی پر ترس آتا نہیں

خوگرِ غم اس قدر اب تو طبیعت ہوگئی

آئی جب اسٹیج پر دنیا تو دل خوش ہوگیا

جب اُٹھا انجام کا پردہ تو نفرت ہوگئی

آگئیں جنبش میں تسلیم و رضا کی قوتیں

لب ہلے ہی تھے پئے شکوہ کہ آفت ہوگئی

اصطلاحِ بندگی میں "روح" ہیں تاروں کی جوش

چند ذرّے جن سے پیشانی کی زینت ہوگئی

(28)

اس قدر ڈوبا ہوا دل درد کی لذت میں ہے
تیرا عاشق انجمن ہی کیوں نہ ہو خلوت میں ہے

جذب کر لینا تجلی، روح کی عادت میں ہے
حسن کو محفوظ رکھنا عشق کی فطرت میں ہے

محو ہو جاتا ہوں اکثر میں کہ دشمن ہوں ترا
دلکشی کس درجہ اے دنیا تری صورت میں ہے

اُف نکل جاتی ہے خطرے ہی کا موقع کیوں نہ ہو
حسن سے بیتاب ہو جانا مری فطرت میں ہے

اس کا اک ادنیٰ کرشمہ ''روح'' وہ اتنا عجیب
عقل استعجاب میں ہے فلسفہ حیرت میں ہے

نور کا تڑکا ہے دیکھی ہو چکی ہے چاندنی
جل رہا ہے دل مرا مصروف وہ زینت میں ہے

☆☆

(29)

گن گن کے دل نے بیٹھے ساماں مری خوشی کے
جینے کا اب مزا کیا اب کیا کروں گا جی کے

آرام چند لمحے آلام تا بہ مرقد
کیا تلخ ہیں نتیجے دنیا کی دوستی کے

دولت پہ تف نہ کرنا، ہر وقت مست رہنا
حاصل ہے لطفِ شاہی صدقے میں شاعری کے

☆☆

(30)

کلیجہ جس سے تڑپ جائے سوز و ساز ہے وہ
گدازِ دل سے جو لبریز ہے نماز ہے وہ

زمین روز سجاتی ہے جس کو ذرّوں سے
پڑھو درود کہ پیشانیٔ نیاز ہے وہ

خلوص ہے کہ ترقی کیے ہی جاتا ہے
یہ جانتا ہوں کہ بے رحم و حیلہ ساز ہے وہ

آئینے

سحر کو دیدۂ بیدار میں آنسو جھلکتا ہے
حقیقت میں وہ ایک پردہ ہے جس میں تو جھلکتا ہے
یہ فیضِ سوزِ پنہاں ہے کہ راتوں کی خموشی میں
جب آنکھیں بند کرتا ہوں مرا پہلو جھلکتا ہے

☆☆

صبح کو جن پر رشک تھا سب کو جن کے ساتھ اک عالم تھا
شام کو جا کر دیکھتے کیا ہیں اُن کے گھر میں ماتم تھا
سبزے پہ سحر کو شبنم تھی مصروف تھی بلبل نالوں میں
پھولوں پہ غضب کی نرمی تھی غنچوں پہ عجب اک عالم تھا

کہاں آئے ہو تم! قبریں ہیں دل سینوں میں جلتے ہیں
گھنا جنگل ہے تاریکی ہے دونوں وقت ملتے ہیں
مجھے بے ساختہ تیرا تبسم یاد آتا ہے
لبِ دریا شبِ مہتاب میں جب پھول کھلتے ہیں

☆☆

شوق ناقص، خیال مہمل ہیں
پھر یہ دعویٰ کہ ہم مکمل ہیں
کیا گزرتی ہے تیز اور خاموش
فرصتیں گرمیوں کے بادل ہیں

☆☆

یوں ہلا دل عرش کا پایہ ہلا کر رکھ دیا
بندگی میں جب رجوعِ قلب سے سر رکھ دیا
لب پہ وقتِ نزع آیا چاہتا تھا اُن کا نام
روح نے تن سے نکل کر ہاتھ منہ پر رکھ دیا

☆☆

عاشقی کیا ہے جگ ہنسائی ہے
بات ہم نے یہ آزمائی ہے
حد ہے اپنی طرف نہیں میں بھی
اور اُن کی طرف خدائی ہے

سازِ شادی سن کے ہوتی ہے پریشانی مجھے
اُن سے آتی ہے صدائے مرثیہ خوانی مجھے
جا کے گوشے میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

☆☆

روز دل پر زخم کب تک کھائیں گے
سیر ہی کرنے سے اب باز آئیں گے
ہم سے بیماروں کی بھی کوئی اُمید
آج زندہ ہیں تو کل مر جائیں گے

☆☆

اس قدر خائف ہے دل آرام سے
کانپ جاتا ہوں خوشی کے نام سے
چند طاری ہیں وہ صدمے روح پر
جھینپتا ہوں خواہش آرام سے

☆☆

تھی صبح رونے والے آنسو بہا رہے تھے
تاروں میں تھا تلاطم وہ مسکرا رہے تھے
گردوں پہ تھا تصور شفاف چاندنی تھی
مہتاب میں وہ بیٹھے زلفیں بنا رہے تھے

سینے کو جگمگا دے لذت فروز ہو جا
اے روح مشتعل ہو لبریز سوز ہو جا
دیدار سے جلا کر آنکھوں کو روشنی دے
پہلو میں رہنے والے نظارہ سوز ہو جا

☆☆

ضبط کی سینے میں اب جا ہی نہیں
دل نہیں یا آج دنیا ہی نہیں
دفترِ عالم سے آسائش کا نام
یوں مٹا جیسے کبھی تھا ہی نہیں

☆☆

کیوں چپ ہیں سب مریضِ محبت کو کیا ہوا
ان کا یہ پوچھنا تھا کہ محشر بپا ہوا؟
دنیا کے اس جدید تمدن کے دور میں
حیران ہوں کہ رسمِ مروّت کو کیا ہوا؟

☆☆

جو پیامی گیا خجل آیا
ہائے کس بے وفا پہ دل آیا
اپنے پہلو پہ کی نظر ہم نے
جب کسی کا کسی پہ دل آیا

مرے کمبخت پہلو میں انی بھالے کی رہنے دو
تڑپ بجلی کی ہونے دو چمک چھالے کی رہنے دو
نہ یوں سازِ طرب چھیڑو فلک تک جس سے گونج اُٹھے
فضا میں غافلو! کچھ تو جگہ نالے کی رہنے دو

☆☆

ارادوں میں بلندی قلب میں رفعت کا ارماں ہے
مرے نزدیک دنیا ایک تنگ و تار زنداں ہے
جو سچ پوچھو مبارک موت ہے شب زندہ داروں کی
جنازہ پیچھے پیچھے آگے آگے شمع عرفاں ہے

☆☆

یہ ارمانوں کی کثرت دل کو ویراں کرکے چھوڑے گی
ہوائے تند بادل کو پریشاں کرکے چھوڑے گی
تمھاری ٹھوکریں احساس کو بیدار کر دیں گی
مری فطرت ستم گاری کو احساں کرکے چھوڑے گی

☆☆

دنیا کی گردشوں کو حسرت سے دیکھتے ہیں
ہر شے کو اہلِ باطل عبرت سے دیکھتے ہیں
دولت کمانے والے کہتی ہے جن کو دنیا
ہم ایسی ہستیوں کو نفرت سے دیکھتے ہیں

ناتواں کی بند آنکھو! اب کھُلو ہے کوئے دوست
مضطرب دل ہاں ٹھہر، دیکھ آ رہی ہے بوئے دوست
آ کے دشمن نے خطائیں بخشوائیں اُف رے اُف
ایسی مایوسی سے میں نے آج دیکھا سوئے دوست

☆☆

ان مواقع پہ ہم کو ہوش آیا
جب کہیں ذکر مے فروش آیا
میری بیہوشیوں کو جو سمجھا
زندگی بھر نہ اُس کو ہوش آیا

☆☆

مسلکِ روحانیت میں فردِ کامل ہوگیا
تم نے جس دل پہ نگاہیں ڈال دیں دل ہوگیا
یونہی رسماً ہنس دیے وہ دیکھ کر صورت مری
اور مجھ کو زندگی کا لطف حاصل ہوگیا

☆☆

مٹانا ہو جو خود داری تو اُن کو آشنا کیجے
جفاؤں کا ہدف بنیے تو اظہار وفا کیجے
یہی کہیے مری قسمت کہ منزل تک نہیں پہنچا
مگر کس منہ سے اب توہینِ لفظ رہنما کیجے

کہاں دل کی رسائی سرمدی جلووں کے تاروں میں
نظر اُلجھی ہوئی ہے حسنِ فانی کے نظاروں میں
سبق نرمی کا لے گلشن سے کیا تو نے نہیں دیکھا
حکومت کر رہا ہے پھول کس عزت سے خاروں میں

☆☆

گزرتی ہیں جو وہ خود بیں ترے جلووں کی باتوں میں
جھلکتا ہے سحر کا نور ان تاریک راتوں میں
نہیں معلوم کیا کیا دل میں نقشے کھینچ دیتا ہے
چمکنا سادگی سے چاند کا شفاف راتوں میں

☆☆

ترک کردوں اگر اپنے کو تو کامل ہو جاؤں
اپنے قابل نہ رہوں تو ترے قابل ہو جاؤں
اس قدر حسن کو دیکھا ہے تامل سے کہ اب
کیا تعجب ہے میں اپنے ہی پہ مائل ہو جاؤں

☆☆

ستارے

دیکھ اے نگاہ ناطن دلچسپ ہیں نظارے
گردوں پہ شاعری کے جھلکے ہیں کیا ستارے

☆☆

سوچو تو دل میں آخر کس طرح رات دن ہو
جو سانس لے رہا ہو پھر بھی وہ مطمئن ہو

☆☆

نظر فریاد کرتی ہے، نگاہیں تھر تھراتی ہیں
محبت ہے وہ افسانہ جسے آنکھیں سناتی ہیں

☆☆

ایک طوفاں ہوں اک تلاطم ہوں
میں یہ کس کے خیال میں گم ہوں

تم نہیں میں ہوں، میں نہیں تم ہو
صاف کہہ دوں تو اک تلاطم ہو

☆☆

جس زندگی پہ نازاں یہ صاحب ہوس ہیں
وہ کیا ہے فی الحقیقت گنتی کے کچھ نفس ہیں

☆☆

صبر کی طاقت جو کچھ دل میں ہے کھو دیتا ہوں میں
جب کوئی ہمدرد ملتا ہے تو رو دیتا ہوں میں

☆☆

دل دھڑکتا ہے اشک بہتے ہیں
ہائے ہم کس بلا میں رہتے ہیں

☆☆

میرے رونے کا جس میں قصہ ہے
عمر کا بہترین حصہ ہے

اگر سچ پوچھیے اس سے کہیں آسان ہے مرنا
غیور انسان کا نا اہل سے حاجت طلب کرنا

☆☆

ذوقِ کرم نہیں ہے تابِ جفا نہیں ہے
بزدل کو زندگی کا کوئی مزہ نہیں ہے

وعدہ نہیں ہے ایک علالت کا جام ہے
ایفائے عہد روح کی صحت کا نام ہے

☆☆

طے ہو رہی ہے منزل چونکو کہ وقت کم ہے
ملک فنا کی جانب ہر سانس اک قدم ہے

☆☆

زر کے خیال میں ہوں نہ فکرِ معاش میں
رہتا ہوں صبح و شام میں اپنی تلاش میں

☆☆

پنہاں ہے اس میں راز مری ہست و بود کا
ذوقِ فنا غرور ہے میرے وجود کا

☆☆

دل نہ آغازِ دشمنی کرتا
اب کسی سے نہ دوستی کرتا

☆☆

خوشی سے اجنبی ہوں جان کا کھونا ہی آتا ہے
مجھے لے دے کے کچھ آتا ہے تو رونا ہی آتا ہے

☆☆

موت سے قبل زندگی کیسی
جی رہا ہوں ابھی خوشی کیسی؟

نتیجہ جن کا ہے خوش ہوتے ہی محروم ہو جانا
کہیں بہتر ہے ان لذات سے محروم ہو جانا

☆☆

مشہور جہاں میں میری ہستی
آزر کدۂ صنم پرستی

☆☆

میری حالت تری فرقت میں سنبھل جائے گی
کیا یہ دنیا ہے کہ دو دن میں بدل جائے گی

☆☆

یہ مانا درد کو حد سے گزر جانا بھی آتا ہے
مگر بیمار شامِ غم کو مر جانا بھی آتا ہے

☆☆

رنگیں رخوں سے ذبح کیا دل کو ریل پر
مرنے کو اور جائیے پنجاب میل پر

☆☆

ہر بن مو سے آہ کرتا ہوں
اس طرف جب نگاہ کرتا ہوں

☆☆

کذب شیوہ نہیں میرا میں سخن ساز نہیں
ایسے نغمے کی مرے ساز میں آواز نہیں

بات رہ جائے اس پہ مرتے ہیں
ہم جو کہتے ہیں کر گزرتے ہیں

☆☆

ٹھنڈی سانسیں ہیں گرم آہیں ہیں
جب سے ہم پہ تری نگاہیں ہیں

☆☆

دل نکلتا نہیں ہے پستی سے
قبر بہتر ہے تنگ دستی سے

☆☆

محرومِ التفات ہوں مایوسِ جور ہوں
یہ آس بھی نہیں کہ ابھی زیرِ غور ہوں

☆☆

سرگرمیوں میں کیا کیا راہیں نکالتی ہیں
انساں کو آرزوئیں دھوکے میں ڈالتی ہیں

☆☆

ہر چند دلفریب ہے غمزوں میں طاق ہے
عبرت سے دیکھتے ہیں تو دنیا مذاق ہے

☆☆

یہ نور یہ دھندلکا یہ چاند یہ ستارے
کافر بھی ہو جو کوئی اللہ کو پکارے

بچو عبرت کیوں حکایاتِ الم کو دیکھیے
آپ کو آنسو بہانا ہو تو ہم کو دیکھیے

☆☆

جو حق پرست ہیں مٹ کر تباہ ہو جائیں
اگر یہ ہو تو ستارے سیاہ ہو جائیں

☆☆

موت ہے دل کی اور نگاہوں کی
عشق پاداش ہے گناہوں کی

☆☆

موت بھی شیریں ہے اس تکلیف سے
جس پہ دل آیا ہو وہ نفرت کرے

☆☆

مرے حواس تری شانِ حسن میں گم ہیں
کہ اک نگاہ اُٹھانے میں سو تجسّم ہیں

☆☆

ترے جمال سے میری حیات مشتق ہے
مرا وجود مرے واسطے اناالحق ہے

☆☆

نہ دیکھے غور سے اس طرح کہہ دو چشمِ پُرنم سے
مرکب ہے وہ عارض پنکھڑی سے اور شبنم سے

وہ سرو ناز حسن کی لہروں میں غرق ہے
آنکھوں میں رس ہے اور نگاہوں میں برق ہے

☆☆

دنیا کی روشنی ہے ضیا آسماں کی ہے
کہتے ہیں راست گوئی امانت زباں کی ہے

☆☆

عقبیٰ میں عافیت ہے تو دنیا میں نام ہے
کہتے ہیں جس کو صدق وہ روح کلام ہے

☆☆

ہر گھر سے فزوں عیش میں جنت کا مکاں ہے
اور اس کے طلب گاروں پہ یہ خواب گراں ہے

☆☆

اس اعتقاد میں پنہاں عجیب حکمت ہے
کشادہ روئی سے ملنا بھی اک عبادت ہے

☆☆

جناب لیڈر کے وعظ و لکچر کو یوں تو بالکل درست پایا
مگر نگاہِ تامل میں نے عمل جو دیکھا تو سست پایا

☆☆

برتاؤ دوستی کے حد سے نکل گئے ہیں
یہ تم بدل گئے ہو یا ہم بدل گئے ہیں

محسوساتِ حکیمانہ

تاریک رات اپنی سیاہی میں جس طرح
ہے التجائے نور کو پنہاں کیے ہوئے
یونہی ترے خیال میں بیٹھا ہوا ہوں میں
آنکھوں کو بند دل کو فروزاں کیے ہوئے

☆☆

پپیہا جب تڑپتا ہے گھٹا میں پی کہاں کہہ کر
ہماری روح سوزِ عشق سے اس طرح جلتی ہے
تلاشِ تربتِ عاشق میں کوئی نازنیں جیسے
بلا کی دھوپ میں پتھر پہ ننگے پاؤں چلتی ہے

☆☆

بھری برسات میں جس طور سے بجلی چمکتے ہی
یکایک رات کی گہری سیاہی کانپ جاتی ہے
یونہی خاموش اور ٹھہرے ہوئے سینے کی خلوت میں
تڑپ جاتا ہے دل جس وقت تیری یاد آتی ہے

☆☆

اندھیرا کرنے والے دن کو ساون کے سیہ بادل
سمندر کی طرح لبریز ہیں جس طرح پانی سے
یونہی دوشیزگی کے جوش سے اے فتنۂ محشر
تری آنکھیں چھلکتی ہیں شرابِ ارغوانی سے

☆☆

زندگی کہتی ہے غافل میں فنا کا باب ہوں
چھیڑتے ہیں سازِ غم جس سے میں وہ مضراب ہوں
عافیت سے دور رکھتی ہوں اذیت سے قریب
منتشر بادل کا سایہ ہوں پریشاں خواب ہوں

☆☆

باتوں میں عقل و فہم کا آتا نہیں ہے نام
تقریر میں دلیل سے رہتا نہیں ہے کام
سب سے زیادہ کھلتا ہے اُس وقت عقلمند
جس وقت بیوقوف سے ہوتا ہے ہم کلام

☆☆

زر، دُنیا سے بے شرمی پہ یہ مجبور کرتی ہے
خرد کے آئینے کو دوست بن کر چور کرتی ہے
اُمیدوں کو نیا کرتی ہے کہنہ جسم انساں کو
فنا کے پاس لاتی ہے خدا سے دور کرتی ہے

☆☆

دل کا ایمان کے خورشید سے مشرق ہونا
قوت عقل کا فطرت کے موافق ہونا
راست گوئی کی ہے در اصل یہ جامع تعریف
نطق کا وضع الٰہی سے مطابق ہونا

☆☆

اک وبا ہے عالمِ اخلاق میں اس کا وجود
تجھ میں اک ذرّہ بھی غیرت ہو تو اس ظالم سے ڈر
اس کمینے سے حذر کر بھاگ اُس منحوس سے
خرچ کر ڈالے جو عزت اور بچا لے مال و زر

☆☆

زندگی کیا لذتِ عصیاں کی ناداں غور کر
برق رو دھارا پہ اک تنکا ہے جو بہہ جائے گا
دیکھتے ہی دیکھتے لذت فنا ہو جائے گی
اور عذاب اُس کا ہمیشہ کے لیے رہ جائے گا

☆☆

کوئی تجھ سا ذلیل و خوار نہیں
کوئی تیرا رفیق و یار نہیں
بدگماں تجھ کو سارے عالم میں
ایک پر بھی تو اعتبار نہیں

☆☆

بیزار ہے ایمان و وفا سے حاسد
نافر ہے وہ رسمِ صفا سے حاسد
بندوں ہی سے کچھ اُس کو نہیں ہے نفرت
ناراض ہے تقدیرِ خدا سے حاسد

☆☆

دنیا میں کسی پر نہ تعدی کرنا
دل جس سے دُکھے بات نہ ایسی کرنا
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے ضرور
بندے کبھی بن پڑے تو نیکی کرنا

☆☆

دیکھا دنیا کے کار خانے کو
مکر کو، زور کو، بہانے کو
ہم زمانے کو کیا کہیں ابتر
ہم ہی بدتر ملے زمانے کو

☆☆

مجھ کو دیکھا ہے مصیبت میں تو اب آتے نہیں
اپنے وعدوں سے ستم ایجاد شرماتے نہیں
جن کے دعوے تھے بہا دیں گے پسینے پر لہو
خون پر میرے پسینہ بھی وہ ٹپکاتے نہیں

☆☆

ہم کہیں گے کبھی نہ اُس کو غریب
جس کو ملتی ہو اک حقیر رقم
اصل میں وہ غریب ہے جس کا
خرچ زائد ہو اور آمد کم

☆☆

وصل اور ہجر میں نہیں کوئی فرق
ہجر کیا شے ہے اک عذاب شدید
اور تو وصل پر جو مرتا ہے
وصل بھی ہے فراق کی تمہید

☆☆

نزع

آتی ہیں ٹھہر ٹھہر کے سانسیں
اب موت سے لو لگا رہا ہوں
منزل ہے قریب خوف غالب
رُک رُک کے قدم اُٹھا رہا ہوں

☆☆

بے وجہ نہیں ہے یہ پھڑکنا دل کا
یوں آگ کے مانند بھڑکنا دل کا
ہاں زیست کا قفل توڑ دینے کے لیے
ضربات مسلسل ہیں دھڑکنا دل کا

☆☆

انداز دلنشیں ہیں بصد عشوۂ و ادا
لیلیٰ کی طرح پردۂ محمل میں بیٹھ جائے
بہتر نشانہ باز وہی ہے جو سوچ کر
ایسی درست بات کہے دل میں بیٹھ جائے

دشوار ہے اس بزم میں جینا میرا

گرداب میں آیا ہے سفینا میرا

کچھ آج وہ کثرت ہے حسینوں کی کہاں

ہے چوبۂ قصاب پہ سینا میرا

☆☆

رات کی خامشی میں تیرا خیال

دافعِ غم ہے وجہِ تسکیں ہے

برق سے بھی ہے بڑھ کے کچھ شفاف

خواب سے بھی زیادہ شیریں ہے

☆☆

غور کر نیند کی فراغت سے

موت کتنی بلند پایہ ہے

زندگی کیا ہے دھوپ آتش ریز

سانس کیا ہے دھوئیں کا سایہ ہے

☆☆

خامکاروں کو حُسن دنیا کا

ایک عشوہ میں پھانس لیتا ہے

کیا کہوں کس طرح جوانی میں

دل اُمنگوں کی سانس لیتا ہے

☆☆

رعشۂ پیری

نگہہ بے نور ہو کر رات کا منظر دکھاتی ہے
تنفس آہ بھرتا ہے قضا لوری سناتی ہے

ضعیفی کا یہ رعشہ جس سے جنبش میں ہیں سب اعضا
یہ ہے دراصل کیا؟ کچھ عقل میں یہ بات آتی ہے

یہ ہے اک پالنا ڈوری ہلاتی ہیں رگیں جس کی
یہ اک جھولا ہے جس میں زندگی کو نیند آتی ہے

☆☆

عبادت

عبادت کرتے ہیں جو لوگ جنت کی تمنا میں
عبادت تو نہیں ہے اک طرح کی وہ تجارت ہے

جو ڈر کر نارِ دوزخ سے خدا کا نام لیتے ہیں
عبادت کیا وہ خالی بزدلانہ ایک خدمت ہے

مگر جب شکرِ نعمت میں جبیں جھکتی ہے بندے کی
وہ سچی بندگی ہے اک شریفانہ اطاعت ہے

☆☆

حقیقتِ حال

ازل کے روز تری شکل جب بنائی تھی
بنانے والے کو اتنی پسند آئی تھی

کہ دیر تک تجھے دیکھا کیا تھا حیرت سے
نظر جمائی تھی رخسار پہ محبت سے

نظر نے اپنا کیا کام ایک مرکز پہ
سیہ نشان بنایا نگاہ نے جم کر

خبر بھی ہے تجھے یہ سوزشِ نہاں ہے وہی
سمجھ رہا ہے جسے خال یہ نشاں ہے وہی

☆☆

حُسنِ مجازی

ذریعہ ہے دماغوں کے لیے نازک خیالی کا
مجازی حُسن اک باریک سا پردہ ہے جالی کا

نظر کو طالبِ دیدار کی جو صاف کرتا ہے
اور اتنا چھانتا ہے اس قدر شفاف کرتا ہے

کہ آجاتا ہے اتنا نور انساں کی بصارت میں
نگہہ لرزش کیا کرتی ہے پھر بزمِ حقیقت میں

نہ دل میں خوف رہتا ہے نہ آنکھیں ہی جھپکتی ہیں
بآسانی نگاہیں روئے جاناں دیکھ سکتی ہیں

جہاں تک ہو سکے حُسنِ مجازی پر نظر ڈالو
اور اس کے نور سے اپنی نگاہیں صاف کر ڈالو

☆☆

کس درجہ دل گداز ہے آمد بہار کی
لبریز سوز سے ہے ہوا کوہسار کی

تازہ پھول

پانچ نغمے

صبح کے پرتَو میں ہے جلوہ ترا
رات کو تاروں میں ہے تیری ضیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

قابلِ عبرت ہے دنیا کا نظام
تخت اگر ہے آج تو کل بوریا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دیدنی ہے مقبروں کی خواب گاہ
ایک ہی بستر پہ ہیں شاہ و گدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

غنچۂ شاداب صحن باغ میں
مسکراتے ہی پریشاں ہوگیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جیتے دیکھے حباب آسا جہاز
ڈوبتے دیکھے سفینے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

زندگی نے سیکڑوں ساماں کیے
موت نے آکر پشیماں کر دیا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

ذرّے ذرّے سے عیاں ہے انقلاب
لحظہ لحظہ پر بدلتی ہے ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

دب گئے کیا کیا خزانے خاک میں
چل بسے کیا کیا عزیز و آشنا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُٹھ گئے ایک ایک کرکے دہر سے
کیسے کیسے دوستانِ باصفا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

چاند کے ٹکڑے جنھیں کہتے تھے لوگ
خاک کے پیوند ہیں وہ مہ لقا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جاگنا سیکھا تھا جن سے روح نے
سو رہے ہیں قبر میں وہ دلربا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اُن کو رکھا ہے اندھیری قبر میں
جن سے وابستہ تھا جینے کا مزا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

صبح کو تھا نغمۂ و ساز و سرود
شام کو ہے گریۂ آہ و بکا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

خود بخود اٹھتی ہے دل میں ہوک سی
صبح کو چلتی ہے جب ٹھنڈی ہوا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

اس طلسم حیرت و نیرنگ کی
جانتا ہوں ابتدا و انتہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

واہ کیا ساماں ہیں میرے واسطے
خشک سالی، جنگ، مکوی، وبا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

مٹتے دیکھیں آرزوئیں بے شمار
ٹوٹتے دیکھے ارادے بارہا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

جل اٹھی شمع تمنائے یزید
گل ہوا فانوسِ بزمِ کربلا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

"اب بھی چونک اے جوش گہری نیند سے"
شب کے سناٹے میں آتی ہے صدا
پھر بھی میں تجھ کو نہیں پہچانتا

☆☆

نہ اہلِ خرد کی ملامت سے ڈرنا
نہ اہلِ جہاں کی شرارت سے ڈرنا
جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا
بلاؤں سے ڈرنا نہ آفت سے ڈرنا
نہ غم سے نہ درد و مصیبت سے ڈرنا
نہ تکلیف سے اور نہ محنت سے ڈرنا
نہ دوزخ نہ شورِ قیامت سے ڈرنا
جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا
نہ بے رحم اربابِ ثروت سے ڈرنا
نہ بے درد اہلِ قرابت سے ڈرنا
نہ ذکرِ تباہی و وحشت سے ڈرنا
نہ فکرِ خرابیِ صحت سے ڈرنا
جو ڈرنا تو داغِ محبت سے ڈرنا

☆☆

مرے قلب کو زندگی دو جلاؤ
حقیقت کی محفل سے پردہ اُٹھاؤ
میں قطرہ ہوں مجھ کو سمندر بناؤ
کچھ اس طرح تادیر نغمے سناؤ
یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

مہکتے ہوئے پھول کے پاس آؤ
لچکتی ہوئی شاخ پہ بیٹھ جاؤ
ہوا میں کبھی اُڑ کے بازو ہلاؤ
کبھی صاف چشمہ میں غوطہ لگاؤ

یونہی پیاری چڑیو! ابھی اور گاؤ

نہیں جاگتی روح میری جگاؤ
میں غفلت میں ہوں دل پہ چرکے لگاؤ
کوئی سرمدی ساز کی گت بجاؤ
مجھے اپنے نغموں کے معنی بتاؤ

یونہی پیاری چڑیا! ابھی اور گاؤ

میں بیتاب ہوں مجھ کو جلوہ دکھاؤ
میں گمراہ ہوں مجھ کو رستہ بتاؤ
نہ جھجکو نہ سمٹو نہ کچھ خوف کھاؤ
مرے پاس آؤ، مرے پاس آؤ

یونہی پیاری چڑیا! ابھی اور گاؤ

☆☆

بلاؤں سے نہ دنیا کی کسی مشکل سے ڈرتے ہیں
نہ موج خوں نہ خود، خنجر قاتل سے ڈرتے ہیں
ہم اس رنگیں رخوں پہ مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

سمجھتے ہیں نہ سحرِ سامری ہی کی حقیقت کچھ
نہ زورِ جذب و کشفِ مرشدِ کامل سے ڈرتے ہیں
ہم اس رنگیں رخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

بہت ہیں جو لرز جاتے ہیں طوفاں کے تصور سے
بہت ہیں جو خیالِ دوریٔ ساحل سے ڈرتے ہیں
ہم اس رنگیں رخوں پر مرنے والے دل سے ڈرتے ہیں

☆☆

حیران ہوں. نہایت آخر یہ خبط کیا ہے؟
کس دوست گم شدہ کو جنگل میں ڈھونڈھتا ہے؟
کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

تجھ کو طلب ہے جس کی دونوں ہیں اس سے خالی
دروازہ کھول دل کا دیر و حرم میں کیا ہے
کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

کرتا ہے جبہ سائی کیوں مقبروں میں غافل
تو دل کی زندگی کو مُردوں سے مانگتا ہے
کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا .ہے

دل ہے تو سب کہیں ہے ورنہ کہیں نہیں ہے
کیا خوب قول تیرا اے جوشِ بے نوا ہے
کس نیند میں ہے بندے! ہر سانس میں خدا ہے

☆☆

ہماری سیر

لوگ ہنستے ہیں چہچہاتے ہیں
شام کو سیر سے جب آتے ہیں

لیمپ کی روشنی میں یاروں کو
داستانیں نئی سناتے ہیں

ہم پلٹتے ہیں جب گلستاں سے
آہ بھرتے ہیں ، تھر تھراتے ہیں

میز پر سر سے پھینک کر ٹوپی
ایک کرسی پہ لیٹ جاتے ہیں

آپ سمجھے یہ ماجرا کیا ہے؟
سنیے ہم آپ کو سناتے ہیں

وہ لگاتے ہیں صرف چکر ہی
ہم مناظر سے دل لگاتے ہیں

وہ نظر ڈالتے ہیں لہروں پر
اور ہم تہہ میں ڈوب جاتے ہیں

گھر پلٹتے ہیں وہ ''ہوا'' کھا کر
اور ہم ''زخم'' کھاکے آتے ہیں

☆☆

فلسفۂ مسرت

نہ ہنس یوں مجھ پہ اے منعم کہ یہ بے یار و ناصر ہے
خوشی اس کو کہاں حاصل کہ دنیا اس سے نافر ہے
سن اے ناداں مری باتیں کہ ہر فقرہ جواہر ہے
سبق باطن سے لے کیوں کشتۂ اسبابِ ظاہر ہے
جو تہہ میں ڈوب جاتا ہے وہی آخر اُبھرتا ہے
تجھے معنی سے کیا مطلب کہ تو صورت پہ مرتا ہے

یہ مانا میں گدا، مضبوط تُو انعامِ دنیا سے
تری محفل گلستاں، کام مجھ کو کوہ و صحرا سے
موافق ہے مزاجِ دہر تیری ہر تمنا سے
مجھے اک بوند بھی ممکن نہیں ثروت کے دریا سے
بظاہر تو بہت بشاش میں غمگین و مضطر ہوں
مگر با ایں ہمہ دیکھا تو میں ہی تجھ سے بہتر ہوں

خوشی کی جستجو ہے تجھ کو ساز و برگ ثروت میں
خوشی کو تو سمجھتا ہے کہ پوشیدہ ہے دولت میں
خوشی کا جوش ہوتا ہے ترے نزدیک راحت میں
ہوس! جوہر عرفاں نہیں تیری طبیعت میں
رُخِ مہرِ درخشاں میں نہ مہ میں مسکراتی ہے
خوشی بہتے ہوئے اشکوں کی تہہ میں مسکراتی ہے

یہ راتیں کامرانی کی، یہ جلسے عیش و عشرت کے
نگاہِ اہلِ دل کے واسطے ساماں ہیں عبرت کے
حقیقی جن کو تو سمجھا ہے وہ معنی مسرّت کے
غلط ہیں کاش تو سمجھے یہ گہرے راز فطرت کے
نہ ایوانوں میں شاہوں کے نہ زرداروں کی محفل میں
مسرّت کا خزانہ ہے مرے ٹوٹے ہوئے دل میں

سُن اے غافل کہ غم ہی میں خوشی کا راز ہے پنہاں
شکستہ ساغرِ دل میں چھلکتی ہے مئے عرفاں
جسے گھیرا ہو صدموں نے وہی انسان ہے انساں
درِ رحمت دلِ بیتاب ہے اور دیدۂ گریاں
تڑپ اے دل تڑپنے ہی سے باطن جگمگاتا ہے
ستارے کانپتے رہتے ہیں شعلہ تھرتھراتا ہے

جسے تو غم سمجھتا ہے خزانہ ہے مسرّت کا
جسے تو چشمِ تر کہتا ہے سر چشمہ ہے رحمت کا
ہر آہِ سرد جھونکا ہے نسیمِ باغِ راحت کا
ہر آنسو آئینہ ہے اصل میں تصویرِ جنت کا
یہ نوحے سوئیں گے اک روز آغوشِ ترنم میں
یہ آنسو جذب ہو جائیں گے حوروں کے تبسّم میں

بنا اپنے دلِ بیتاب کو اک سوز کی دُنیا
مثالِ جوش آنکھوں سے بہا اشکوں کا اک دریا
مصائب میں خوشی کو ڈھونڈ اگر ہے عاقل و دانا
ڈبودے دل کو غم کے بحر میں اور اس قدر گہرا
کہ جب ہونٹوں پہ آئے کھنچ کے دم مشکل کشائی کو
حیاتِ دائمی کی لہر دوڑے پیشوائی کو

☆☆

جذبات

تم سے چھڑ رہا ہے زمانہ بہار میں
کیا دخل ہے مشیتِ پروردگار میں

رگ رگ تڑپ رہی ہے کہ بن جاؤں چشمِ شوق
بیٹھا ہوں گو خموش ترے انتظار میں

موسم ہو کوئی اس کو دھڑکنے سے کام ہے
لذت چھپی ہوئی ہے غمِ روزگار میں

☆☆

یوں ہم اُس شوخ کو پہلو میں لیے بیٹھے ہیں
کوئی دیکھے تو یہ سمجھے کہ پیے بیٹھے ہیں

تم سے اظہار خیالات کریں یا مر جائیں
آج اس بات کا ہم عہد کیے بیٹھے ہیں

ضد دلانا جو ہے مقصود تبسم کو ترے
ہم پھر آج اپنے گریباں کو سیے بیٹھے ہیں

ہنس رہے ہیں شب وعدہ وہ مکاں میں اپنے
ہم ادھر عیش کا سامان کیے بیٹھے ہیں

جو مقدر میں ہے وہ ہو کے رہے گا اے جوشؔ
آپ کیوں دل کو پریشان کیے بیٹھے ہیں

☆☆

جسے نا آشنائے رازِ غم قاتل سمجھتے ہیں
ہم اپنی جان، اپنی روح، اپنا دل سمجھتے ہیں

کچھ اس اندازِ دلجوئی سے آیا ہے وہ محشر میں
کہ ہم دعوے کو اپنے دعوۂ باطل سمجھتے ہیں

وہ بعض اوقات تو اس طرح ملتا ہے محبت سے
کہ شرم آتی ہے دل کو ہم کسے قاتل سمجھتے ہیں

بلند و پست راہیں عشق کی مانا کہ مشکل ہیں
مگر کیا حضرتِ جوشؔ آپ بھی مشکل سمجھتے ہیں؟

کچل دے حسرتوں کو بے نیاز مدعا ہو جا
خودی کو جھاڑ دے دامن سے مردِ با خدا ہو جا

اُٹھا لیتی ہیں لہریں تہ نشیں ہوتا ہے جب کوئی
اُبھرنا ہے تو غرقِ موجۂ بحرِ فنا ہو جا

بے خبر ہو کے دل جلاؤ گے
ہم نہ کہتے تھے بھول جاؤ گے

اُف مرا اُن سے نزع میں کہنا
''میری تربت پہ کیوں تم آؤ گے''

اُن کی صورت ذرا دکھا دینا
منہ سے میرے کفن ہٹا دینا

کچھ ہو لیکن یہ میری عادت ہے
وہ جب آئیں تو مسکرا دینا

غم مُسلّط ہے جاگتے سوتے
کٹ گئی عمر روتے ہی روتے

چاندنی رات ہے سمندر ہے
ہائے اس وقت آپ بھی ہوتے

تیری آمد وشت میں ہے، شام آفت خیز ہے
تیرے سناٹے میں اک تسکینِ غم آمیز ہے

ذرّے ذرّے سے نمایاں ہے تمنائے سکوں
پتہ پتہ تشنگی خواب سے لبریز ہے

تارے نہیں ملتے کہ مہ نو نہیں ملتا
دل جس سے تڑپ جائے وہ پرتو نہیں ملتا

یہ شمس و قمر جس کے نشانِ کفِ پا ہیں
پھرتا ہوں پریشان وہ رہرو نہیں ملتا

☆☆

قطعہ

اس سے مجھ کو نہیں ہے بحث کوئی
دل کو رکھیے کثیف یا شفاف
لیکن اتنی ہے التماس ضرور
اپنی فطرت سے کیجیے انصاف

☆☆

ایضاً

اے آنکھ! ہجرِ دوست میں آنسو گرا شتاب
اشکوں کی روشنی میں اُلٹتا ہے وہ نقاب
کیا تونے یہ معاملہ دیکھا نہیں کبھی؟
شبنم کے آنسوؤں پہ چمکتا ہے آفتاب

☆☆

دل ترے جلوۂ رنگیں کو دے جاتا ہوں
ایک کانٹا سا کلیجے میں لیے جاتا ہوں
جانتا ہوں دلِ صد چاک کا بخیہ ہے محال
پھر بھی سودا ہے کچھ ایسا کہ سیے جاتا ہوں

☆☆

اب تو اکثر یہ حال ہوتا ہے
سانس لینا وبال ہوتا ہے
آہ کرنا تو کیا ترے آگے
بات کرنا محال ہوتا ہے

☆☆

اک زمانے سے جدا جذبات کی ترتیب ہے
غیر معمولی عناصر سے مری ترکیب ہے

☆☆

ہر اسٹیشن پہ وہ اک زخم کاری دل پہ کھاتے ہیں
سفر کرتے ہیں یا ہم جنگ کے میداں میں جاتے ہیں

☆☆

رنگیں رخوں نے ذبح کیا دل کو ریل پر
مرنے کو اور جایئے پنجاب میل پر

☆☆

غم فرقت سے کیا کیا جوش سینوں میں دہلتے ہیں
خصوصاً جب اکیلے گھر میں دونوں وقت ملتے ہیں

☆☆

ڈر بلندی سے ہے نہ پستی سے
بے تعلق ہیں اپنی ہستی سے

☆☆

تمھارے سامنے کیوں اشک میرا بہہ نہیں سکتا؟
اسے محسوس کر سکتا ہوں، لیکن کہہ نہیں سکتا

☆☆

بڑھے جاؤ نہ یوں ڈوبو ذرا غور و تامل میں
ترقی تھک کے سو جاتی ہے آغوشِ تنزل میں

بڑھ کے سامانِ عیش و عشرت کا
خون کرتا ہے "آدمیت" کا

☆☆

تحیر خیز یہ دنیا کی رُت ہے
لبوں پر ہے "خدا" سینے میں "بُت" ہے

☆☆

راحت ہے "وصل" ۔ "ہجر" سراپا ملال ہے
یہ بھی طلسم بندیٔ وہم و خیال ہے

☆☆

ہر چیز کائنات کی ، لبریز یاس ہے
دل کیا اُداس ہے کہ زمانہ اُداس ہے

☆☆

دل جل رہا ہے حُسن فسوں گر کے سامنے
قطرے میں جزر ومد ہے سمندر کے سامنے

☆☆

کلیجہ جل رہا ہے نزع کی لذت ہے جینے میں
بتاؤ تو کوئی یہ کیا ہوا جاتا ہے سینے میں

☆☆

یوں مسکرا رہے ہو کہ دل کو نہ کل پڑے
کیا چاہتے ہو منہ سے کلیجہ نکل پڑے

خموشی دیکھ کر دل زندگی سے ہٹ گیا ہوتا
اگر تم ہنس نہ دیتے تو کلیجہ پھٹ گیا ہوتا

☆☆

دل میں برچھی کی طرح تارِ نفس گڑتا ہے
پاؤں رکھتے ہیں کہاں اور کہاں پڑتا ہے

☆☆

وہ سامنے ہیں دل میں تلاطم، خدا بچائے
دو ڈاک گاڑیوں میں تصادم، خدا بچائے

☆☆

تھا مگر مجھ پہ ہجومِ بیکسی ایسا نہ تھا
آج ہے دل پر جو سناٹا کبھی اتنا نہ تھا

☆☆

حسرتیں دل میں لیے جب سوئے برس جاتا ہوں میں
روح پر وہ ضرب لگتی ہے کہ دھنس جاتا ہوں میں

☆☆

تعجب کیا؟ اگر تخئیل اس کی تیز رہتی ہے
ترے جلوؤں سے جس کی نیند تک لبریز رہتی ہے

☆☆

ستارے ہی چمکتے ہیں نہ جگنو ہی چمکتا ہے
ہمیشہ روح کی محفل میں آنسو ہی چمکتا ہے

وہ تم کو دیکھ کے حالت تباہ ہوتی ہے
تمام سانس مری صرف آہ ہوتی ہے

☆☆

چمکے ہلال، اُن کا ابرو کبھی نہ ہوگا
موتی ہزار اُبھرے، آنسو کبھی نہ ہوگا

☆☆

عشق ہنگامہ اُس کی محفل کا
حُسن اک گھاؤ ہے مرے دل کا

☆☆

زمانہ ساتھ دے ہر چند کچھ تسکیں نہیں ہوتی
اگر مظلوم ہے تو نیند بھی شیریں نہیں ہوتی

☆☆

کہتے ہو غم سے پریشان ہوئے جاتے ہیں
یہ نہیں کہتے کہ انسان ہوئے جاتے ہیں

☆☆

اپنے سے رفتہ رفتہ بیگانہ ہوگیا ہوں
پردے میں رہنے والے! میں تجھ میں کھوگیا ہوں

☆☆

رُخ پہ زلفوں کو پریشان کیے بیٹھے ہو
تم مرے قتل کا سامان کیے بیٹھے ہو

میرے دل کے واسطے اے جوشِ راحت ہی نہیں
کس پہ دل آیا ہے اس سے واقفیت ہی نہیں

☆☆

دل کا طوفان میں سفینہ ہے
اُن کے رخسار پر پسینہ ہے

☆☆

وہ دردِ شبِ غم ہے کہ سو بھی نہیں سکتے
اور اُس پہ یہ آفت ہے کہ رو بھی نہیں سکتے

☆☆

تمھیں نہیں ہو کچھ اے خشک ہنچو برباد
فریب خوردۂ رنگِ بہار ہم بھی ہیں

☆☆

یوں نہ رُخ پوشیدہ کیجیے مجھ کو جینے دیجیے
میری آنکھوں کو شرابِ سُرخ پینے دیجیے

☆☆

خوشی بڑھ رہی ہے تو دل مر رہا ہے
مسرّت کی تکمیل سے ڈر رہا ہے

☆☆

جس وقت تک اس آنکھ میں آنسو نہیں آتا
میں دیکھ چکا ہوں کہ نظر تُو نہیں آتا

"نقش ونگار ورنگ وبُو تازہ بہ تازہ نُو بہ نَو"

نقش ونگار

جوش ملیح آبادی

مطبوعہ : 1936

فہرست

نگارخانہ

خمریات

تاثرات

نگارخانہ

شہریست پُر ظریفاں وز ہر طرف نگارے
یاراں صلائے عشق است ار میکنید کارے
(حافظ)

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا؟

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا
رین کا جاگا نیند کا ماتا
نیند کا ماتا، دھوم مچاتا
انگڑائیاں لیتا بل کھاتا

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا؟

رُخ پہ سرخی، آنکھ میں جادو
بھینی بھینی، بُد میں خوشبو
بانکی چتون، سمٹے ابرو
نیچی نظریں بکھرے گیسو

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

نیند کی لہریں گنگا جمنی
جلد کے نیچے ہلکی ہلکی
آنچل ڈھلکا، مسکی ساڑی
ہلکی مہندی، دھندلی چندی

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

ڈوبا ہوا رُخ، تابانی میں
انوار سحر پیشانی میں
یا آبِ گہر طغیانی میں
یا چاند کا مکھڑا پانی میں

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

رخسار پہ موجِ رنگینی
کچی چاندی، کچی چینی
آنکھوں میں نقوشِ خود بینی
مکھڑے پہ سحر کی شیرینی

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

آنکھوں میں غلطاں عشرت گاہیں
نیند کی سانسیں جیسے آہیں
بکھری زُلفیں عریاں بانہیں
جان سے ماریں جس کو چاہیں

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

پھیلا پھیلا آنکھ میں کاجل
اُلجھا اُلجھا زُلف کا بادل
نازک گردن پھول سی ہیکل
سُرخ پپوٹے نیند سے بوجھل

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

کچھ جاگ رہی ، کچھ سوتی ہے
ہر موجِ صبا منہ دھوتی ہے
ناشستہ رُخ یا موتی ہے
انگڑائی سے جز بز ہوتی ہے

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

چہرہ پھیکا نیند کے مارے
پھیکے پن میں شہد کے دھارے
جو بھی دیکھے جان کے وارے
دھرتی ماتا بوجھ سہارے

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

ہلچل میں دل کی بستی ہے
طوفاں جنوں میں ہستی ہے
آنکھ میں شب کی مستی ہے
اور مستی دل کو ڈستی ہے

یہ کون اُٹھا ہے شرماتا ؟

☆☆

1925

جوانی کی آمد آمد

گیا لڑکپن، نئی جوانی نئی اداؤں سے آ رہی ہے
جبیں پہ غنچے کھلا کھلا کر نظر میں دھومیں مچا رہی ہے

شعاعِ اوّل پڑی ہے گویا چمن میں نرگس کی پنکھڑی پر
رسیلی آنکھوں میں ہے تبسم لبوں پہ سرخی سی آ رہی ہے

ادائیں پہلو بدل رہی ہیں، نگاہیں کروٹ سی لے رہی ہیں
سنک رہی ہے ہوائے شوخی، حیا کی لو تھرتھرا رہی ہے

مژہ میں بیدار کر رہا ہے فسوں کو تیر افگنی کا ارماں
دلوں پہ شب خون کی تمنا، نظر میں جادو جگا رہی ہے

قمر کے خواب آفریں جہاں میں دمکنے والا ہے مہرِ تاباں
جھکا رہا ہے نظر دھندلکا سحر نگاہیں اٹھا رہی ہے

ہر ایک تارِ نظر برابر کھنچ رہا ہے پئے نظارہ
ہر ایک موجِ نفس پیاپے درِ طرب کھٹکھٹا رہی ہے

دراز و شب رنگ کاکلوں میں تڑپ رہی ہیں نئی امنگیں
صبیح و شاداب عارضوں میں حیاتِ نو مسکرا رہی ہے

ہوا طبیعت کی رُخ بدل کر بھٹک رہی ہے نئی فضا میں
کلی لڑکپن کی مسکرا کر نئے شگوفے کھلا رہی ہے

جھلکتی چاندی پہ کمسنی کی چڑھا رہا ہے شباب سونا
سفید ہلکی سی چاندنی کی سحر گلابی بنا رہی ہے

گلاب سے عارضوں کی تہہ میں شباب تھم تھم کے پرفشاں ہے
نظر فریب انکھڑیوں کی زد میں شراب رس رس کے آ رہی ہے

سکون کی نیم وا گرہ پر چمک رہا ہے خلش کا ناخن
حیات کے دم بخود افق پر نئی کرن جگمگا رہی ہے

جھپک جھپک کر نکیلی پلکیں زباں کے سانچے میں ڈھل رہی ہیں
مچل مچل کر رگوں میں شوخی، قدم اُٹھانا سکھا رہی ہے

لچک لچک کر ہر اک قدم پر، کمر میں بل پڑ رہے ہیں پیہم
سنک سنک کر ہوائے عشوہ گھنیری زُلفیں ہلا رہی ہے

کلام یوں کر رہی ہے گویا چٹک رہی ہیں چمن میں کلیاں
نگاہ یوں اُٹھ رہی ہے جیسے کوئی پری گنگنا رہی ہے

لبوں پہ وہ سُرخیاں ہیں جیسے ہلال دامن میں ہو شفق کے
نظر میں ہے وہ خمار گویا ذرا ذرا نیند آ رہی ہے

☆☆

1925

اُٹھتی جوانی

نئی ہے نامِ خدا جوانی
نئی اُمنگیں نیا زمانہ

جبیں پہ سازِ طرب کی موجیں
نگاہ میں سوزِ شاعرانہ

دلوں پہ مارے ہوئے ہے شب خوں
لہو سے ہے سُرخ چشمِ مے گوں

ہر اک اشارے میں ایک افسوں
ہر ایک چشمک میں اک فسانہ

نفس میں پھولوں کی سی مہک ہے
جبیں پہ خورشید کی دمک ہے

کمر میں تلوار کی چمک ہے
نظر میں بجلی کا آشیانہ

جلو میں مستی و ہوشیاری
طواف میں کائنات ساری

جمال کی زد پہ ذوقِ باری
نظر میں شانِ پیمبرانہ

صبیح چہرے پہ نورِ شبنم
گداز شانوں پہ زلفِ برہم

ہر ایک موجِ نفس میں پیہم
بلندیوں کی طرف روانہ

ہر اک قدم فتنہ و تلاطم
نیاز مندی میں بھی تحکم

پلک جھپکنے میں اک تبسم
نظر اُٹھانے میں اک ترانہ

جو چاہیں صہبائے مشک بو میں
تمام عالم کو غرق کر دیں

یہ سُرخ ڈورے یہ مست آنکھیں
کھلا ہے جن میں شراب خانہ

سَدھی ہوئی اس غضب کی پلکیں
کہ آنکھ ملتے ہی دل میں ڈوبیں

تنی ہوئی اس بلا کی چتکی
جدھر مڑی مڑ گیا زمانہ

وہ رُخ پہ طوفان کیفِ شب کے
کہ لے کے انگڑائی مٹ اندھیرے

ملے جو آنکھیں ہتھیلیوں سے
ٹپک پڑے بادۂ شبانہ

درِ صنم پہ خدائے اُلفت
قبول فرما مری عبادت

نہ دے مجھے مسجدوں کی دعوت
کہ دین میرا ہے شاعرانہ

☆☆

یہ نظر کس کے لیے ہے؟

اے نرگسِ جاناں! یہ نظر کس کے لیے ہے؟
یہ شعلہ یہ بجلی یہ شرر کس کے لیے ہے؟

اے زہرہ جبینوں کے لیے پیکِ ہزیمت!
پیغامبرِ فتح و ظفر کس کے لیے ہے؟

اے تجھ کو ملے عمر مری شامِ بلا کی
یہ زلفِ رسا تا بہ کمر کس کے لیے ہے؟

اے سایۂ کاکل میں جھمکتے ہوئے عارض
ظلمات میں یہ آبِ خضر کس کے لیے ہے

اے قامتِ بالا و بلند اے قدِ موزوں
یہ سرو یہ شاخِ گلِ تر کس کے لیے ہے؟

اے دیدۂ بے پردہ وا اے نرگسِ مخمور
چھلکا ہوا یہ ساغرِ زر کس کے لیے ہے؟

اے عارضِ ناشستہ و روئے عرق آلود
یہ شہد یہ شبنم یہ شکر کس کے لیے ہے؟

اے تجھ پہ فدا چشمکِ خورشیدِ جہاں تاب
رُخ پر یہ تبسم کا اثر کس کے لیے ہے؟

اے زاویۂ کوئین و اے جلوۂ کاکل
قرباں تری زُلفوں کے یہ سر کس کے لیے ہے؟

اے حُسنِ رُخِ روشن و اے جلوۂ کاکل
یہ ہوش ربا شام و سحر کس کے لیے ہے؟

اے تیرے قدم پر سر خوبانِ سرافراز
یہ ناز یہ دزدیدہ نظر کس کے لیے ہے؟

اے گیسوئے آشفتہ و اے کاکلِ برہم
یہ عمرِ مسیحا و خضر کس کے لیے ہے؟

اے خود سے اُلجھتی ہوئی بدمست جوانی
ہر سانس میں یوں زیر و زبر کس کے لیے ہے

اے شوخ کبھی جوش سے اِس نظم کی ضد پہ
یہ پوچھ کہ تو خاک بسر کس کے لیے ہے؟

☆☆

افشائے راز

کس طرح مانوں کہ اس بکھرے ہوئے انداز سے
آ رہی ہیں آپ ابھی خلوت سرائے ناز سے

سعی اخفائے حقیقت میں نہ کیجے اہتمام
عارضِ گلگوں میں رقصاں ہے تبسم "بارِ عام"

چھپ نہیں سکتا ہے اربابِ نظر سے کوئی راز
کیا کوئی خلوت سے آتا ہے بہ ایں طغیانِ ناز؟

حال ابھی کھل جائے گا بکھرائیے زلفِ دراز
ساتھ ہیں مڑ مڑ کے کتنے دیکھنے والوں کے راز

رہروؤں کی حسرتوں کا ہے نظر میں ارتعاش
جنبشِ مژگاں کی رو میں کتنے دل ہیں پاش پاش

کتنی تانوں کا اثر ہے رس بھری آواز پر
کتنی سرد آہوں کے پرتو ہیں جبینِ ناز پر

لے رہی ہیں کروٹیں لپٹی ہوئی انوار میں
کتنی للچائی ہوئی نظریں لب و رخسار میں

کتنے سینوں کی تمنائیں رہینِ اضطرار
ان گھنی پلکوں کی رنگیں چھاؤں میں ہیں بیقرار

اپنے دامن میں لیے ہے کتنی روحوں کی ترنگ
پنکھڑی کی طرح ان ترشے ہوئے ہونٹوں کا رنگ

ہیں جلو میں آپ خود دامن جھٹک کر دیکھ لیں
ریشمی آنچل کے چھو لینے کی کتنی حسرتیں

دیکھنے والوں کی بیتابی کا ہے رُخ پر سُرور
چال میں بیدار ہے اُٹھتی جوانی کا غرور

اپنے چہرے کی بہار کامرانی دیکھیے
کس قدر بشاش و فرحاں ہے جوانی دیکھیے

کاوشِ اخفا میں اُلٹی اور رسوائی ہوئی
کہیے کیوں اُٹھتی نہیں ہے آنکھ شرمائی ہوئی

☆☆

یار پری چہرہ

وہ یار پری چہرہ کہ کل شب کو سدھارا
طوفاں تھا، تلاطم تھا، چھلاوا تھا، شرارا

گل بیز و گہر ریز و گہر بار و گہر تاب
کلیوں نے جسے رنگ دیا گل نے سنوارا

نو خواستہ و نورس و نو طلعت و نوخیز
وہ نقش جسے خوبیِ قدرت نے ابھارا

خوں ریز و کم آمیز و دل آویز جنوں خیز
ہنستا ہوا مہتاب دمکتا ہوا تارا

خوش چشم و خوش اطوار و خوش آواز و خوش اندام
اک خال پہ قربان سمرقند و بخارا

گل پیرہن و گل بدن و گلرخ و گلرنگ
ایماں شکن، آئینہ جبیں، انجمن آرا

صبح گلِ نو خواستہ و شامِ شگوفہ
مر رہنے کا سامان تو جینے کا سہارا

آئینۂ رخسار پہ اک خال سیہ تاب
پیشانیِ گل رنگ پہ آنچل کا کنارا

آنکھوں کے چمکنے میں تقاضائے تلطف
پلکوں کے جھپکنے میں تمنائے مدارا

وہ لب کہ مہ نو کی دھڑکنے لگے چھاتی
وہ آنکھ کہ موتی کو نہ ہو صبر کا یارا

کلیوں کی نمائش میں اگر ہو متبسّم
ہو اس کے ہی ہونٹوں کی طرف کثرتِ آرا

نظریں جو اُٹھا دے تو لرزنے لگے خورشید
ابرو کو جو بَل دے تو ہو مہتاب دو پارا

اللہ ری ملبوس کی تابش شبِ مہ میں
سلما جو دمکتا تھا، جھمکتا تھا ستارا

تھا میری نگاہِ طرب آموز کا پابند
رنگِ لب و رخسار کا چڑھتا ہوا پارا

صندل کی دمک تھی عرق آلودہ جبیں پر
یا صبحِ گلستاں میں تڑپتا ہوا تارا

نغموں کے تلاطم سے تھا جنبش میں لبِ لعل
لہروں کے تھپیڑوں میں تھا دریا کا کنارا

ہر سانس میں اپنے ہی پہ پیچیدہ جوانی
ہر گام پہ بکھری ہوئی زلفوں کا نظارا

اس طرح تبسم میں تکلم کی گھلاوٹ
جس طرح مئے تند کی تلخی ہو گوارا

کاکل کے خم و پیچ سے افشاں کا جھلکنا
ظلمات سے تھا چشمۂ حیواں کا اشارا

سرشار جوانی تھی کہ اُمڈے ہوئے بادل
شاداب تبسم تھا کہ جنت کا نظارا

زُلفیں تھیں کہ ساون کی مچلتی ہوئی راتیں
شوخی تھی کہ سیلاب کا مڑتا ہوا دھارا

رُخ بات کا اقرار سے انکار کی جانب
جس طرح ہرن دشت میں بھرتا ہو طرارا

اللہ کرے وہ صنمِ دشمنِ ایماں
مچلے کسی شب جوش کے پہلو میں دوبارا

☆☆

1933

نیچی نگاہیں

آہ نیچی نگاہیں اے نگارِ شرمگیں
عشق اس کافر حیا کی تاب لا سکتا نہیں

یہ شہابی رنگ، نازک جلد میں رخسار کی
خون کا یہ رقص تہہ میں عارضِ گلنار کی

سرخ آنچل کا ڈھلک جانا یہ سر سے بار بار
دونوں ہاتھوں سے چھپا لینا یہ منہ بے اختیار

سرنگوں ہیں پھول سکتے میں ہے پیمانے کا رنگ
اُف یہ نم آلودہ رخساروں پہ شرمانے کا رنگ

عارضِ گلرنگ پہ یہ پھول سا کھلتا ہوا
یہ تبسّم جو طلوعِ صبح سے ملتا ہوا

گفتگو یہ سر جھکا کر شرمگیں انداز سے
یہ گرہ ہر لفظ میں رُکتی ہوئی آواز سے

ہر نفس کڑیاں سی کھلنا سانس کی زنجیر میں
کہتے کہتے کچھ یہ رُک جانا ترا تقریر میں

لب کو یوں جنبش سی ہونا نطق شرم آمیز سے
پنکھڑی جس طرح مُڑ جائے ہوائے تیز سے

☆☆

1925

جمنا کے کنارے

خورشید طلوع ہو رہا ہے
افسانہ شروع ہو رہا ہے

جلووں کی ہے چھوٹ خار و خس پر
رقصاں ہے شعاع ہر کلس پر

رہ رہ کے جھلک رہا ہے تیہم
ہر ذرۂ خاکدان کا عالم

گردوں کی جبیں دمک رہی ہے
پودوں کی کمر لچک رہی ہے

جاگے ہیں طیور چہچہاتے
چونکے ہیں حسیں کسمساتے

مکھڑوں پہ لیے بصد تجلی
شبنم کی نمی ، صبا کی خنکی

پونچھیں منہ کو اگر ذرا بھی
رومال میں چھوٹ آئے سرخی

رگ رگ میں ہے موجِ پرفشانی
وارفتہ مزاج نو جوانی!

پھوٹی ہے کرن جو تلملاتی
شبنم کی دھڑک رہی ہے چھاتی

لائی ہے نسیم بوئے گیسو
کلیوں میں مچل رہی ہے خوشبو

اس عالمِ رنگ و بو کے اندر
میدان سے اک ذرا سا ہٹ کر

اک قصر قریبِ رودِ جمنا
لہروں کو بتا رہا ہے بینا

یوں قصر کا عکس ہے سرِ آب
ارماں جیسے ہوں دل میں بیتاب

اس قصر کے بام پر کھلے سر
اک زہرہ جبین و ماہ پیکر

نوخیز حسیں بلند بالا
اوڑھے ہوئے سرمئی دوشالا

افسوں بہ نگاہ و زُلف بردوش
غرفے میں کھڑی ہوئی ہے خاموش

فردوس کے در کیے ہوئے باز
ٹیکے ہوئے کہنیاں بصد ناز

رنگین کلائیوں کو جوڑے
چہرے کو ہتھیلیوں پہ رکھے

گلدان میں پھول ہنس رہا ہے
قرآں ہے کہ رحل پہ دھرا ہے

طوفان ہیں دل ربائیوں کے
مڑنے میں سبک کلائیوں کے

آنکھوں میں ہے تابِ صبح روشن
ہونٹوں میں شگفتگی کا مسکن

انجم کی طرح جبیں پہ ٹیکا
خورشید سپہر کم سنی کا

کانوں میں نظر فریب بندے
اے کاش کوئی یہ پھول چن دے

چہرے پہ ہے گرم لن ترانی
الھڑ کافر نئی جوانی

اک سانس میں نیند سے گرانبار
اک سانس میں بیقرار و بیدار

اک سانس میں پاس آ رہی ہے
اک سانس میں دور جا رہی ہے

اُلجھی، بکھری سیاہ زُلفیں
بُجھتی ہوئی نیند انکھڑیوں میں

دریا کی ہوا جو کھا رہی ہے
بشاش ہے مسکرا رہی ہے

اور یوں کہ قریب لب ذرا سا
عارض میں پڑا ہوا ہے حلقہ

اس حلقۂ دلنشیں کے اندر
غلطیدہ ہیں ناز کے سمندر

یہ شانِ جمال اللہ اللہ
انسان کے بھیس میں شب ماہ

یہ حُسن یہ دل کشی یہ عالم
سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے شبنم

جس خاک سے گزرے کیمیا ہو
جس بُت پہ نظر کرے خدا ہو

شاعر کا بھی اک حقیر سجدہ
اے دشمنِ دیں! قبول فرما

"حُسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

قبلہ ہمہ دلبرانِ عالم
در خدمتِ قامت نگوں باد"
(حافظ)

☆☆

1928

گنگا کے گھاٹ پر

بڑھائے سرخیٔ عارض ہوائے صحرا سے
نہایا کون چلا آ رہا ہے گنگا سے

سرا ولائی کا سر پہ نظر جھکائے ہوئے
دبائے دانتوں میں آنچل بدن چرائے ہوئے

لبوں پہ مہر خموشی، خموشیوں میں خطاب
کمر میں لوچ، جبیں پہ دمک نظر میں شراب

قدم قدم پہ تمنائیں دلستانی کی
رخِ شگفتہ پہ طغیانیاں جوانی کی

شرابِ ناب لیے نرگسی کٹوروں میں
لہو چمن کا رواں سرخ سرخ ڈوروں میں

دراز زُلف میں جادو سیاہ آنکھ میں مدح
نسیمِ صبحِ بنارس ہلال شامِ اودھ

ہوائے صبح سے روشن چراغِ سیم تنی
شگفتہ غسلِ سحر سے مزاجِ گل بدنی

نظر نہ آئے وہ چہرے پہ چادر آبی
بیاضِ چشم میں گل کاری شکر خوابی

خنک تبسم سے ابھرے ہوئے نقوشِ شباب
صباحتیں ہیں کہ برسات کی شبِ مہتاب

عجیب حُسن ٹپکتا ہے چشم و ابرو سے
مہک رہی ہے ہوا کسی کی خوشبو سے

مقابلہ جو کرے کوئی چاند پھیکا ہے
جبینِ شوخ پہ صندل کا سرخ ٹیکا ہے

نمی ہے زُلف میں اشنان کر کے نکلی ہے
یہ کس کی موت کا سامان کر کے نکلی ہے؟

لبوں پہ کھیل رہا ہے اثر نہانے کا
گمان ہوتا ہے ہر بار مسکرانے کا

سیاہ زلف پر آنچل خفیف آبی ہے
برہنہ پا ہے تو ہر نقشِ پا گلابی ہے

مری طرف سے کوئی کاش یوں ہو گرمِ خطاب
کہ وقت صبح ہے اے دخترِ شب مہتاب

ازل کے دن سے درِ حُسن کا بھکاری ہوں
ادھر بھی ایک نظر میں ترا پجاری ہوں

☆☆

1922

مالن

آ رہی ہے باغ سے مالن وہ اٹھلاتی ہوئی
مسکرانے میں لبوں سے پھول برساتی ہوئی

بار بار آنکھیں اُٹھاتی، سانس لیتی تیز تیز
رس جوانی کا گھنی پلکوں سے ٹپکاتی ہوئی

پاؤں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح
سبزۂ خوابیدۂ گلشن کو چونکاتی ہوئی

آستینوں میں ہے جھلکاتی ہوئی بانہوں کا رنگ
کاکلوں میں ہے 'کرن پھولوں' کو جھکاتی ہوئی

نغمۂ گیسو سے ہر جھونکے میں بھرتی بوئے گل
نقشِ پا سے ہر روش میں خون دوڑاتی ہوئی

نصف آنکھیں بند کر کے سونگھتی پھولوں کے ہار
ہر نفس بیہوش ہوکر ہوش میں آتی ہوئی

چھیڑ خود اپنے ہی سے کرتی ہوئی مستانہ وار
ہر قدم پر کاکلوں کی طرح بل کھاتی ہوئی

اینڈتی، مڑتی، خود اپنی کمسنی سے کھیلتی
بھاگتی، رکتی، ٹھٹکتی بال بکھراتی ہوئی

گنگناتی، مسکراتی، لڑکھڑاتی، جھومتی
مثلِ ابر اپنے ہی پر خود پیچ و خم کھاتی ہوئی

پھول ہیں آنچل میں آنچل لوٹتا ہے دوش پر
اور آنچل پر گھنی زلفیں ہیں لہراتی ہوئی

ہائے کیا گوری کلائی میں ہے لچھا دلفریب
ہائے کیا چاندی کی ہیکل ہے ستم ڈھاتی ہوئی

جوشؔ پوچھے کوئی اس گل پیرہن مالن کا نام
آ رہی ہے غنچۂ دل کو جو چٹکاتی ہوئی

☆☆

1923

جامن والیاں

رُوحِ شاعر آج پھر ہے وجد میں آئی ہوئی
آم کے باغوں پہ ہے کالی گھٹا چھائی ہوئی

مست بھونرا گونجتا پھرتا ہے کوہ و دشت میں
روح پھرتی ہے کسی وحشی کی گھبرائی ہوئی

غنچہ غنچہ اپنے فطری رنگ میں ڈوبا ہوا
پتی پتی اپنے اصلی رنگ پر آئی ہوئی

خارِ صحرا، فیضِ ابر و باد سے نکھرے ہوئے
خاکِ گلشن، موجِ رنگ و بو سے اترائی ہوئی

بہہ رہی ہیں ندیاں ساون کے نغموں کی طرح
گا رہی ہیں کوئلیں، موسم کی تڑپائی ہوئی

آ رہی ہیں ناز سے نوخیز جامن والیاں
انکھڑیوں میں اجنبیت چال اٹھلائی ہوئی

عمر کے نشے سے کچھ کچھ نیند میں ڈوبی ہوئی
برق کی ہلچل سے کچھ کچھ ہوش میں آئی ہوئی

ابر میں بھیگے ہوئے پودوں کا دست و پا میں لوچ
دھوپ کے تپتے ہوئے کھیتوں کی سنولائی ہوئی

پھر رہی ہیں ترہتر گلیوں میں سوتی جاگتی
منہ اندھیرے ہی سے بوچھاروں کی چونکائی ہوئی

دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں سروں کی ٹوکری
ہاتھ انگڑائی کی صورت، آنکھ شرمائی ہوئی

ہائے یہ بکھری ہوئی زلفیں، یہ کالی جامنیں
ہائے یہ گلشن یہ ساون کی گھٹا چھائی ہوئی

ہائے نازک راہ کے پانی سے یہ بھیگے ہوئے
پنڈیاں زورِ جوانی سے ہیں بل کھائی ہوئی

ہائے یہ بچتی ہوئی نو عمر جامن والیاں
عاقبت اندیش وہقانوں کی سمجھائی ہوئی

یہ جھجک اُٹھنا جوانوں کی نظر سے بار بار
یہ نگاہیں، شہر کی گلیوں میں گھبرائی ہوئی

ہائے یہ کافر مناظر ہوش میں رکھتے نہیں
جوش ان فصلوں میں اکثر اپنی رسوائی ہوئی

☆☆

1925

مشغلے کا اثر

دیکھتا تھا روز اک عورت کو میں وقتِ سحر
بورے بُنتے ہوئے پتلی گلی کے موڑ پر

سر سے پا تک بستۂ محویتِ اندوہناک
خال و خد پر ظلمتِ سنجیدگی و انہماک

شوق اس عورت میں روحِ ناز پاتا ہی نہ تھا
دل لبھانے کا کوئی انداز پاتا ہی نہ تھا

لیکن اک دن صبح کو چھائی ہوئی تھی جب گھٹا
موڑ پر میں دفعتاً حیران ہو کر رہ گیا

دیکھتا کیا ہوں وہی عورت بصد انداز و ناز
چپٹی ماتھے پہ بکھرائے ہوئے زلفِ دراز

عشوۂ ترکانہ کے ساتھ ایک ظرفِ تنگ میں
دے رہی تھی ڈوب ساری کو گلابی رنگ میں

دل پکارا آج کیسی آگ سی بھڑکی ہے یہ
مجھ پر اس دن یہ کھلا 'عورت' نہیں 'لڑکی' ہے یہ

☆☆

1938

جنگل کی شاہزادی

پیوست ہے جو دل میں وہ تیر کھینچتا ہوں
اک ریل کے سفر کی تصویر کھینچتا ہوں

گاڑی میں گنگناتا مسرور جا رہا تھا
اجمیر کی طرف سے جے پور جا رہا تھا

تیزی سے جنگلوں میں یوں ریل جا رہی تھی
لیلیٰ ستار اپنا گویا بجا رہی تھی

خورشید چھپ رہا تھا رنگیں پہاڑیوں میں
طاؤس پر سمیٹے بیٹھے تھے جھاڑیوں میں

کچھ دور پر تھا پانی، موجیں رُکی ہوئی تھیں
تالاب کے کنارے شاخیں جھکی ہوئی تھیں

لہروں میں کوئی جیسے دل کو ڈبو رہا تھا
میں سو رہا ہوں ایسا محسوس ہو رہا تھا

اک موج کیف پرور دل سے گزر رہی تھی
ہر چیز دلبری سے یوں رقص کر رہی تھی

تھیں رقص کرن سے سب وادیاں سنہری
ناگاہ چلتے چلتے جنگل میں ریل ٹھہری

کانٹوں پہ خوبصورت اک بانسری پڑی ہے
دیکھا کہ ایک لڑکی میدان میں کھڑی ہے

زاہد فریب گل رُخ کافر دراز مژگاں
سیمیں بدن پری رُخ نو خیز حشر ساماں

خوش چشم خوبصورت خوش وضع ماہ پیکر
نازک بدن، شکر لب، شیریں ادا، فسوں گر

کافر ادا، شگفتہ، گل پیرہن، سمن بو
سرو چمن، سہی قد، رنگیں جمال، خوش رو

گیسو کمند، مہوش، کافور فام قاتل
نظارہ سوز دلکش، سرمست، شمع محفل

ابرو ہلال، سے گوں، جاں بخش، روح پرور
نسریں بدن، پری رُخ، سیمیں عذار دلبر

آہو نگاہ، نورس، گلگوں، بہشت سیما
یاقوت لب صدف گوں شیریں بلند بالا

غارت گرِ تحمل دل سوز دشمن جاں
پروردۂ مناظر، دوشیزۂ بیاباں

گلشن فروغ کمسن، مخمور، ماہ پارا
''دلبر کہ در کفِ او موم است سنگ خارا''

ہر بات ایک افسوں ہر سانس ایک جادو
قدسی فریب مژگاں، یزداں شکار گیسو

صحرا کی زیب و زینت، فطرت کی نور دیدہ
برسات کے ملائم تاروں کی آفریدہ

چہرے پہ رنگِ تمکیں، آنکھوں میں بیقراری
ایمائے سینہ کوبی، فرمانِ بادہ خواری

لوہا تپانے والی جلووں کی ضوفشانی
سکتے بٹھانے والی، اُٹھتی ہوئی جوانی

ڈوبے ہوئے سب اعضا حُسنِ مناسبت میں
پالی ہوئی گلوں کے آغوشِ تربیت میں

حُسنِ ازل ہے غلطاں شاداب پنکھڑی میں
یا جان پڑ گئی ہے جنگل کی تازگی میں

حوریں ہزار دل سے قربان ہوگئی ہیں
رنگینیاں سمٹ کر "انسان" ہوگئی ہیں

چینِ ستمگری سے نا آشنا جبیں ہے
میں کون ہوں؟ یہ اس کو معلوم ہی نہیں ہے

ر چیز پہ نگاہیں حیرت سے ڈالتی ہے
ہ رہ کے اُڑنے والی چادر سنبھالتی ہے

آنچل سنبھالنے میں یوں بل سی کھا رہی ہے
گویا ٹھہر ٹھہر کر انگڑائی آ رہی ہے

کچھ دیر تک تو میں نے اس کو بغور دیکھا
غش کھا رہی تھی عقبیٰ، چکرا رہی تھی دنیا

گاڑی سے پھر اتر کر اس کے قریب آیا
طوفانِ بیخودی میں پھر یہ زباں سے نکلا

اے درسِ آدمیت، اے شاعری کی جنت
اے صانعِ ازل کی نازک ترین صنعت

اے روحِ صنفِ نازک، اے شمعِ بزمِ عالم
اے صبحِ روئے خنداں، اے شامِ زلفِ برہم

اے تو کہ تیری نازک ہستی میں کام آئی
قدرت کی انتہائی تخئیلِ دلربائی

چشم و چراغِ صحرا اے نورِ دشت وادی
رنگیں جمال دیوی، جنگل کی شاہزادی

بستی میں تو جو آئے، اک حشر سا بپا ہو
آبادیوں میں ہلچل، شہروں میں غلغلہ ہو

رندانِ بادہ کش کے ہاتھوں سے جام چھوٹیں
تسبیح شیخ اُلجھے، توبہ کے عزم ٹوٹیں

نظروں سے اتقا کے رسم و رواج اتریں
زہّاد کے عمامے شاہوں کے تاج اُتریں

آنکھیں ہوں اشک افشاں، نالے شرر فشاں ہوں
کیا کیا نہ شاعروں کے ہیئوں دھجیاں ہوں

شہروں کے مہوشوں پر اک آسمان ٹوٹے
پروردۂ تمدن عشووں کی نبض چھوٹے

اس سادگی کے آگے نکلیں دلوں سے آہیں
جھک جائیں دلبروں کی خود ساختہ نگاہیں

تیری ادا کے آگے شرما کے منہ چھپائیں
ناپے ہوئے کرشمے، تولی ہوئی ادائیں

تیری نظر کی رو سے ہو جائیں خستہ و گم
مشق و مزاولت کے پالے ہوئے تبسم

امن و اماں کے رُخ کو بے آب و رنگ کر دے
دنیا کو حسن تیرا میدانِ جنگ کر دے

کتنی ہی قسمتوں کے بدلے فلک نوشتے
خون اور دوستی کے کٹ جائیں کتنے رشتے

تصنیف ہوں ہزاروں چبھتے ہوئے فسانے
ان انکھڑیوں کی زد پر کانپیں شراب خانے

تیرے پجاریوں میں میرا بھی نام ہوتا
اے کاش جنگلوں میں میرا قیام ہوتا

یہ بن، یہ گل، یہ چشمے، مجھ سے قریب ہوتے
شاعر کے زیرِ فرماں یہ سب رقیب ہوتے

کیوں میری گفتگو سے حیرت فروش کیوں ہے؟
اے زمزموں کی دیوی اتنی خموش کیوں ہے

بجنے لگیں وفا کی محفل میں شادیانے
ہاں دے لبوں کو جنبش اے سرمدی ترانے

یوں چپ ہے مجھ سے گویا کچھ کام ہی نہیں ہے
یہ وہ ادا ہے جس کا کچھ نام ہی نہیں ہے

سننا تھا یہ کہ ظالم اس طرح مسکرائی
فریاد کی نظر نے ۔ ارماں نے دی دہائی

عشوہ جبیں پہ لے کر دل کی اُمنگ آیا
چہرے پہ خون دوڑا، آنکھوں میں رنگ آیا

شرما کے آنکھ اُٹھائی، زلفوں پہ ہاتھ پھیرا
اتنے میں رفتہ رفتہ چھانے لگا اندھیرا

جھکا دیا حیا نے ہر نقشِ دلبری کو
دانتوں میں یوں دبایا چاندی کی آرسی کو

سن کر مری مچلتی آنکھوں کی داستانیں
اس کی نگاہ میں بھی غلطاں ہوئیں زبانیں

شرما کے پھر دوبارہ زلفوں پہ ہات پھیرا
دیکھا تو چھا چکا تھا میدان پر اندھیرا

کچھ جسم کو چرایا کچھ سانس کو سنبھالا
کاندھے پہ نرم آنچل انگڑائی لے کے ڈالا

تاریک کر کے میری آنکھوں میں اک زمانہ
جنگل سے سر جھکا کر ہونے لگی روانہ

ہونے لگی روانہ، ارماں نے سر جھکایا
دل کی مثال کانپا رہ رہ کے بن کا سایا

بیہوش ہو چلا میں، سینے سے آہ نکلی
اتنے میں رات لے کر قندیلِ ماہ نکلی

مڑ کر جو میں نے دیکھا، اُمید مر چکی تھی
پٹری چمک رہی تھی، گاڑی گزر چکی تھی

☆☆

1922

اشکِ اوّلیں

خوشا وہ دن کہ شادابی تھی دل میں جب لڑکپن کی
بہاریں لوٹتی تھیں جب وہ میرے ساتھ گلشن کی

کلی روحوں کی کھلتی تھی خنک جاڑوں کی راتوں میں
انگیٹھی کے کنارے نیند اڑ جاتی تھی باتوں میں

ہوائے سرد کے جھونکے ہمیں بے خود بناتے تھے
فرشتوں کی طرح شفاف چشموں میں نہاتے تھے

جب اوجِ چرخ پر ساون کے بادل گھر کے آتے تھے
ہوائے نرم میں کیا کیا نہ ہم دُھومیں مچاتے تھے

میں پہروں نیم کے نیچے اُسے جھولا جھلاتا تھا
وہ گاتی تھی مگر اُس کو نہ کچھ آتا، نہ جاتا تھا

خفا ہوتے تھے تو اک دوسرے کا منہ چڑھاتے تھے
گھروندے صحن میں بن بن کے اکثر ٹوٹ جاتے تھے

نہ دن کو دل دھڑکتا تھا، نہ شب کو آنکھ روتی تھی
محبت اتنی نازک تھی کہ مطلق حِس نہ ہوتی تھی

کسے معلوم تھا اک روز ہوگی سرگرانی بھی
دبے پاؤں چلی آتی ہے تیزی سے جوانی بھی

زمیں پھرتی رہی، ذرّات میں ہوتی رہی گردش
اُسی کے ساتھ محسوسات میں ہوتی رہی گردش

بھرے ظالم کے شانے کشتیِ طفلی کے کھینے سے
کلی کھلتی رہی جلوؤں کی پیہم سانس لینے سے

جوانی، سینۂ طفلی میں اٹھلاتی رہی برسوں
کوئی مبہم تمنا دل کو گرماتی رہی برسوں

مچلتا سا رہا ذوقِ تماشا آنکھ کے تل میں
تڑپ بھرتی رہی اک غیر محسوس آرزو دل میں

زمینِ برف میں تخمِ شرر بوتی رہی بجلی
تنِ نازک میں رفتہ رفتہ حل ہوتی رہی بجلی

جلا ہوتی رہی پردے ہی میں زلفِ پریشاں پہ
زمرد کے ورق چڑھتے رہے رخسارِ تاباں پہ

لب و رخسار کو دیتی رہی درسِ درخشانی
دلِ نازک کے نامعلوم ارمانوں کی جولانی

☆☆

2

نہ دیکھی تھی ابھی دنیا سمجھ لیتا میں یہ کیونکر
کہ کچھ دن میں سفر سے کوئی پلٹے گا جواں ہو کر

نظر اب جو اُٹھائی تو یکایک دیکھتا کیا ہوں
کہ میں تنہا ہزاروں بجلیوں کی زد پہ بیٹھا ہوں

وفورِ ناز سے چھپنے پہ ہیں نبضیں محبت کی
شناسائی کے ماتھے پر ہیں لہریں اجنبیت کی

نظر میں مضمحل ہیں جھمکیں اگلے زمانے کی
لبِ نازک پہ ہے سکتے میں عادت مسکرانے کی

خلافِ رسم یہ عالم جو میرے رو برو آیا
معاً آنکھوں میں لشکِ اوّلینِ آرزو آیا

ادھر پہلے تو آئی اک چمک آنسو کے محمل میں
یکایک کھل گیا پھر اک دریچہ سا مرے دل میں

حریمِ جاں کی میں نے اُس دریچے سے زیارت کی
نظر آئی مجھے خونیں کفن، دیوی محبت کی

بقا کے پھول کو تابوت پر کھلتے ہوئے دیکھا
اجل کو زندگانی سے گلے ملتے ہوئے دیکھا

صدائیں گونج اٹھیں دل میں ہزاروں آبشاروں کی
ہوا چلنے لگی سینے میں لافانی بہاروں کی

معاً اک آگ سی سوزِ دروں نے دل میں بھڑکائی
تمنا کسمسائی غم نے لی سینے میں انگڑائی

مرے پہلو میں پہلی مرتبہ اک پھانس سی کھٹکی
گھٹا سی چھا گئی دل پر کلی سی روح میں چٹکی

نرالا خوف انوکھی کشمکش ناآشنا ہلچل
گرجتے ہوں کہیں کچھ دور جیسے خواب میں بادل

دکھائی اک نئی دنیا نے کچھ یوں بزم آرائی
یکایک آئے چشمِ کور میں جس طرح بینائی

جہاں کا ذرہ ذرہ دیدۂ حیراں نظر آیا
میں خود اپنے کو اک بدلا ہوا انساں نظر آیا

وہ بھڑکی آگ سینے میں، رگ و پے کو تپا ڈالا
زباں سے یہ مری بے ساختہ نکلا ''جلا ڈالا''

یہ سنتے ہی جبینِ حُسن پر پہلی شکن آئی
جلو میں سیکڑوں جلوے لیے گویا دلہن آئی

غرورِ حُسن نے بگڑے ہوئے انداز سے دیکھا
نیازِ عشق صدقے ہو گیا، اس ناز سے دیکھا

کہا کچھ زیرِ لب زُلفیں ہٹا کر روئے تاباں سے
مہک دوشیزگی کی آئی لعلِ عطر افشاں سے

جوانی گو مگو میں پڑ کے غش کھانے لگی گویا
جمائی کی طرح لی سانس، نیند آنے لگی گویا

نظر میں آ گیا رنگِ تمنا کھنچ کے سینے سے
گلابی ہو گیا کچھ اور بھی چہرہ پسینے سے

بچا کر آنکھ پرکھا اُس نے میرے دل کی حالت کو
ادا سے پھیر کر آنکھوں پہ انگشتِ شہادت کو

اُٹھائیں انگلیاں رُخ سے ہٹا کر کاکلِ مشکیں
نظر میں یادِ ایامِ طرب نے کروٹیں بدلیں

یکایک کھنچ گیا دل میں تخیل کج ادائی کا
لبوں پہ آ چلا کچھ کچھ تبسم دلربائی کا

خفیف اک رنگِ اُلفت حُسن کے پندار میں جھلکا ،
تصور صحبتِ دیرینہ کا رخسار میں جھلکا

ستم ہی ڈھا دیا بھولے سے عریاں ہو کے بانہوں نے
بقدرِ یک نظر تقدیر کی نیچی نگاہوں نے

گلے پہ ہمدمِ طفلی کے تیغ خوں نشاں پھیری
ذرا سا مسکرا کر سُرخ ہونٹوں پہ زباں پھیری

مٹا ڈالا ہے جس ظالم نے میری شادمانی کو
الٰہی! خیر کی توفیق دے اُس کی جوانی کو

☆☆

کوہستانِ دکن کی عورتیں

یہ اُبلتی عورتیں اس چلچلاتی دھوپ میں
سنگِ اسود کی چٹانیں آدمی کے روپ میں

واہ کیا کہنا ترا اے حُسنِ ارضِ آفتاب
یہ برشتہ رنگ یہ تپتے ہوئے سنگیں شباب

ہے سراپا بُت تراشوں کی عرق ریزی کا پھل
اتنی بے پایاں صلابت پر بھی ہر نقشہ سجل

چال جیسے تند چشمے، تیوریاں جیسے غزال
عارضوں میں جامنوں کا رنگ آنکھیں بے مثال

عورتیں ہیں یا کہ ہیں برسات کی راتوں کے خواب
پھٹ پڑا ہے جن پہ طوفاں خیز پتھریلا شباب

یہ جواں چہرے یہ چہروں میں ہے برنائی کا جوش
تو کہے آہن میں کھودے ہیں کسی نے چشم و گوش

جسم ہیں کچھ اس قدر ٹھوس الحفیظ والاماں!
لیجیے چٹکی تو چھل جائیں خود اپنی انگلیاں

مچھلیاں شانوں کی ابھری سی بنی سی کاٹھیں
آہن و فولاد کے پٹھے، سلاخوں کی رگیں

دید کے قابل ہے ان کافر بتوں کا رنگ و روپ
کھلپ چکی ہے جن میں بارش ڈس چکی ہے جس کو دھوپ

ان بنات کوہ کی کڑیل جوانی الاماں!
پتھروں کا دودھ پی پی کر ہوئی ہیں جو جواں

کنکروں کے فرش پر دنیا سلاتی ہے جنھیں
آندھیوں کے پالنے میں نیند آتی جنھیں

کیا خبر کتنے دلوں کی جوش پامالی ہوئی
ان اداؤں سے کہ طوفانوں کی ہیں پالی ہوئی

☆☆

حُسنِ بیمار

کیا غضب ہے حسن کے بیمار ہونے کی ادا
جیسے کچی نیند سے بیدار ہونے کی صدا

انکسارِ حسن پلکوں کے جھپکنے میں نہاں
نیم وا بیمار آنکھوں سے مروّت سی عیاں

جنبشِ مژگاں میں غلطاں سازِ غم کا زیر و بم
خامشی میں پرفشاں ایمائے پیماں کی قسم

احترامِ عشق کی زد، دلنشیں آواز میں
ایک پھیکے پن کا سناٹا دیارِ ناز میں

الاماں آنکھوں کی نیم افسردہ سی افسوں گری
ایک دھندلا سا تبسم ، اک تھکی سی دلبری

چوڑیاں ڈھیلی، ولائی پُر شکن ماتھے پہ ہات
لب پہ خشکی، رُخ پہ سوندھا پن نظر میں التفات

ہلکی ہلکی جھلکیاں رخسار پر یوں نور کی
جیسے گل پر صبحِ کاذب کی سہانی چاندنی

لے رہا ہے کروٹیں عارض میں یوں رنگِ شباب
جس طرح موجِ خراماں پر ضیائے ماہتاب

حُسن یوں کھویا ہوا سا بزمِ محسوسات میں
جیسے دونوں وقت ملتے ہوں بھری برسات میں

یوں ہے اک روشن نمی سی چشمِ سحر انداز میں
صبح کو شبنم ہو جیسے معرضِ پرواز میں

جیسے کہرے میں کوئی تابندہ منظر دُور کا
جیسے پچھلی رات کے سینے پہ ڈورا نور کا

ایسے اضمحلال پر دنیا کی برنائی نثار
ایسی بیماری پر اعجازِ مسیحائی نثار

☆☆

جوانی کا تقاضا

منھ اندھیرے تھی جب آویزش سی مہر و ماہ میں
مہترانی اک نظر آئی مجھے کل راہ میں

چھاؤں میں تاروں کی کچی نیند سے چونکی ہوئی
اک قدم پر جاگتی، اک گام پر سوتی ہوئی

رنگ سا اک شہر کا پائے بے پا پوش پر
رخ پہ نیندیں، ملگجی ساری کا پلو دوش پر

چال اٹھلائی ہوئی، گردن کا خم مستانہ وار
انکھڑیوں میں تنگ کوچوں کے تصور کا غبار

لیکن اس عالم میں بھی اے محوِ فطرت ہمنشیں
غم کا کوئی خار پیشانی کے پھولوں میں نہیں

دیدنی ہے تلخ پیشے کا یہ اندازِ طرب
اک چمک سی انکھڑیوں میں ایک لے سی زیرِ لب

سچ ہے طوفانِ جوانی کو دبا سکتا ہے کون؟
سرِ شبابِ شعلہ پرور کا جھکا سکتا ہے کون

مہترانی ہو کہ رانی ، گنگنائے گی ضرور
کچھ بھی ہو جائے، جوانی گنگنائے گی ضرور

☆☆

1933

شاعر کی نماز

اک زنِ کم رُو سحر کو آئینے کے سامنے
ہات میں کنگھی لیے کھڑکی کا پٹ کھولے ہوئے

دیر سے سُلجھا رہی تھی کاکُل پر پیچ و خم
لے رہا تھا آنکھ میں لہریں مگر سفاک غم

آئینے سے کہہ رہی تھی چشمِ حسرت آفریں
اس کرّے پر کوئی میرا پوچھنے والا نہیں

کس قدر قحطِ خریداری نے ہلکا کر دیا
تجھ کو اے میری جوانی کی متاعِ بے بہا

یہ مرے گیسو، یہ لب یہ چشم یہ رُخ یہ دہن
آہ یہ برنائیاں اور اس قدر رنج و محن

اس زمیں پر جستجوئے جلوۂ رنگیں نہیں
پھول تو موجود ہے لیکن کوئی گل چیں نہیں

اس سماں سے قلب شاعر ہوگیا زیر و زبر
اور کچھ اس پیار سے ڈالی بناوٹ کی نظر

عارضِ شب رنگ پر سُرخی نمایاں ہوگئی
ہات قبضے پر گیا، تلوار عریاں ہوگئی

آنکھ کے پردوں میں گویا شہد سا گھلنے لگا
سانس کچھ اس ناز سے لی رنگِ رُخ کھلنے لگا

خشک ہونٹوں پر تبسم رنگ برسانے لگا
خال و خد کی گتھیاں پندار سلجھانے لگا

عشوہ سرخی سی، سیہ چہرے پہ دوڑانے لگا
ظلمتوں میں آبِ حیواں ناز فرمانے لگا

اک ذرا گھبرا سا ہو کر ہر نفس آنے لگا
ناز سے انگڑائی لی آنکھوں میں رس آنے لگا

صبح کی تنویر شبنم سے گلے ملنے لگی
مَس کیا بادِ سحر نے اور کلی کھلنے لگی

ہات میں صیاد کاندھے سے کماں لینے لگا
چشم و ابرو میں غرور انگڑائیاں لینے لگا

خود بخود آرائشِ کاکل سے شرمانے لگی
دست و پا میں ایک ہلکی لہر سی آنے لگی

دیکھ اے زاہد! اسے کہتے ہیں شانِ سوز و ساز
شاعرانِ پاک دل اس طرح پڑھتے ہیں نماز

☆☆

1927

خمریات

خیز و در کاسۂ زر آبِ طربناک انداز
پیش ازانے کہ شود کاسۂ سر خاک انداز

(حافظ)

یومِ بہار

اے ہم نشیں! وہ جوشِ مے ارغواں ہے آج
صہبا کی ایک بوند میں کون و مکاں ہے آج

ہر غنچہ کہ رقص کناں ہے بہ طرح نو
چشم و چراغ سلسلۂ قدسیاں ہے آج

جس پر نثار موجۂ تسنیم و سلسبیل
بکھری ہوئی وہ کاکل عنبر فشاں ہے آج

اللہ رے سیلِ نغمہ و طوفانِ رنگ و بو
موجِ ہوا میں جنبشِ نبضِ جواں ہے آج

شکرِ خدا کہ طرّۂ طرفِ کلاہِ دوست
مشعل فروزِ مجلسِ روحانیاں ہے آج

پھر چہرۂ بشر پہ ہے رنگِ الوہیت
پھر فرشِ خاک پر سرِ کرّوبیاں ہے آج

اوجِ فلک پہ موجۂ ابرِ سُبک خرام
صحنِ چمن میں جلوۂ سروِ رواں ہے آج

وہ دُخترِ رز کہ تھی خُمِ رنگیں میں معتکف
صد شکر صدرِ انجمنِ مے کشاں ہے آج

اُف ری شمیمِ کاکلِ شب رنگ و بوئے عود
دوشِ صبا پہ دولتِ باغِ جناں ہے آج

رندوں کے ساتھ روحِ دوعالم ہے رقص میں
یومِ طوافِ کعبۂ رطلِ گراں ہے آج

ہر آرزو کے فرق پہ کج ہے کلاہِ ناز
'عین الیقین' بہشت کا وہم و گماں ہے آج

زیرِ نگیں زمین ہے قبضے میں آسماں
آفاق پر حکومتِ پیرِ مغاں ہے آج

ہر خشک و تر میں گونج رہی ہیں حکایتیں
ہر ذرۂ حقیر کے منہ میں زباں ہے آج

رہ رہ کے اڑ رہا ہے مسیح و خضر کا رنگ
کیا جانے کس لباس میں عمرِ رواں ہے آج

اے جوش زلزلے میں ہے قصرِ تعینات
دل ماورائے قیدِ زمان و مکاں ہے آج

☆☆

چند جُرعے

جرعۂ اوّل

تعالی اللہ شانِ بادہ خواری
نئی ہلچل، نرالی بیقراری

کوئی کروٹ سی دل میں لے رہا ہے
لہو میں کسمسیاں سی کے رہا ہے

یہ کس کی سن رہی ہے روح آہٹ
رگوں میں ہے مزے کی سنسناہٹ

چمکتی ہیں فضا میں بجلیاں سی
لچکتی ہے رگ و پے میں کماں سی

زہے رفتار خونِ زندگانی
بغیر اسبابِ شادی، شادمانی

نئی شکلیں ہیں سینے پر منقش
مبارک امتزاجِ آب و آتش

پیے بیٹھا ہوں آج اے زاہدِ خام
شرابِ رند خوار و ساغر آشام

ادھر ہنگامۂ صہبا پرستی
اُدھر آویزشِ تمکین و مستی

سخن کی داد خود سے پا رہا ہوں
کلی کی طرح کھلتا جا رہا ہوں

اٹھا ساغر کہ پھر آواز آئی
کہ بدمستی بہ از زہدِ ریائی

☆☆

جرعۂ دوم

رگ و پے میں ہے غلطاں نوجوانی
ہر اک لمحہ ہے عمرِ جاودانی

مری مٹھی میں ہے روحِ مہ و سال
تپاں ہے ماضی و مستقبل و حال

ترانے ، وقت سے آزاد ہو کر
ہوئے ہیں ساز کے پردوں سے باہر

گھٹا سی اک سنہری آ رہی ہے
پھریری پر پھریری آ رہی ہے

گراں زنجیرِ دانش، گل رہی ہے
متانت کی جوانی ڈھل رہی ہے

ہواؤں میں ہیں شاہانہ ترانے
اُبلتے ہیں گلابی سے ترانے

سبو کی آگ سے دہکے ہوئے ہیں
فضا میں پھول سے جھکے ہوئے ہیں

چمن بردوش ہے کوئل کی کو کو
صراحی در بغل پھولوں کی خوشبو

کبھی ظلمت، کبھی انوارِ مہتاب
خدا معلوم بیداری ہے یا خواب

یہ کیسی طرفگی ہے آج ساقی؟
صراحی میں ہے نورِ وجہ باقی

اُٹھا ساغر کہ پھر آواز آئی
کہ بدمستی بہ از زہدِ ریائی

☆☆

جرعۂ سوم

تعالیٰ اللہ شانِ مے پرستی
گھٹا سی ہے گرجتی اور برستی

ندی ساون کی چڑھتی آ رہی ہے
سوئے میخانہ بڑھتی آ رہی ہے

اُٹھی ہیں جھومتی کالی گھٹائیں
گھٹائیں شوخ ، متوالی گھٹائیں

اُبلتی ہے شرابِ ارغوانی
برستا ہے مزے لے لے کے پانی

سرِ میخانہ حوریں آ رہی ہیں
نگاہیں رام رس ٹپکا رہی ہیں

ہر اک ذرّے میں جنباں ہیں زبانیں
زمیں پر لوٹتی پھرتی ہیں تانیں

فنا کی بیڑیاں پھر گل رہی ہیں
بقا کی مشعلیں پھر جل رہی ہیں

ہر اک ذرّہ کھلا جاتا ہے گویا
گلے آکر ملا جاتا ہے گویا

بڑھا جاتا ہوں دریا ہو کہ وادی
مبارک دولتِ خود اعتمادی

ہوائیں چل رہی ہیں سنسناتی
مہکتی، سرسراتی، گنگناتی

شریعت پر تباہی آ رہی ہے
مشیت کو جماہی آ رہی ہے

اُٹھا ساغر کہ پھر آواز آئی
کہ بدمستی بہ از زہدِ ریائی

☆☆

جرعۂ چہارم

عجب شاہانہ کیفیت ہے طاری
ستاروں پہ ہے میرا حکم جاری

زمیں اس وقت اک وہم و گماں ہے
مرے شہپر کے نیچے آسماں ہے

ابد کا نور رقصاں ہے جبیں پہ
خلا ہے وقت کے سینے کے اندر

ہر اک لمحہ ترانے گا رہا ہے
زمانہ یوں کمر لچکا رہا ہے

برستے ہیں فسوں پرور ترانے
اُبلتے ہیں جوانی کے فسانے

مجازی صورتوں پر ہے بحالی
حقائق ہو چکے ہیں لاأبالی

بہکتے رقص کرتے لڑکھڑاتے
اُٹھے ہیں مُغنّی دھومیں مچاتے

چمکتی ہیں بتوں کی بالیاں سی
فضا پر بج رہی ہیں تالیاں سی

جوانی روح میں اٹھلا رہی ہے
نظر پر کاکلیں بکھرا رہی ہے

نہ دل کو امتیاز این و آں ہے
نہ خود پر بندہ ہونے کا گماں ہے

اُٹھا ساغر کہ پھر آواز آئی
کہ بدمستی بہ از زہد ریائی

☆☆

جرعۂ پنجم

تعالی اللہ شکستِ خود نمائی
بھرا ہے خاک میں زورِ خدائی

فلک پر نشہ سا چھایا ہوا ہے
زمیں کو حال سا آیا ہوا ہے

جوانی ہے زمیں سے آسماں تک
برابر آسماں سے لا مکاں تک

چمن میں فصلِ گل اٹھلا رہی ہے
ہوا پر عمرِ رفتہ گا رہی ہے

ہتھیلی پر لیے ہوں گلستاں کو
کہاں کا گلستاں، سارے جہاں کو

فلک حیرت سے منہ کھولے ہوئے ہے
زمیں اڑنے کو پر تولے ہوئے ہے

فرشتے ہر طرف منڈلا رہے ہیں
پیامی آ رہے ہیں، جا رہے ہیں

نظر میں صورتیں سی پھر رہی ہیں
نقابیں اُٹھ رہی ہیں، گر رہی ہیں

جبینِ حال پر ہے نقشِ ماضی
کوئی حد بھی ہے ان بدمستیوں کی

زمانے کے بعید و متصل مست
دماغِ عقل پرور مست دل مست

بقا مست و حیاتِ جاوداں مست
فنا سرشار و مرگِ ناگہاں مست

ہوائے تاک و برگِ یاسمیں مست
بتِ نو خیز و صہبائے کہن مست

بلند و پست مست و جزو و کُل مست
عنادل مست گلچیں مست گل مست

شگوفہ مست و مُل مست و چمن مست
زباں مست و دہاں مست و سخن مست

تدبر مست، حکمت مست، دیں مست
عقائد مست، ظن مست و یقیں مست

ملک مست و فلک مست و قضا مست
قمر مست و فضا مست و صبا مست

مغنّی مست بربط مست، لے مست
سبوکش مست، ساغر مست، مے مست

خذف مست و صدف مست و گہر مست
شرر مست و حجر مست و شجر مست

جہاں مست و زماں مست و مکاں مست
عناصر مست، جوہر مست، جاں مست

رواجِ خیر مست و رسمِ شر مست
سفالیں، کوزہ مست و کوزہ گر مست

یہ ہے بدمستیوں کا زور ساقی!
محیطِ غیب میں ہے شور ساقی!

مجھے ارض و سماں سے کد نہیں ہے
وگرنہ مستیوں کی حد نہیں ہے

اگر چاہوں تو دنیا کو ہلادوں
زمیں کیا، آسمانوں کو نچادوں

فلک کیا، عرش کو بھی پست کردوں
خودی کیسی، خدا کو مست کردوں

☆☆

شبِ نشاط

کیا میکدے کی رات نشاط آفریں ہے آج
گلرنگ موجِ بادہ سے ان کی جبیں[1] ہے آج

ہر لغزشِ قدم سے چھلکتے ہیں زمزمے
ہر جنبشِ نگاہ سرود آفریں ہے آج

شوخی سے ہمکنار ہے چشمِ حیا پرست
تمکیں سے بے خبر نگہِ شرمگیں ہے آج

ہر شے پہ آسماں سے برستی ہیں رونقیں
ہر ذرہ کائنات کا اک نازنیں ہے آج

جس جام زر کو چومیے لعل شکر فروش
[illegible] مغبچے کو دیکھیے زہرا جبیں ہے آج

چھپ چھپ کے پینے والوں کو ملتا نہیں ہے بار
مرمر کے جینے والوں کی پرسش نہیں ہے آج

[1] میں نے اسی طرح [illegible]

پھیلی ہوئی ہے عرش سے تا فرش چاندنی
نیلم ہے آسمان، زمرد زمیں ہے آج

قند و شکر میں غرق ہیں کام و دہن تمام
خُم میں شرابِ تلخ نہیں انگبیں ہے آج

ساقی کی لے میں بربطِ داؤد کا ہے سوز
صہبا کی بو میں نکہتِ خلدِ بریں ہے آج

ساغر سے رنگِ عارضِ سلمیٰ ہے آشکار؟
مینا میں حُسنِ لیلیٰ محمل نشیں ہے آج

ساقی پر اس بلا کی پھبن ہے کہ الاماں
قربان اک نگاہ پہ دنیا و دیں ہے آج

چھائی ہوئی ہے ارض و سما پر وہ بیخودی
تو یہ کہے کہ ہوش میں دنیا نہیں ہے آج

کیوں موجِ بادہ ہو نہ ثریا سے بھی بلند
پائے سُبو پہ جوشِ سخن آفریں ہے آج

☆☆

آج کی رات

دیدنی ہے مری محفل کا سماں آج کی رات
موجِ صہبا میں ہے رقصِ دو جہاں آج کی رات

تل گیا ہے کوئی اس طرح گل افشانی پر
ذرّے ذرّے پہ ہے جنت کا گماں آج کی رات

قابلِ دید ہے بکھرے ہوئے پھولوں کی بہار
ہر شکن فرش کی ہے کاہکشاں آج کی رات

ایک موہوم سا نقطہ ہے جہاں ارض و سما
ایسا اک دائرہ ہے رطلِ گراں آج کی رات

اثرِ مے سے ہے پگھلا ہوا سونا گویا
عرق آلودہ رُخِ سیمبراں آج کی رات

پرتوِ بادۂ روشن سے ہے بے گرد و غبار
اُفقِ عربدۂ زہرہ و شاں آج کی رات

قابلِ ظلم نہیں فطرتِ خوباں اس وقت
قادرِ جور نہیں طبعِ بُتاں آج کی رات

شمع ہے قائلِ پروانۂ آشفتہ مزاج
حُسن ہے مائلِ صاحب نظراں آج کی رات

آبِ حیواں کا نہ کر ذکر کہ حاصل ہے مجھے
دولتِ قربِ مسیحا نفساں آج کی رات

جوئے کہسار کے مانند گزر عالم سے
یہ ہے فرمانِ جہانِ گزراں آج کی رات

اُف ری ساحل پہ غزلہائے رواں کی ہلچل
اک تلاطم ہے سرِ آبِ رواں آج کی رات

غلغلہ ساز کا ہے، دیرِ مغاں سے لے کر
تا بہ خلوت گہہ حورانِ جناں آج کی رات

جیسے بھیگی ہوئی زلفوں کی مہک عود آمیز
نفسِ شام ہے یوں مشک فشاں آج کی رات

خادمانِ درِ ساقی کے سروں پر کج ہے
کُلہِ خواجگیِ کون و مکاں آج کی رات

حلقہ باندھے ہوئے میخوار ہیں سرگرمِ طواف
جوش ہے قبلۂ رندانِ جہاں آج کی رات

☆☆

1934

کل رات کو

دیدنی تھا میری محفل کا سماں کل رات کو
مہرباں تھا وہ بت نامہرباں کل رات کو

"ناز" تھا طغرا کشِ دیوانِ آدابِ نیاز
"تیغ" تھی تفسیرِ امن و اماں کل رات کو

چھو رہی تھی دل کو موجِ رنگ تیروں کے عوض
کھنچ رہی تھی ابروؤں کی یوں کماں کل رات کو

لوٹتی تھی کس تکلف سے ہوا کے دوش پر
چاندنی میں کاکلِ عنبر فشاں کل رات کو

اللہ اللہ فرشِ سے نوشی کی اوج اندیشیاں
فرشِ پا انداز تھا کون و مکاں کل رات کو

الاماں ٹھنڈی ہوا کے گدگدانے کی ادا
ہر کلی کو آ رہی تھیں ہچکیاں کل رات کو

مسندِ زرّیں پہ تھے دلبراں کے زمرے
تھے بہ اندازِ ''حدیثِ دیگراں'' کل رات کو

کاکلیں لہرا رہی تھیں روئے عالم تاب پر
سنبلستاں کا تھا گل پر سائباں کل رات کو

پھول تھے غرقِ عرق، پانی ہوئے جاتے تھے جام
سرخ تھیں اُس شوخ کی یوں انگھڑیاں کل رات کو

آ رہی تھی جنبشِ مژگانِ عالم کی صدا
یوں لبِ گل رنگ تھا افسانہ خواں کل رات کو

کیا تلاطم تھا کہ میری کشتیِ اُمید میں
کاکلِ شبرنگ کا تھا بادباں کل رات کو

سامنے تھی جلوہ گاہِ کرسی و لوح و قلم
اک دریچہ بن گیا تھا آسماں کل رات کو

ہر سخن میں گونجتی تھی اسمِ اعظم کی صدا
ہر نفس تھا اک حیاتِ جاوداں کل رات کو

وقت کے ہاتھوں پہ روشن تھیں ابد کی مشعلیں
ایک اک منزل میں تھی عمرِ رواں کل رات کو

وہ ترنم تھا کہ علم و عقل بے ہوتے ہوئے
زیست کی ہی شے تھی اک جنسِ گراں کل رات کو

چاندنی، دریا، شگوفے راگنی، بربط، شراب
پھٹ پڑی تھیں بزم پر رنگینیاں کل رات کو

نرگسِ مخمور و آبِ آتشیں و موجِ گل
ہر طرف تھیں سرخیاں ہی سرخیاں کل رات کو

گردنِ مینا جھکاتے ہی اُبل پڑتے تھے جام
گنگنا اُٹھتا تھا یوں پیرِ مغاں کل رات کو

وجد میں تھی جھلملاتی مشعلوں کی روشنی
رقص میں تھا پرتوِ رطلِ گراں کل رات کو

ناز کرتی جس طرح گردوں پہ جاتی ہے دعا
اُٹھ رہا تھا مشعلوں سے یوں دھواں کل رات کو

محفلِ زہرا میں تھا ہنگامۂ رقص و سرود
آسماں پر بج رہی تھیں چوڑیاں کل رات کو

میں بھی لافانی ہوں مثلِ وجہِ ربِّ ذوالجلال
دل کو ہوتا تھا یہ رہ رہ کر گماں کل رات کو

جوش کے پہلو میں تھیں ارض و سما کی نعمتیں
حیف! اک تو ہی نہ تھا اے رازداں کل رات کو

☆☆

1934

رقاصۂ میکدہ

کل رات کو ساقی نے عجب دھوم مچا دی
آنکھوں میں جو کھینچی ہے وہ صہبا بھی پلا دی

مے ناز کی نزدیک سے چھلکا کے دمِ رقص
بُو دور سے مہکی ہوئی زلفوں کی سنگھا دی

آنے لگیں ہونٹوں پہ تبسم کی جو لہریں
زو کوثر و تسنیم کی آنکھوں میں دکھا دی

سر کیف میں تھوڑا سا جھکا اور اُٹھی آنکھ
گویا درِ مے خانہ کی زنجیر ہلا دی

سینے پہ پڑا سر کے جھکانے سے جو سایہ
اُس سایۂ شکوں نے مری روح جگا دی

سرشار جوانی کی وہ بدمست لگاوٹ
لہجے نے چھپا لی تو نگاہوں نے بتا دی

مستانہ غزل چھیڑ کے بیلا جو اُٹھایا
"قرباں تری آواز کے" زہرا نے صدا دی

نظروں کو کیا شوخیٔ مے نے کبھی آزاد
پلکوں کو حیا نے کبھی زنجیر پنہا دی

آشفتہ مزاجوں کو کبھی ناز سے دیکھا
گستاخ نگاہوں کو کبھی آنکھ دکھا دی

دنیا کا کوئی ساز جسے پا نہیں سکتا
ہونٹوں پہ زباں پھیر کے وہ دُھن بھی سنا دی

انگڑائی جو آئی تو کچھ اس ناز سے دیکھا
آنکھوں نے کیا شکر، تمنا نے دعا دی

المختصر آنکھوں میں مری ڈال کے آنکھیں
معلوم نہیں آگ لگا دی کہ بجھا دی

کیا بات ہے اے جوش ترے مست قلم کی
تو نے تو شبِ قدر نگاہوں سے گرا دی

☆☆

1927

جشنِ نو

پھر طرزِ نو سے زینتِ صحنِ چمن ہے آج
گلشن میں کج کلاہِ گل و یاسمن ہے آج

پھر جامِ زر میں جمع ہے صہبا و نورِ ماہ
پھر اتصال و جلوۂ گنگ و جمن ہے آج

پھر اہلِ دل کے عقدہ کشائی کے شوق میں
سرگرمِ ناز زلفِ شکن در شکن ہے آج

پھر عکسِ زلفِ یار ہے قلبِ فگار پر
پھر ابر تیرہ صدر نشینِ چمن ہے آج

پھر بوستاں میں طرۂ طرفِ کلاہِ دوست
وجہِ فروغِ افسرِ سرو و سمن ہے آج

پھر خدمتِ نیاز پہ مائل ہے روحِ ناز
پھر زانوئے صنم پہ سرِ برہمن ہے آج

لرزاں تھی جس کے وعدۂ فردا سے زندگی
پہلو میں پھر وہ شعلۂ پیماں شکن ہے آج

زخمِ نگاہِ بد سے بچائے رہے خدا
دیکھو تو کوئی جوش پہ کیا بانکپن ہے آج

☆☆

1925

ایک تمنا

عہدِ گل ہو اور ہجومِ ساقیانِ سیم ساق
ایسی اک گردش بھی ہاں اے گنبدِ فیروزہ طاق

یوں بساطِ عیش پر ہو چنگ و بربط کا خروش
لحن میں تبدیل ہوجائے فغانِ اشتیاق

اپنے اپنے طرز میں ہو ہر شریکِ بادہ فرد
اپنے اپنے رنگ میں ہو ہر حریفِ کیف طاق

راگ کے شعلوں سے دنیا کو بنادیں یوں رقیق
زاہدوں کے آہنیں سینوں میں گُھل جائے نفاق

جراتِ رندانہ و جوشِ جنوں ہو، صدرِ بزم
رکھ دیا جائے خرد کا آئینہ بالائے طاق

جھوم کر چھا جائیں مستی کی گھٹائیں روح پر
کیسی دنیا بلکہ خود عقبیٰ کو بھی دے دیں طلاق

گائیں، ناچیں، لڑکھڑائیں، گنگنائیں، تال دیں
دلبرانِ شوخ و شیریں مہوشانِ چست و چاق

کاکلِ برہم سے مہکے سینۂ موجِ صبا
قلقلِ مینا سے گونجے گنبدِ نیلی رواق

خرمنِ حکمت جلا دے مطربوں کی برق سے
صولتِ عصمت مٹا دے میکشوں کا طمطراق

جیسے ہلکی نیند میں پانی برسنے کی صدا
یاد آئے وصل میں یوں گریۂ شامِ فراق

ایک شب کے واسطے جنت بنا لوں دہر کو
مہرباں ہو جائیں کاش اے جوشؔ بخت و اتفاق

☆☆

1930

دعوتِ ناؤنوش

اُٹھ کہ اے ساقی بدل دیں راہ و رسمِ کفر و دیں
یہ گھٹائیں اور پھر تقویٰ! نہیں ہرگز نہیں

آ، کہ پھر لرزاں ہے کوئل کی صدا سے آسماں
اُٹھ، کہ پھر رقصاں ہے ابر و باد سے صحنِ زمیں

آ، کہ پھر دریا میں مچلے پر تو روئے صبیح
اُٹھ، کہ پھر ساغر میں کھیلے عکسِ زلفِ عنبریں

کوکتا ہے پھر پپیہا، جھومتی ہے پھر گھٹا
توڑ دے مہرِ خموشی، کھول دے چینِ جبیں

محوِ عشرت ہو بہ فرمانِ شبابِ عشوہ کار
گرمِ جلوت ہو بہ زعمِ زاہدِ خلوت نشیں

آ پلا اپنے گدا کو آج ساقی، یوں شراب
آسماں ہو جائے قابو میں، زمیں زیرِ نگیں

توبہ توبہ فصلِ گل میں اور میں توبہ کروں!
میں کوئی کافر نہیں، الحمد ربّ العالمیں

اس بھری برسات میں طوفان بن کر مے پلا
کھول دے پُر پیچ و خم زُلفیں اُلٹ دے آستیں

تند جھونکے تیز بارش، مست بادل، سرخ جام
آج اے ساقی! زمانہ ہوش میں گویا نہیں

فرصتِ عشرت غنیمت ہے، خدارا ہوشیار
زندگی ہے تیغ بردست و کفن در آستیں

ناز کر اے یار اپنی دلبری پر ناز کر
جوش سا مغرور ہے تیرا غلامِ کمتریں

☆☆

1924

پیامِ کیف

علی الصباح کہ موجِ صبا تھی عنبر بیز
سمندِ فکر کو رقصِ نسیم تھا مہمیز

کھلا رہی تھی شگوفے صبا کی گرمیٔ ناز
تپا رہی تھی گلوں کو نمو کی آتشِ تیز

سماں تھا وادیٔ و کہسار کا نشاط افروز
ادا تھی سرو و گل و یاسمن کی ولولہ خیز

دل و دماغ پہ چھایا ہوا تھا کیفِ سحر
کہ لائی موجِ صبا یہ پیامِ کیف آمیز

تجھے خبر بھی ہے اے نو اسیر کاکُلِ دہر!
کہ ہر نفس ہے یہاں اک طلسمِ حیرت خیز

نظر کی ہے غلطی تختِ قیصر و جمشید
سراب کی ہے چمک تاجِ نادر و پرویز

زمینِ حرص پہ رکھیو ذرا سنبھل کے قدم
کہ اس زمیں پہ ہے خوابیدہ فتنۂ چنگیز

مذاقِ زہد بھی ناقص کہ شیخ کی ہے بساط
رکوعِ کینہ سرشت و سجود مکر آمیز

شرابِ ناز طلب کر کہ تجھ پہ کھل جائے
کہ آسماں گہر افشاں، زمیں ہے نکہت بیز

اُنڈیل ساغرِ زرّیں میں آتشِ سیال
جو چاہتا ہے کہ ہو بزمِ شادمانی تیز

وہ انجمن ہے حریفانِ بادہ پیما کی
جہاں دوا سے ہے نفرت دعا سے ہے پرہیز

وہ سر زمینِ ابد ہے دیارِ مے نوشی
جہاں ہے وقت سے ہر اک لمحہ گرم ستیز

وہ آستاں ہے شبستانِ بادہ خواری کا
جہاں نمود میں ہے بہم صبح رستا خیز

کسے نصیب یہ دو نعمتیں زمانے میں
شراب کہنہ و گل بانگِ ساقیٔ نو خیز

فدائے دامنِ صد چاک مے گساراں باد
"ہزار جامۂ تقویٰ و خرقۂ پرہیز"
(حافظ)

1926

جواب اس شب کا دنیا میں نہیں ہے

جواب اِس شب کا دنیا میں نہیں ہے
مرے پہلو میں پھر وہ نازنیں ہے

فضا پر کھیلتی ہے نوجوانی
ہوا میں مستیٔ وجد آفریں ہے

تنک فانوس میں طرار شعلہ
بہ رنگِ یوسفِ زنداں گزیں ہے

گلابی میں شرابِ ارغوانی
بہ نازِ لیلیٰ محمل نشیں ہے

معاذ اللہ یہ رنگیں فضائیں
نہیں، دنیا نہیں، خلدِ بریں ہے

جنوں انگیز کاکل کی درازی
شکستِ زہد کو تہہ آستیں ہے

قریبِ شام جیسے غنچۂ گُل
گلابی یوں وہ چشمِ سرگیں ہے

دَورِ کیف میں احساسِ مستی
گماں سا ہے، گماں میں کچھ یقیں ہے

دمک اُس رُخ پہ کچھ ایسی ہے گویا
زمانے کی صباحِ اوّلیں ہے

نہاں ظلمات میں ہے آبِ حیواں
سیہ کاکل کے سائے میں جبیں ہے

مری نظروں کے آگے سرخوشی میں
حجابِ زندگی باقی نہیں ہے

عیاں ہے جوہرِ بالائے گردوں
نمایاں دولتِ زیرِ زمیں ہے

خدا کے واسطے خاموش زاہد
ترے لب پر پُناں ہے اور چنیں ہے

وہاں قہرِ خدا کا ذکر کیا خوب!
جہاں قہرِ خدا مہرِ آفریں ہے

وہاں ارض و سماں کی شرح و تفسیر!
جہاں ارض و سما زیرِ نگیں ہے

وہاں اور موت کی تشریحِ پُر ہول!
جہاں موت اک کنیزِ کمتریں ہے

یہاں وہ موت ہے اک وہمِ باطل
تجھے جس موت کا حق الیقیں ہے

خدا تیرے تخیل میں ہے "قہار"
بشر یاں "رحمتہ اللعالمیں" ہے

یہاں "قہار" بن جاتا ہے "رحمٰن"
کہ یہ رندی ہے درویشی نہیں ہے

یہاں ہر بوند میں ہے موجِ کوثر
یہاں پہ فرش پہ عرشِ بریں ہے

یہاں ہر سانس ہے اک سیلِ الہام
یہاں ہر نقش، اک نقشِ نگیں ہے

یہاں کی شورشوں میں ہے ترنم
یہاں کی تلخیوں میں انگبیں ہے

یہاں ہر قہقہہ ہے لحنِ داؤد
یہاں ہر زمزمہ روح الامیں ہے

یہاں ہر سنگ ہے لعلِ بدخشاں
یہاں ہر خار برگِ یاسمیں ہے

یہاں کونین ہے اک موجِ صہبا
یہاں ارض و سما اک ساتگیں ہے

یہاں ہر مطربِ حسن و جوانی
یکے از انبیائے مرسلیں ہے

یہاں ہر قلقلہ ہے خالقِ جاں
یہاں ہر دلولہ دہر آفریں ہے

تری دنیا ہے زشت و خوب میں گم
مری سرحد ورائے کفر و دیں ہے

مجھے ہر کلیہ ہے ظن و تخمیں
تجھے ہر واہمہ حق الیقیں ہے

ترا سر ہے شریعت کے قدم پر
یہاں پائے مشیت پر جبیں ہے

مرا پیمانہ ہے یزداں در آغوش
ترا احرام بت در آستیں ہے

زروئے نصِ قرآں نفع مے سے
تجھے انکار کی جرأت نہیں ہے

ارے او ظلمتِ عصیاں کے منکر!
"گناہوں" پر مرے کیوں خشمگیں ہے

خلافت ارض کی بخشی ہے جس نے
وہ آدم کا گناہِ اوّلیں ہے

ذرا تو دیکھ اس حسنِ جواں کو
کمر پر موجِ زلفِ عنبریں ہے

نظر میں ہے فروغِ لالہ و گل
تری آنکھوں میں بینائی نہیں ہے

تحمّل میں ہے اک شانِ تجسم
تبسم ہے کہ موجِ انگبیں ہے

تکلم میں ہے تمکینِ خموشی
خموشی ہے کہ لحنِ دلنشیں ہے

تخاطب میں ہے اندازِ تغافل
تغافل ہے کہ چشمِ دور بیں ہے

معاذ اللہ یہ الھڑ بادہ نوشی
کہیں چادر ہے اور کاکل کہیں ہے

بہکتی، گنگناتی، لڑکھڑاتی
جوانی ہوش میں گویا نہیں ہے

صدا یہ دے رہا ہے طور سے کون؟
کوئی کہہ دو مجھے فرصت نہیں ہے!

☆☆

1932

صبحِ میکدہ

میخانے کو صبح جا کے دیکھا
عالم تھا سکوتِ خواب کا سا

ہلکی سی وہ روشنی گلابی
کہتی تھی کہاں گئے شرابی

تھیں فرش پہ سلوٹیں سی ہر سو
زانو سے ملے تھے شب کو زانو

پیدا تھا سکوت سے ترانہ
تھی فرش کی ہر شکن فسانہ

شیشوں سے جو مے چھلک گئی تھی
رودادِ نشاط کہہ رہی تھی

کچھ نقشِ قدم جہاں بنے تھے
سجدوں کے وہیں نشاں بنے تھے

حجروں کی ہوا بسی ہوئی تھی
خوشبو سے نئی جوانیوں کی

آتی تھی قُرشیوں سے ہر بار
رقاصہ کے گھنگروؤں کی جھنکار

شیشوں کے خطوط میں بصد ناز
غلطیدہ تھی ہاؤ ہو کی آواز

گنبد میں تھی محو پر فشانی
اربابِ نظر کی شعر خوانی

پردوں میں مچلتی تھیں زبانیں
پھولوں میں بھری تھیں داستانیں

لہریں سی ہوا میں لے رہے تھے
ملبوس حریر و پرنیاں کے

ہالائے ہوا بنے ہوئے تھے
دزدیدہ نگاہیوں کے جادے

غنچے سے فضا میں کھل رہے تھے
نظروں کے خطوط مل رہے تھے

وہ حجلۂ کیف جس میں شب بھر
تھا مطرب و مے سے ایک محشر

ہنستا ہی تھا اور نہ رو رہا تھا
جاگا ہوا شب کا سو رہا تھا

نغمے کر چھیڑے رہے تھے شب بھر
آسودہ تھے بام و در کے اندر

حجرے میں تھی رات یوں سمائی
جاذب میں ہو جیسے روشنائی

یوں جذب کیے ہوئے تھے ذرّات
انفاس و تجسم و خیالات

ذرّوں کو کوئی فشار اگر دے
پھر منعقد ایک بزم کر دے

☆☆

1926

ھو

نہ میکشوں کا وہ گلشن رہا نہ لالہ رہا
نہ زاہدوں کا وہ زہدِ ہزار سالہ رہا

نہ کوئی دفترِ آداب کا رہا نسخہ
نہ کوئی مصحفِ انداز کا رسالہ رہا

نہ سوز و ساز کا قائم رہا مقولہ کوئی
نہ علم و عقل کا باقی کوئی مقالہ رہا

نہ اہلِ عیش کے وہ دلفریب لحن رہے
نہ اہلِ درد کا وہ جاں گداز نالہ رہا

حریمِ کیف میں تاریخ رفتگاں بن کر
رہا تو حضرتِ ساقی کا اک پیالہ رہا

☆☆

تاثرات

پروگرام

اے شخص! اگر جوشؔ کو تو ڈھونڈنا چاہے
وہ پچھلے پہر حلقۂ عرفاں میں ملے گا

اور صبح کو وہ ناظرِ نظارۂ قدرت
طرفِ چمن و صحنِ بیاباں میں ملے گا

اور دن کو وہ سرگشتۂ اسرار معانی
شہرِ ہنر و کوئے ادیباں میں ملے گا

اور شام کو وہ مردِ خدا، رندِ خرابات
رحمت کدۂ بادہ فروشاں میں ملے گا

اور رات کو وہ خلوتیِ کاکل و رخسار
بزمِ طرب و کوچۂ خوباں میں ملے گا

اور ہوگا کوئی جبر، تو وہ بندۂ مجبور
مردے کی طرح کلبۂ احزاں میں ملے گا

☆☆

1933

وقتِ مروّت

علی الصباح کہ تھی کائنات سر بہ سجود
فلک پہ شورِ اذاں تھا، زمیں پہ بانگِ درود

بہارِ شبنم آسودہ تھی کہ روحِ خلیل
فروغِ لالہ و گل تھا کہ آتشِ نمرود

جلا رہی تھی ہوا، بزمِ جاں میں شمعِ طرب
مٹا رہی تھی صبا، لوحِ دل سے نقشِ جمود

گلوں کے رنگ میں تھی شانِ خندۂ یوسف
کلی کے ساز میں تھا لطفِ نغمۂ داؤد

ہر اک جبیں پہ درخشاں تھا نیرِ اقبال
ہر ایک فرق پہ تاباں تھا طالعِ مسعود

فضائے چرخ میں دوڑی ہوئی روحِ ظہور
بساطِ خاک پہ چھایا ہوا تھا رنگِ نمود

حسین، خواب سے چونکے تھے رسمسائے ہوئے
مچل رہی تھی ہواؤں میں بوئے عنبر و عود

یہ رنگ دیکھ کر آیا مجھے خیالِ نماز
مری نماز کہ ہے شاہد و شراب و سرود

مری نماز کہ ہے نغمۂ ھوالباقی
مری نماز کہ ہے نعرۂ ھو الموجود

مری نماز کہ ہے عشق ناظر و منظور
مری نماز کہ ہے حبِّ شاہد و مشہود

مری نماز کہ ہے ایک سازِ لافانی
مری نماز کہ ہے ایک سوزِ لامحدود

مری نماز کہ ہے دیدِ روئے ناشستہ
مری نماز کہ ہے طوفِ حسنِ خواب آلود

مری نماز ''نظر'' شیخ کی نماز ''الفاظ''
یہاں چراغ، وہاں صرف شمعِ کشتہ کا دُود

یہاں ہے رشتۂ انفاس میں ترنمِ دوست
وہاں ہے دانۂ تسبیح پر مدارِ درُود

وہاں کشاکشِ اغراض سے غمِ کم و کیف
یہاں لطافتِ احساس سے زیاں ہے نہ سود

فغاں کہ ''جنبشِ اعضا'' وہاں اساسِ نماز
خوشا کہ لرزشِ دل ہے یہاں قیام و قعود

کسی مقام پہ حاصل نہیں قرار مجھے
سحر کو ہوں جو برہمن تو شام کو محمود

غرض کہ آتے ہی وقتِ سحر خیالِ نماز
جبیں تھی پائے صنم پر زباں پہ ''یامعبود''

تمام رازِ نہاں کھل گئے مرے دل پر
زتکیہ گاہِ عدم، تابہ کار گاہِ وجود

سرِ نیاز سے ظاہر ہوا تبسم ناز
بطونِ خاک سے پیدا ہوا دُرِ مقصود

اُٹھا کے پھر سرِ پرشوق پائے جاناں سے
کہا یہ میں نے کہ اے سروِ بوستانِ وجود

'بیا، بیا، کہ ترا تنگ در کنار کشم"
زبوسہ شہد کنم بر لب شکر آلود"

مرے لبوں کو بھی دے رخصتِ ترانۂ حمد
ہر ایک ذرّہ ہے اس وقت آشنائے درود

یہ سن کے شرم سے کوئی جواب بن نہ پڑا
جھکی نگاہ ، جبیں ہوگئی عرق آلود

حیا نے بڑھ کے پکارا یہ "کاوشیں بیکار"
نظر نے جھک کے صدا دی یہ "کاوشیں بے سود"

"دہانِ یار کہ درمانِ دردِ حافظ داشت
فغاں کہ وقتِ مروّت چہ تنگ حوصلہ بود"

☆☆

1929

نوجوانی کے مزے

یاد ہیں اب تک وہ عہدِ نوجوانی کے مزے
نوجوانی کے مزے کیا؟ زندگانی کے مزے

وصل کی بادِ خنک میں ہجر کے طوفان میں
کامرانی کے مزے ناکامرانی کے مزے

بسترِ حرماں پہ خونی کروٹوں کے ساتھ ساتھ
غم کی راتوں میں بلائے آسمانی کے مزے

بادلوں سے جھوم کر سرشار ساغر چوم کر
جلوہ گاہِ رنگ و بو میں شعر خوانی کے مزے

موجِ بربط، موجِ گل، موجِ صبا کے سامنے
جامِ زرّیں و شرابِ ارغوانی کے مزے

صبح کی چاندی میں شاخوں کے مچلنے کا سرور
شام کے سونے میں لہروں کی روانی کے مزے

روز اک اندازِ نو سے باہزاراں طمطراق!
حلقۂ احباب میں جادو بیانی کے مزے

مست راتوں میں بہ فیضِ ارتباطِ حسن و عشق
میہمانی کے مزوں میں میزبانی کے مزے

بارہا آ آ کے زیرِ سایۂ شمشیرِ یاس
شعلہ پرور ولولوں کی سخت جانی کے مزے

روٹھنے اور روٹھ کے منّے کے دورِ ناز میں
مہربانی کے مزے نامہربانی کے مزے

صحبتِ ہمراز میں مکتوبِ رنگیں کی بہار
گوشۂ خلوت میں پیغامِ زبانی کے مزے

کسنی کی خوابگاہوں میں بہرِ تکمیلِ شوق
جرعہ جرعہ پی کے مے افسانہ خوانی کے مزے

بارگاہِ دلبری میں گاہ فرطِ رعب سے
نقش بر دیوار ہو کر بے زبانی کے مزے

گاہ حرف صوت کی تنگی سے بچنے کے لیے
جنبشِ مژگاں میں دل کی ترجمانی کے مزے

پھول سے سر رکھ کے اکثر زانوئے پُرشوق پر
گلرخوں کی نیند کی ماتی جوانی کے مزے

جلوۂ صہبا کی رنگینی بھری برسات میں
آگ کی موجِ رواں کے ساتھ پانی کے مزے

خاکِ راہِ دوست میں اکسیر کی سی شوخیاں
نقشِ پائے یار میں تاجِ کیانی کے مزے

پہلوئے جاناں کی شیریں گرمیوں سے گاہ گاہ
عمرِ فانی میں حیاتِ جاودانی کے مزے

لرزشِ صہبا میں لہجے کا ترنم تول کر
قاشِ خوباں نطق کی گوہر فشانی کے مزے

بدگمانی کے محل پر حسنِ ظن کے ولولے
حسنِ ظن کے ولولوں میں بدگمانی کے مزے

التفاتِ یار کے دورِ طرب آہنگ میں
ہر قدم پر جوشِ مرگِ ناگہانی کے مزے

☆☆

1930

جوانی

کیا شرح کروں جوش جب آتی ہے جوانی
سینے میں عجب دھوم مچاتی ہے جوانی
اک آگ سی پہلو میں لگاتی ہے جوانی
اُس آگ میں پھر دل کو تپاتی ہے جوانی

یوں خاک کو اکسیر بناتی ہے جوانی

اللہ رے جذب و کششِ نرگسِ زیبا
احساس میں آتا ہے وہ طوفان کہ توبہ
پہلو میں کچھ اس طرح مچلتی ہے تمنا
آغوش میں بے جائے ہوئے بن نہیں پاتا

پہلو میں حسینوں کے بٹھاتی ہے جوانی

ہر روز قیامت کے نظر آتے ہیں ساماں
ہر صبح سناتی ہے حدیثِ رُخِ تاباں
ہر شام دکھاتی ہے خمِ کاکلِ پیچاں
ہر رات کو وا کر کے درِ خانۂ خوباں

اس طرح اشاروں سے بلاتی ہے جوانی

ہر آنکھ میں پلکیں ہیں سنبھالے ہوئے بھالے
اک کھیل ہے جو سامنے آئے وہ لبھا لے
ہر راہ میں معشوق ہیں گورے ہوں کہ کالے
ہر گام پہ موجود ہیں دل چھیننے والے

ہر بام پہ سو طور دکھاتی ہے جوانی

ہر شے پہ عجب حسن ہے کیا دل کو بچائیں
ہر ذرۂ عالم پہ برستی ہیں ادائیں
ہر سنگ سے اصنام کی آتی ہیں صدائیں
الفاظ ہی ملتے نہیں، کیا تجھ کو بتائیں

ہر چیز کو کیا کر کے دکھاتی ہے جوانی

اللہ رے خم کاکل و رنگ لب و رخسار
جو سامنے آیا وہ ہوا دل سے خریدار
زنجیر میں گیسو کی دو عالم ہے گرفتار
صوفی ہو کہ مے نوش گداگر ہو کہ زردار

دیکھو جسے، کھینچے لیے جاتی ہے جوانی

اوروں کا کوئی ناز اٹھاتا ہی نہیں ہے
جز اپنے، کوئی دل میں سماتا ہی نہیں ہے
جلوہ ہو کوئی، رنگ جماتا ہی نہیں ہے
اپنا کوئی ثانی نظر آتا ہی نہیں ہے

اس ناز سے آئینہ دکھاتی ہے جوانی

خوں ریز و دل آرام ہے کمبخت کی چتون
ظالم کی ہر اک آن ہے تمکین کی دشمن
ممکن نہیں جلنے سے بچا لے کوئی دامن
ہم کیا ہیں رسولوں کے سلگ اٹھتے ہیں خرمن

بجلی وہ تبسم سے گراتی ہے جوانی

اللہ ری خواب آوریٔ لحنِ خدا ساز
تاروں کا دریچہ کوئی رہتا ہی نہیں باز
یکسوئی وہ ہوتی ہے کہ آتی ہے بصد ناز
مژگانِ دوعالم کے جھپک جانے کی آواز

جب پچھلے پہر ساز اُٹھاتی ہے جوانی

اللہ ری خوبانِ مجازی کی حکومت
معشوقِ حقیقی کو بھی ہو جاتی ہے حیرت
منہ ڈھانپنے لگتا ہے بہ افراطِ ندامت
پیرانِ کہن سال کا پندارِ عبادت

اصنام کے یوں ناز اُٹھاتی ہے جوانی

ذرّوں میں دمکتے ہیں دُرِ صاعقہ پر در
قطروں سے اُبلتے ہیں شرابوں کے سمندر
خاشاک کے سینے میں جھلکتے ہیں گلِ تر
آئینوں کے اندر نظر آتا ہے سکندر

ہر بت کو خدا کر کے دکھاتی ہے جوانی

ہر خار میں اک پھول ہے، ہر پھول میں رخسار
ہر برگ میں اک رنگ ہے، ہر رنگ میں گلزار
ہر موج میں اک رقص ہے، ہر رقص میں جھنکار
ہر شاخ میں اک لوچ ہے ہر لوچ میں تلوار
تصویر پہ تصویر بناتی ہے جوانی

کیا کفر کی قوت ہے کہ دب جاتا ہے ایمان
اسلام کے سینے میں لرز اٹھتا ہے قرآن
اڑ جاتے ہیں مسجد میں مؤذن کے بھی اوسان
گھبرا کے نکل آتے ہیں کعبے کے نگہبان
یوں دہر کی زنجیر ہلاتی ہے جوانی

☆☆

1937

جوانی کی رات

شب کہ حریمِ ناز میں شورِ صد اضطراب تھا
عشق بھی تھا برہنہ سر حسن بھی بے نقاب تھا

آنکھوں میں روئے یار تھا آنکھیں تھیں روئے یار پر
ذرّہ تھا آفتاب میں ذرّے میں آفتاب تھا

خشک تکلفات کی ٹوٹ چکی تھیں سب حدیں
چشمک بے دریغ تھی خندۂ بے حجاب تھا

حسن کی بزمِ عشوہ میں شمعِ وفا تھی ضوفگن
عشق کی بارگاہ میں زمزمۂ باریاب تھا

سر پہ صراحیاں لیے رقص کناں تھے مغبچے
نرگسِ نیم باز میں رنگِ شرابِ ناب تھا

معرکۂ عظیم تھا ناز میں اور نیاز میں
زلف میں بھی تھی برہمی دل کو بھی پیچ و تاب تھا

موجِ ہوا میں عطر تھا، چھٹکی ہوئی تھی چاندنی
پھول تھے صحنِ باغ میں، چرخ پہ ماہتاب تھا

عشق کی نبضِ تیز میں دوڑ رہی تھیں بجلیاں
حسن کے دستِ ناز میں شعلہ فشاں رباب تھا

پرتوِ یار اس طرف رامش و رنگ اس طرف
چشم بھی فتح مند تھی، گوش بھی کامیاب تھا

درد سے قلب چور تھے کیف سے روح مست تھی
سوز بھی بے نظیر تھا، ساز بھی لاجواب تھا

ہونٹوں کو وقتِ گفتگو چومتی تھی شگفتگی
بات جو تھی، سو پھول تھی، پھول جو تھا گلاب تھا

اور سحر کو ہم نشیں! آنکھ کھلی تو کیا کہوں
طاق میں شمع کشتہ تھی چرخ پہ آفتاب تھا

توبہ شکن گلابیاں، فرش پہ چور چور تھیں
خلد فروش جام زر، شرم سے آب آب تھا

نغمۂ رقص و بے خودی، جلوۂ حُسن و شاعری
شب کو تھا بحرِ بیکراں، وقتِ سحر سراب تھا

بربط و چنگ کی صدا، ایک فسردہ گونج تھی
شمع و شراب کا سماں، ایک پریدہ خواب تھا

گنبدِ قصرِ عیش میں گونج رہی تھی یہ صدا
رات نہ تھی وہ کیف کی، جوشؔ ترا شباب تھا

☆☆

1923

یہ کھلونا؟

یہ کھلونا؟ نہیں مرے معصوم
آگ اس کو سمجھ کے دور سے تاپ
میرے ننھے سے ماہتاب! نہ رو
آ سُلادے تھپک کے مفلس باپ

☆☆

1925

جوانی کے ساز و برگ

کچھ کسک سی دل میں، کچھ آنکھوں میں آنسو آبدار
گاہ دردِ بے نوائی، گاہ کربِ انتظار

ہجر کی کچھ خشمگیں تاریکیوں کا پیچ و تاب
وصل کی کچھ دلنشیں راتوں کا نورِ ماہتاب

چند وقفے خوش دلی کے چند گھڑیاں جبر کی
کچھ تمنائیں شبِ مہتاب روزِ ابر کی

کچھ لگاوٹ، کچھ ستم، کچھ نرمیاں، کچھ گرمیاں
گاہے گاہے چند راتیں مہوشوں کے درمیاں

کچھ دنوں تلخ و زبوں شامِ بلا کی تیرگی
کچھ شبوں میں پھول سے مکھڑوں کی میٹھی چاندنی

کچھ دنوں تک ظلمتِ ہول آفریں گرمِ عتاب
چند لمحے کچھ سنہری کنگنوں کی آب و تاب

گہہ تمناؤں کے انگارے دلِ صد چاک میں
جستجو کی گہہ خراشیں دیدۂ نمناک میں

چند سانسیں ہجر کی چلتی ہوئی تلوار پر
چند نیندیں روح فرسا کروٹوں کی دھار پر

کچھ فراغت کی اُمنگیں، کچھ مسرّت کی نمو
زانوؤں کے چند تکیے کچھ تبسم کے سبو

دو گھڑی کے واسطے احباب سے راز و نیاز
چند لمحوں کے لیے گل رنگ بانہوں کا گداز

چند لمحے بیدلی کے، چند وقفے طیش کے
چند جرعے سرخوشی کے، چند نغمے عیش کے

کچھ دنوں بھیگی ہوئی راتوں کا لطفِ بے قیاس
شکریں باتوں کا رس، شاداب چہروں کی مٹھاس

کچھ تبسم، نرم کلیوں کی طرح کھلتے ہوئے
چند چہرے چودھویں کے چاند سے ملتے ہوئے

ساعدوں کی چند شمعیں، عارضوں کے کچھ گلاب
کچھ رخوں کی سرخیاں کچھ مست آنکھوں کی شراب

کچھ خنک لہجوں کی شبنم، کچھ ترانوں کی پھوار
کچھ لبوں کا شہد، کچھ زلفوں کا عطرِ مشکبار

لطف کے دو ایک دن تفریح کی ایک آدھ رات
اے جوانی! تھی تری لے دے کے اتنی کائنات

پھر بھی وہ تیرا سبک پرواز عہد مختصر
خندہ زن ہے آج تک عمرِ مسیح و خضر پر

وقت کی خونریزیوں پر بڑھ کے پانی پھیر دے
ان دنوں کی ایک ہی شب، اے جوانی پھیر دے

☆☆

1929

نظارۂ ماضی

دیوی ہے سحر کی جلوہ گستر
جھونکے ہیں نسیم کے معطر

خاموش ندی پہ ہے دھواں سا
سبزے پہ دھوپ کا گماں سا

کیا مست ہوائیں آ رہی ہیں
کو کو کی صدائیں آ رہی ہیں

پڑتا ہے اثر نہ جانے کیوں کر
کوئل کی صدا کا حافظے پر

ظالم کی صدا سے دل کے اندر
کھلتا ہے گزشتہ عہد کا در

کیا حال سے جوش دل ہو راضی
پھرتا ہے نظر میں دورِ ماضی

احساس میں کیا رہے توازن
سینے کی گرہ، صدا کا ناخن

ہیں پیشِ نظر قدیم ہمراز
شکلوں میں بدل رہی ہے آواز

راتیں وہ خنک وہ سرد صبحیں
بیدار ہوئیں ہیں میرے دل میں

رگ رگ میں بپا ہے اک تلاطم
ہاں ہاں، یہ انھیں کا ہے تبسم!

آئینۂ شوخی و جوانی
تھا جس پہ مدارِ زندگانی

جس کی آنکھیں تھیں دور ساغر
ہاں ہاں وہی ہے یہ ماہ پیکر

لب پر جو بنی ہوئی ہیں آہیں
یہ تو ہیں اسی کی نرم بانہیں

تانیں یہ سرود کی سُریلی
لہجے میں جھجک یہ کمسنی کی

سامان تھا سب یہ اتفاقی
اب صرف خیال میں ہیں باقی

ان میں ہیں کچھ کہ سو رہے ہیں
کچھ 'شعر' میں صرف ہو رہے ہیں

☆☆

1927

ٹھنڈی انگلیاں

سرد اُنگلی اپنے مفلس باپ کی پکڑے ہوئے
رو رہا ہے ایک بچہ اک دکاں کے سامنے

اک کھلونے کی طرف اُنگلی اُٹھا کر بار بار
کچھ نہیں کہتا ہے لیکن رو رہا ہے زار زار

باپ کی بجھتی ہوئی آنکھوں میں ہے دنیا سیاہ
رُخ پہ گردِ مفلسی ہے جیب خالی پر نگاہ

باپ کی نمناک آنکھوں میں ہے تکمیلِ یاس
کیا قیامت ہے پسر کے آنسوؤں کا انعکاس

دل ہوا جاتا ہے بچے کے بلکنے سے فگار
کہہ رہا ہے زیرِ لب فریاد اے پروردگار

واہ کیا تقدیر ہے اس بندۂ معصوم کی
ہو چلی ہیں انگلیاں ٹھنڈی مرے معصوم کی

☆☆

1925

ایک قدیم سیرگاہ کو دیکھ کر

آ نکلے ہو تو دم بھر ٹھہرو ذرا عزیزو
ہم اس زمیں پہ کیا کیا فتنے جگا چکے ہیں

کیسی یہ جلد بازی، دم بھر تو سوچنے دو
یاں دامنوں کے کیا کیا پرزے اُڑا چکے ہیں

ہاں، یہ وہی ندی ہے جس میں نہا نہا کر
کتنے ہی ساونوں میں طوفاں اُٹھا چکے ہیں

ساحل پہ کرم خوردہ یہ کشتیاں وہی ہیں
جن میں خم و سبو سے دریا بہا چکے ہیں

یہ سبزہ ہے جہاں ہم سوئے ہوؤں کے منہ پر
صہبا چھڑک کر اکثر جگا چکے ہیں

ہاں یہ وہی چمن ہے جس میں فروغِ مے سے
کلیاں سی کمسنوں کے رُخ پر کھلا چکے ہیں

دیکھو یہ سائباں ہے جس سائباں کے نیچے
کیا کیا جوانیوں کی عیدیں منا چکے ہیں

ہاں، اس طرف یہ دیکھو رنگین وادیاں ہیں
ان وادیوں میں کیا کیا دھومیں مچا چکے ہیں

ہاں، جوش یہ مناظر قائم رہیں ابد تک
اس رنگ و بو میں کیا کیا معشوق آ چکے ہیں

☆☆

1933

مفلسوں کی عید

اہلِ دوَل میں دھوم تھی روزِ سعید کی
مفلس کے دل میں تھی نہ کرن بھی اُمید کی
اتنے میں اور چرخ نے مٹی پلید کی
بچے نے مسکرا کے خبر دی جو عید کی
فرطِ محن سے نبض کی رفتار رُک گئی
ماں باپ کی نگاہ اُٹھی اور جھک گئی

آنکھیں جھکیں کہ دستِ تہی پر نظر گئی
بچے کے ولولوں کی دلوں تک خبر گئی
زُلفِ ثبات غم کی ہوا سے بکھر گئی
برچھی سی ایک دل سے جگر تک اُتر گئی
دونوں ہجومِ غم سے ہم آغوش ہو گئے
اِک دوسرے کو دیکھ کے خاموش ہو گئے

☆☆

1932

مختار احمد خاں

اے رفیقِ شفیق، اے مختار
میرے دیرینہ مونس و غمخوار

بذلہ سنج و ظریف و نکتہ شناس
خوش دل و خوش بیان خوش گفتار

اے کہ سودائے عشق تیرا چلن
اے کہ ذوقِ نگاہ تیرا شعار

اے کہ سینے میں تیرے خوابیدہ
میرے طفلی کے ساز کی جھنکار

ہائے وہ "انجمن" کی شامِ طرب
ہائے وہ گومتی کی صبحِ بہار

ہائے "لاٹوش روڈ" کے خم و پیچ
ہائے نخاس کے در و دیوار

ہائے بوٹا سا وہ عزیز کا قد
ہائے کھلتا سا وہ رُخِ دیدار

ہائے وہ "پار" کے رُخ و کاکل
ہائے وہ چوک کے لب و رخسار

ہائے وہ سبزۂ امین آباد
ہائے وہ چار باغ کے انوار

ہائے وہ گل رُخانِ کلکتہ
ہائے وہ مہوشانِ "شالامار"

ہائے وہ بدمذاقیٔ "مُلّا"
ہائے وہ کج ادائیٔ اغیار

ہائے وہ شورشِ رفیع و شرر
ہائے وہ بذلہ سنجیٔ ابرار

ہائے وہ سازِ میرزا و نذیر
ہائے وہ سوزِ عشق و موجِ ستار

ہائے روئے شریف کی سرخی
ہائے نورالحسن کی شانِ وقار

وہ ظفر کا خرامِ بے پروا
وہ عطا کی جبینِ صاعقہ بار

ہائے گم ہو گئے کدھر وہ دن
ہائے کیا ہو گئے وہ لیل و نہار؟

تو مورخ ہے عہدِ ماضی کا
عمرِ رفتہ کا تو فسانہ نگار

325

تجھ میں مضمر مری حکایتِ گُل

تجھ میں پنہاں مری حدیثِ بہار

"تو سلامت رہے ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"

☆☆

1922

مختار! واپس آ

اے سمندر! اے شبِ مہتاب کے آئینہ دار
تیری چوپائی پہ ہر جنبش ہے پیغامِ بہار

سوئے مغرب تیرے سینے پر رواں ہے اک جہاز
عشق کی دنیا میں ہے جو کعبۂ سوز و گداز

آہ اُس میں اک مسافر ہے شہیدِ آرزو
کشتۂ موجِ ہوائے گل ہلاکِ رنگ و بو

اے سمندر! رہتی دنیا تک رہے تو شاد کام
اُس کو لہروں کی زبانی میرا پہنچا دے پیام

رو کے یہ کہنا کہ اے شاعر کے دیرینہ حبیب
اے بلاکش، اے وطن آوارہ، اے حرماں نصیب

اے زمانے کی ہزاروں سختیاں جھیلے ہوئے
اے مرے ہمراز میرے ساتھ کے کھیلے ہوئے

بمبئی تیری زیارت کے لیے آیا تھا میں
دل میں اک دنیا ہجومِ شوق کی لایا تھا میں

ابر غم میں چھپ گئی کشتی ہلالِ عید کی
رہ گئی گھٹ کر مرے دل میں تمنا دید کی

کس طرف لے کر چلا ہے تجھ کو قلبِ ناصبور؟
آہ اے چشم و چراغِ دودمانِ رامپور

تو سوئے لندن رواں ہے بے ندیم و غمگسار
اور کن حالات میں جن کا تصور ناگوار

رونے والے! وہ تری خُلقی ظرافت کیا ہوئی؟
وہ ترے اجداد کی شانِ امارت کیا ہوئی؟

اب تک آویزاں ہیں وہ نقشے دلِ برباد میں
آہ، جب رہتے تھے ہم دونوں ملیح آباد میں

لکھنؤ کی آج بھی وہ رنگ رلیاں دل میں ہیں
پہلے جو زیرِ قدم تھیں اب وہ گلیاں دل میں ہیں

ہائے سیتاپور کی وہ رُوح پرور سر زمیں
ہائے خیرآباد کے وہ مہوشانِ شرمگیں

وہ ہوائیں وہ گھٹائیں وہ فضا کچھ بھی نہیں
اب فقط اک داغِ ماضی کے سوا کچھ بھی نہیں

اے مریضِ دردِ دل اے عاشقِ آشفتہ کار
آہ یہ صدمے تری مجبوریوں کے میں نثار

اُف یہ کیسا پیچ ہے تقدیر کا ڈالا ہوا
یوں نہ محنت کر کہ تو نازوں کا ہے پالا ہوا

گوش بر آواز ہوں تیری صدا کے واسطے
جلد اے مختار واپس آ! خدا کے واسطے

☆☆

1925

الوداع

اے ملیح آباد کے رنگیں گلستاں ، الوداع
الوداع اے سرزمینِ صبحِ خنداں الوداع
الوداع اے کشورِ شعر و شبستاں الوداع
الوداع اے جلوہ گاہِ حسنِ جاناں الوداع

تیرے گھر سے ایک زندہ لاش اُٹھ جانے کو ہے
آ گلے مل لیں کہ آوازِ جرس آنے کو ہے

آ، کلیجے میں تجھے رکھ لوں مرے "قصرِ سحر"
اس کتابِ دل کے ہیں اوراق تیرے بام و در
جا رہا ہوں تجھ میں کیا کیا یادگاریں چھوڑ کر
آہ کتنے طور خوابیدہ ہیں تیرے بام پر

روح ہر شب کو نکل کر میرے جسمِ زار سے
آ کے سر ٹکرائے گی تیرے در و دیوار سے

ہائے کیا کیا نعمتیں مجکو ملی تھیں بے بہا
یہ خموشی، یہ کھلے میدان، یہ ٹھنڈی ہوا
وائے یہ جاں بخش بُستاں، ہائے یہ رنگیں فضا
مر کے بھی ان کو نہ بھولے گا دلِ درد آشنا
مست کوئل جب دکن کی وادیوں میں گائے گی
یہ سبک چھاؤں ببولوں کی بہت یاد آئے گی

کل سے کون اس باغ کو رنگیں بنانے آئے گا
کون پھولوں کی ہنسی پر مسکرانے آئے گا
کون اس سبزے کو سوتے سے جگانے آئے گا
کون ان پودوں کو سینے سے لگانے آئے گا
کون جاگے گا قمر کے ناز اُٹھانے کے لیے
چاندنی راتوں کو زانو پر سلانے کے لیے

آم کے باغوں میں جب برسات ہوگی پُر خروش
میری فرقت میں لہو روئے گی چشمِ مے فروش
رس کی بوندیں جب اُڑا دیں گی گلستانوں کے ہوش
کنجِ رنگیں میں پکاریں گی ہوائیں جوش جوش
سن کے میرا نام، موسم غمزدہ ہو جائے گا
ایک محشر سا گلستاں میں بپا ہو جائے گا

صبح جب اس سمت آئے گی پراگندہ نقاب
آہ کون اس دل کشا میداں میں چھیڑے گا رباب
اِس اُفق پر شب کو جب انگڑائی لے گا ماہتاب
چاندنی کے فرش پر لہرائے گا کس کا شباب
جگمگائے گی چمن میں پنکھڑی کس کے لیے
رنگ برسائے گی ساون کی جھڑی کس کے لیے

گھر سے بے گھر کر رہی ہے آہ فکرِ روزگار
سرنگوں ہے فرطِ غیرت سے اب و جد کا وقار
خلعتِ ماضی ہے جسمِ زندگی پر تار تار
پھر بھی آنکھوں میں ہے آبائی امارت کا خمار
شمع خلوت میں ہے روشن، تیرگی محفل میں ہے
رُخ پہ گردِ بیکسی، شانِ ریاست دل میں ہے

کوچ کا پیغام لے کر آ گیا مہرِ منیر
گھر کا گھر ہے وقفِ ماتم زرد ہیں برنا و پیر
رخصتِ بلبل سے نالاں ہیں چمن کے ہم صفیر
آ رہی ہے کان میں آوازِ گویا و بشیر
چھٹ رہا ہے ہات سے دامن ملیح آباد کا
رنگ فق ہے عزتِ دیرینۂ اجداد کا

کیا بتاؤں دل پھٹا جاتا ہے میرا ہمنشیں
آئیں گے یاں خرمنِ اجداد کے جب خوشہ چیں
آکے دروازے پہ جیسے ہی جھکائیں گے جبیں
گھر کا سناٹا صدا دے گا ''یہاں کوئی نہیں''
جود و بخشش کا کلیجہ غرقِ خوں ہو جائے گا
میرے گھر کا پرچم زر سرنگوں ہو جائے گا

آہ، اے دورِ فلک! تیرا نہیں کچھ اعتبار
مٹ کے رہتی ہے تیرے جورِ خزاں سے ہر بہار
نوعِ انساں کو نہیں تیری ہوائیں سازگار
فکرِ دنیا اور شاعر، تف ہے اے لیل و نہار
موجِ کوثر وقف ہو اور تشنہ کامی کے لیے
خواجگی رختِ سفر باندھے غلامی کے لیے

آ گلے مل لیں، خدا حافظ گلستانِ وطن
اے امانی گنج کے میدان اے جانِ وطن
الوداع اے لالہ زار و سنبلستانِ وطن
السلام اے صحبتِ رنگینِ یارانِ وطن
حشر تک رہنے نہ دینا تم دکن کی خاک میں
دفن کرنا اپنے شاعر کو وطن کی خاک میں

☆☆

1924

غریب الوطن کا پیام

اے چاند! جگمگا کر، مکھڑا دکھانے والے
غرفے سے آسماں کے اے مسکرانے والے

عالم کی کیا حقیقت تیرے سفر کے آگے
اس وقت اک جہاں ہے تیری نظر کے آگے

جکڑا ہوا پڑا ہوں زنجیر سے دکن کی
سینے میں آرزو ہے بچھڑے ہوئے وطن کی

کس زندگی کی دھن میں پیہم رواں دواں ہیں
جو ساتھ کھیلتے تھے وہ لوگ اب کہاں ہیں

شاداب تو ہیں میرے بچپن کی سیر گاہیں؟
اب ڈھونڈتی ہیں جن کو ترسی ہوئی نگاہیں

اچھی تو ہیں پروں کو دھن میں جھٹکنے والی
دیوار پہ وہ آکر چڑیاں چہکنے والی

چھائی ہیں میرے دل پہ کیوں بدلیاں محن کی ؟
مجروح تو نہیں ہیں صبحیں مرے وطن کی ؟

میداں تو میرے غم میں کھویا ہوا نہیں ہے؟
"قصرِ سحر" کا منہ تو اترا ہوا نہیں ہے

محفوظ تو ہیں اب تک طوفاں کارواں سے
ترشی ہوئی وہ راہیں کھیتوں کے درمیاں سے ؟

کیا اب بھی جھومتی ہیں کرتی ہوئی اشارے
پتلی سبک ہرولیں تالاب کے کنارے

بدلی میں گونجتے ہیں آموں کے باغ اب بھی
جلتے ہیں جنگلوں میں دھندلے چراغ اب بھی

اے چاند جب ستارے گردوں پہ جھلملائیں
جب قدرتی مناظر صحرا میں مسکرائیں

تاروں کی کشمکش میں جب چاندنی ہو پھیکی
چادر سرک گئی ہو ماتھے سے جب کسی کی

بے داغ جب زمیں ہو اور آسمان کورا
جب سینۂ اُفق پر غلطاں ہو سرخ ڈورا

مغموم جھاڑیوں سے میرا سلام کہنا
آنکھوں میں اشک بھر کر پھر یہ پیام کہنا

کیوں میرا سوزِ فرقت تم کو جلا رہا ہے؟
کیوں مضطرب ہو؟ ٹھہرو وہ دن بھی آ رہا ہے

جس دن دھڑکنے والے دل کو قرار ہو گا
سائے میں جب تمھارے میرا مزار ہوگا

☆☆

1925

دردانگیز کھلونا

ہاں یہی ہے وہ کھلونا اے دلِ آشفتہ حال
کھیلتا پھرتا ہے جس سے ایک طفلِ خورد سال

ہاں یہی ہے وہ کھلونا دیکھ چشمِ اشکبار
جس کی حسرت میں مرے بچے کا دل ہے بیقرار

اس کھلونے کی سبک گل کاریوں کے درمیاں
ثبت ہیں اک تیرہ قسمت باپ کی محرومیاں

اس کا آب و رنگ ہے آئینۂ عبرت فزا
یہ مگر رنگِ پریدہ ہے کسی مایوس کا

اس کے آئینوں میں ٹکڑے ہیں دلِ محروم کے
اس کی تابانی میں آنسو ہیں کسی معصوم کے

اس میں غلطاں ہے کسی بچے کا شوقِ مضمحل
اس کے سینے میں دھڑکتا ہے کوئی ننھا سا دل

کھیل دولت مند بچے! تو سدا پھولے پھلے
ہم ادھر ہنستے ہوئے آئے تھے اور روتے چلے

☆☆

1925

انگیٹھی

بچپن کی اے اُداس انگیٹھی! خدا گواہ
کیا کہیے تجھ پر آج پڑی کس طرح نگاہ

تو اور خاکِ سرد پہ یوں مثلِ سوگوار!
افسوس اے زمانۂ طفلی کی یادگار

میری ہی طرح کیا ترا پہلو بھی سرد ہے؟
کیا تیرے آئینے پہ بھی ماضی کی گرد ہے؟

افسوس وہ نشاط کے موسم وہ زمزمے
جاڑوں کی دلفریب وہ راتیں وہ چہچہے

شعلوں سے تیرے ہائے وہ اُٹھتا ہوا دھواں
وہ قہقہوں کی گونج وہ شیریں پہیلیاں

خوشبو وہ تیری آنچ کی ، جاں بخش و دل نواز
وہ تیرگی میں رنگ ترا، دل میں جیسے راز

شعلے وہ سرخ سرخ دلوں میں تلے ہوئے
وہ سرخیوں میں نرم تبسّم کھلے ہوئے

شعلوں کے بار بار وہ اندازِ دل نشیں
دم بھر میں زر نگار تو دم بھر میں سُرمگیں

ڈوبی ہوئی حیات میں تیری وہ گرمیاں
وہ گرمیوں میں لطف کے قصوں کی نرمیاں

وہ سادگی کی بزم میں بجتے ہوئے ستار
کلیوں کا کونلوں کی چٹکنا وہ بار بار

وہ شگفتگی کا عہد وہ گل باریاں تری
اڑتی ہوئی ہوا میں وہ چنگاریاں تری

وہ ترم نرم جسم، وہ تیری حرارتیں
وہ ذمے واریوں سے معرّا شرارتیں

وہ چھوکرے ادب سے دروں میں کھڑے ہوئے
دایاؤں کے سروں پہ وہ آنچل پڑے ہوئے

ماماؤں کی صفوں میں، وہ مغلانیوں کی شان
رکھا ہوا وہ تخت پہ چاندی کا پاندان

وہ تیرے گرد و پیش، بصد شانِ افتخار
آواز پاندان کے کھلنے کی بار بار

شایانِ آفریں وہ خواتین کا شعار
شوخی کے رنگ میں بھی وہ اک نوع کا وقار

وہ ہیکلیں گلوں میں لبوں پہ وہ لالیاں
ہلتی ہوئی وہ کانوں میں سونے کی بالیاں

وہ لونڈیوں کے رُخ پہ نشاں خاک دھول کے
جوڑے وہ اونچے اونچے وہ موباف ڈول کے

وہ مرد و زن لحافوں کے اندر گھسے ہوئے
رعب آفریں دروں میں وہ پردے چھٹے ہوئے

وہ نچلے بیٹھنے سے طبیعت کا انتشار
پہلو رضائیوں میں بدلنا وہ بار بار

ہلکی رضائیوں کی وہ افسانہ باریاں
اطلس کی سرخ گوٹ پہ وہ سرخ دھاریاں

وہ ایک بادشاہ کی بیٹی کا ذکرِ خیر
وہ ولولے جنوں کے وہ پریوں کا شوقِ سیر

وہ مرحمت میں غرق بڑی بوڑھیوں کی ذات
وہ کاٹنا ذلی کا کہانی کے ساتھ ساتھ

وہ اک عجیب شانِ طرب سے ملی ہوئی
شیریں حکایتوں میں سروتوں کی راگنی

کیوں اب بھی یاد ہیں وہ لڑکپن کے زمزمے
اے شمعِ خوابگاہِ فراغت جواب دے

جن کو بھلا رہی ہیں ہماری جوانیاں
اب اُن میں تجھکو یاد ہیں کتنی کہانیاں؟
☆☆

1928

اُترے ہوئے چہرے

آہ وہ لوگ کہ تھے میرے لڑکپن میں ظریف
جن کو ہنسنے کے سوا اور کوئی کام نہ تھا

میرے آبا کی لگاتار نوازش کے طفیل
رنگ رلیوں ہی میں کٹتا تھا زمانہ جن کا

اُن کے بعد اب ہیں کچھ اس درجہ ملول و غمناک
کہ اُنھیں دیکھ کے پھٹتا ہے کلیجہ میرا

میرا افلاس ملاتا نہیں اب اُن سے نگاہ
میرے اجداد کی دولت کا تھا جن پر سایا

جس سے رہتی تھی شریفوں کے خط و خال میں آب
کیا ہوا دورِ فلک! وہ مرے گھر کا نقشا

دیکھتی کاش جوانی بھی مری شاد اُنھیں
مست تھا جن کے طفیلوں سے لڑکپن میرا

دستِ خالی کی طرف دیکھ کے رہ جاتا ہوں
اُن کا چہرہ نظر آتا ہے جب اُترا اُترا

آہ اُن میں سے ہر اُترا ہوا چہرہ اے جوشؔ
مقبرہ ہے مرے اجداد کی فیاضی کا

فرطِ غم سے قدم اُٹھتے نہیں بڑھنے کے لیے
کتنی قبریں ہیں یہاں فاتحہ پڑھنے کے لیے

☆☆

1930

ماں جائے کی یاد

میں دیس میں تم وطن سے باہر
اے بھائی! بہن نثار تم پر

انگنائی میں ہو رہا ہے غو غا
ساون کی رُت، ہوا ہے پُروا

سائے میں گرجتی بدلیوں کے
استادہ ہیں دو شریر بچے

اک موج رواں ہے اک چمن ہے
اک خیر سے بھائی اک بہن ہے

کچھ دیر سے دونوں لڑ رہے ہیں
کیا جانیے کیوں جھگڑ رہے ہیں

میں دیکھ رہی ہوں اور چپ ہوں
کس جی سے بھلا فساد کاٹوں

اس جنگ کے آئینے کے اندر
بچپن ہے ہمارا جلوہ گستر

کرتے تھے شرارتیں اُدھم بھی
لڑتے تھے اسی طرح سے ہم بھی

☆☆

1930

بہن کی یاد میں

کندہ ہے اس ظرفِ شکستہ پہ یارب! کس کا نام
آہ اب اس نام کا مفہوم ہے زیرِ مزار

دل پھٹا جاتا ہے میرا آہ اے ظرفِ ملول
آ، کہ رکھ لوں دل میں اے میری بہن کی یادگار

وہ بہن شاداب تھے جس سے روایاتِ قدیم
وہ بہن تابندہ تھا جس سے اب وجد کا وقار

اس کے حرفوں پر نظر پڑتے ہی اک مدت کے بعد
پھر گئی آنکھوں کے نیچے عہدِ طفلی کی بہار

دائروں میں اس کے ماضی کو مچلتا دیکھ کر
ہوگیا کچھ اور بھی دُکھتا ہوا دل بے قرار

خون رو اے میری قبل از وقت پیری خون رو
اس کے نقطوں سے ہے بچپن کا تلاطم آشکار

گھر کی انگنائی میں گویا کھیلتا پھرتا ہوں میں
دل کو رہ رہ کے یہ دھوکا ہو رہا ہے بار بار

نیم میں جُھولا پڑا ہے پک رہی ہیں پوریاں
پڑ رہی ہے ہلکی ہلکی مست بھادوں کی پُھوار

پینگ لے لے کر مزے سے گا رہے ہیں باغ میں
نیم کی نمکولی پکی، آئی ساون کی بہار

میکے لینے آگیا جُگ جُگ جیے بیرن مرا
رکھ دے اس طوفان میں نہوا تلے ڈولی کہار

صحن میں پانی بھرا ہے اور پائیں باغ سے
آ رہی ہے بارہ ماسے کی صدا دیوانہ وار

خود بخود سینے میں رہ رہ کر بھرا آتا ہے دل
گو سمجھ میں کچھ نہیں آتی پپیہے کی پکار

چھوڑ دو طفلی کے لمحو! مجھکو تنہا چھوڑ دو
صبر و تمکیں کا ہوا جاتا ہے دامن تار تار

جیتے جیتے ہو چکے ہیں جوشؔ کو چھتیس سال
ایک دل اور اتنے ماہ و سال کا پرہول بار

داد دے معبود! اس دردِ نہاں کی داد دے
یہ لطیف احساس، یہ طولِ حیات مستعار

زندگی! اُف زندگی!! سینے میں گھبراتا ہے دم
خالقِ جاں! توڑ دے اس قید خانے کا حصار

بس یہ ستارہ ٹوٹ جاتا ہے قسم اِس وقت کی
تیرِ مرگِ ناگہاں کا تیر، میں تیرے نثار

[illegible] زہرِ ہستی اب پیا جاتا نہیں
ا[illegible] ترے بندے سے اے مولیٰ! جیا جاتا نہیں

☆☆

1932

خدا سے ایک سوال

ماڈی عہد میں یہ ناداری
کون اپنی کرے گا غمخواری

کس طرف جائیں کس سے بات کریں
ہر طرف اک جمود ہے طاری

کس سے کہیے کہ اپنی صحت ہے
بدتر از صد ہزار بیماری

اہلِ افلاس غرقِ رشک و حسد
اہلِ دولت رہینِ غداری

اُٹھ گیا ہائے دوستی کا چلن
لٹ گیا ہائے شہرِ دلداری

جس کے چہرے پہ فکر کے آثار
اُس کی صورت سے سب کو بیزاری

مطمئن ہستیوں کا دنیا میں
مشغلہ ہے غریب آزاری

قدر داں کون ہے زمانے میں
علم و فن کی ہے سرد بازاری

افترا ہے وسیلۂ توقیر
راستی وجہِ ذلت و خواری

حجِ اکبر، طوافِ کعبۂ زر
حمد و تہلیل، حرفِ عیاری

جزوِ ایماں، مذاقِ بغض و نفاق
راہِ عرفاں، شعارِ مکاری

نظر آتی ہے اہلِ دانش میں
سیرتِ شاہدانِ بازاری

مایۂ صد نشاطِ روحانی
اہلِ دولت کی کفش برداری

اپنی تکمیل سے ہے شرمندہ
میری تخئیل کی فسوں کاری

بے خبر سو رہی ہے اک دنیا
منفعل ہے ہماری بیداری

فرقِ اغیار پر چمکتا ہے
ہند کا افسرِ جہانداری

اس تلاطم میں ہم ادیبوں کی
کیا ضرورت تھی ایزدِ باری

☆☆

1922

مطالعہ و نظر

دیدہ ور آنکہ، تا نہد دل بشمارِ دلبری
در دلِ سنگ بنگرد، رقصِ بتانِ آذری
(غالب)

(1927 - 1933)

گرہ یوں کھل رہی ہے ہر نفس ذوقِ نظارہ کی
کہ ہر ادنیٰ سی شے اب ایک عالم ہوتی جاتی ہے
(جوش)

قطعات

حوض میں مستانہ بط کے تیرنے سے جس طرح
کائی میں پڑتا چلا جاتا ہے خطِ رہ گزار
حافظے پر یوں ہی اک بیدار کن گہری خراش
ڈال دیتی ہے شبِ غم میں پپیہے کی پکار

☆☆

مسکرایا خواب میں اس طرح اک طفلِ صبیح
جس طرح صہبا کی لرزش سے دمک اٹھے ایاغ
اور اس نرمی سے جیسے بت کدے کے طاق میں
جھٹپٹا ہوتے ہی روشن کر دیا جائے چراغ

☆☆

خاکِ گلشن پہ دھندلکے کی املاکی میں
یوں ہیں پامال شگوفوں پہ نقوشِ بیداد
عید کے چاند پہ جس طرح نظر پڑتے ہی
دل میں معصوم یتیموں کے ہو ماں باپ کی یاد

رکھے ہوئے سونے کا طبق، ناز سے سر پر
کہرے میں نظر آتی ہے یوں صبحِ درخشاں
ہو جاتی ہے جس طور سے انساں کی شرافت
ہنگامۂ افلاس میں کچھ اور نمایاں

☆☆

ساحلِ عثمان ساگر کی چٹانوں پر سے موج
یوں گزر جاتی ہے اکثر برق کی رفتار سے
جیسے اٹھتی ہے دلِ مفلس میں موجِ انبساط
اور اُٹھتے ہی گزر جاتی ہے قلبِ زار سے

☆☆

کثرتِ عصیاں کی گہری تیرگی میں گاہ گاہ
سامنے آتی ہے فکرِ عاقبت یوں بے نیام
جیسے حملے کے لیے بیتاب بھوکے شیر کی
جھاڑیوں میں سے چمک اٹھتی ہیں آنکھیں وقتِ شام

وداعِ طفلی و قربِ شباب کے باعث
تری "نگاہ" ہے یا وہ "خیال" دل افروز
بدل رہا ہے جو پہلو، ضمیرِ شاعر میں
اور آب و تاب سے موزوں نہیں ہوا ہے ہنوز

☆☆

رہروؤں کو دور سے پہچاننے کے واسطے
سعی کی جاتی ہے یوں دھندلی شبِ مہتاب میں
جس طرح انسان کی سیرت پرکھنے کے لیے
ٹھوکریں کھاتی ہیں نظریں ظاہری آداب میں

☆☆

ہنا چکتا ہے جب نوشق اک حلقہ سا تودے پر
نشانہ باندھ کر چٹکی میں اپنی تیر لیتا ہے
چلانا چاہتا ہے یوں ہی غم جس پر چھری اپنی
خوشی کا ہار پہلے اُس گلے میں ڈال دیتا ہے

اب بھی فکروں سے اگر دم بھر کو پاتا ہوں نجات
ناتواں دل میں کھٹک جاتی ہے یوں بادِ بہار
صبح، کچی نیند سے جس طرح چونک اُٹھنے کے بعد
کسنی کی پھول سی آنکھوں میں چبھتا ہے خُمار

☆☆

چاند جب گردوں پر آتا ہے برافگندہ نقاب
دفعتاً کجلا سے جاتے ہیں ستاروں کے شرار
رو برو یوں ہی جب آ جاتا ہے وہ ماہِ تمام
ماند پڑ جاتے ہیں آنکھوں میں سرِ شکِ انتظار

☆☆

وصل کی راتوں میں اب اس طرح سے آتا ہے یاد
ہجر کے عہدِ زبوں کا گریۂ صبح و مسا
جیسے اکثر نیند میں کروٹ بدلتے وقت جوش
کان میں آتی ہے ہلکی موجِ باراں کی صدا

بوندیوں کا سلسلہ ہے اور ہلکے ابر سے
پڑ رہی ہیں اس طرح سبزے پہ کرنیں گاہ گاہ
وقتِ گریہ جس طرح مکتوبِ غم لکھتے ہوئے
آنسوؤں سے چھن کے آتی ہے سرِ کاغذ نگاہ

☆☆

ایک ہلکی سی مسرت ایک مبہم سی خوشی
روح میں کچھ یوں مچلتی ہے بوقتِ پیچ و تاب
جیسے ہلکے ابر میں موہوم سا خطِ ہلال
یا کسی بیمار بچے کا تبسم وقتِ خواب

☆☆

کیا بتاؤں کہ وہ دمِ گلگشت
کس مزے سے قدم اُٹھاتی ہے
جیسے کلیوں پہ رشحۂ شبنم
جیسے آنکھوں میں نیند آتی ہے

صبح کے ہنگام جیسے مدرسے کی گھنٹیاں
طفل کے ذوقِ شکر خوابی کو کرتی ہیں نڈھال
یوں ہی بے تاب و تواں بچوں کے مفلس باپ کی
نیند اڑا دیتا ہے اے خوابِ اجل تیرا خیال

☆☆

شاد و فرحاں ہیں نئے احباب تیرے لطف سے
سرد مہری سے قدیم احباب کا رُخ زرد ہے
یہ تری سیرت ہے ایسے تیز موٹر کی طرح
جس کے آگے روشنی ہے اور پیچھے گرد ہے

☆☆

شب کو اکثر کھوکھلی تاریکیاں میدان کی
روح پر کرتی ہیں طاری اس طرح خوابِ گراں
دل سمجھتا ہے کہ مجھ پر غم سا ہے چھایا ہوا
جس طرح کہرے پہ ہو جاتا ہے بارش کا گماں

پھاڑتے ہی جیسے میلا چیتھڑا اڑتی ہے گرد
یونہیں وہ دو شخص جو اک دوسرے سے ہیں خفا
گفتگو کرتے ہیں جب آپس میں از راہِ نفاق
دیکھتا ہوں ان کے ہونٹوں سے غبار اڑتا ہوا

☆☆

جھٹپٹے کے وقت کوندے کا لپکنا بار بار
ظلمتوں پر مارتا ہے جس طرح تھم تھم کے تیر
یونہی وحشت ناک عصیاں کی اندھیری رات میں
آدمی کے قلب کو رہ رہ کے ڈستا ہے ضمیر

☆☆

شب کو سونے جنگلوں میں جگنوؤں کے رقص سے
کانپ کانپ اٹھتی ہے کچھ یوں تیرگی بے اختیار
جس طرح مایوس راتوں کی فضائے تنگ میں
نیم جاں اُمید جھپکاتی ہے آنکھیں بار بار

کیا کہوں کس طرح آنکھیں کھولتی ہے نو عروس
منھ اندھیرے جیسے نرگس کی کلی بنتی ہے پھول
غنچۂ خاطر کی یا جس طرح کھلتی ہے گرہ
دل پہ یا جس طرح شعر کیف پرور کا نزول

☆☆

خشک ہو کر سایہ بخشی کی نہیں رہتی جب آس
حالتِ اشجار یوں اُس وقت ہوتی ہے سقیم
جیسے آنکھوں میں گدا کی دیکھ کر عزمِ سوال
سر جھکا لیتا ہے فرطِ شرم سے مفلس کریم

☆☆

غبار اک دوسرے پر پھینکتے ہیں تیز رَو موٹر
مخالف سمت سے ہمدوش ہو کر جب گزرتے ہیں
یوں ہی دو بدگہر اشخاص جب ملتے ہیں آپس میں
نئی تاریکیاں اک دوسرے سے اخذ کرتے ہیں

دشت ہے تاریک اور رہ رہ کے کوندے کی لپک
چھو رہی ہے یوں اُفق کی ظلمتِ خاموش کو
جیسے اُس مایوس کی آنکھوں کا عالم جو غریب
حال کہنا چاہتا ہو اور کہہ سکتا نہ ہو

☆☆

تیرہ جنگل کی گھنی شاخوں کے گہرے سائے میں
بہہ رہی ہے جھٹپٹے کے وقت کچھ اس طرح نہر
جس طرح گیسوئے پیچاں کی درازی کا غرور
قامتِ خوباں میں بن جاتا ہے اک نازک سی لہر

☆☆

گُندھے پھولوں میں چھپ جاتا ہے جیسے ہار کا ڈورا
یوں ہی آنکھوں سے جب دل کی گھٹا برسائی جاتی ہے
تمام اپنی لطافت غرق کر دیتی ہے اشکوں میں
وہ موجِ کیف سینے میں جو غم کے پائی جاتی ہے

شب مہ میں جھلک کر سرمئی بادل کے ٹکڑوں سے
جمالِ ماہِ تاباں یوں کلی پر رقص کرتا ہے
ہجومِ ناز و فرطِ شرم کے طوفان میں جیسے
تبسم مدبھری آنکھوں سے ہونٹوں پر اترتا ہے

☆☆

کڑی دھوپ آگ برساتی ہے جب گلزارِ عالم پر
تخیل ابر کا ہوتا ہے سبزے کے تحیر میں
یونہی خوں ریز و خوں آشام تلواروں کو ہستی کی
مرا دل توڑتا ہے تیری رحمت کے تصور میں

☆☆

مل رہے ہیں دونوں وقت اور گر رہا ہے حوض میں
اک کھنک کے ساتھ فوارے کا پانی اس طرح
خامشی سے چھیڑتی ہے نرم و نمکیں راگنی
شیب کی راتوں میں یادِ نو جوانی جس طرح

شب کو اک پُرسکون محفل کا
آ کے موٹر مٹا گیا یوں ناز
جس طرح آئے، وقتِ بادہ کشی
کان میں مے فروش کی آواز

☆☆

جیسے موٹر کی گریزاں روشنی سے راہ میں
نصف لمحے کے لیے ظلمت پہ چھا جاتا ہے نور
سرمدی آلام کے مارے ہوئے انسان کو
یوں ہی چھو جاتی ہے دم بھر کے لیے موجِ سرور

☆☆

اس طرح تیرگی میں ہوتا ہے
خوف کا قلبِ طفل میں آغاز
جس طرح رات کی خموشی میں
سائکل کی اُتار پر آواز

وقتِ شب کچھ اور بھی تاریک کر جاتا ہے یوں
اپنی چکائی ہوئی ظلمت کو موٹر کا غبار
جس طرح کاندھے پہ رکھ کر ہات دم بھر کو خوشی
دوش پر غم کا نیا اک اور رکھ جاتی ہے بار

☆☆

ہوا پُر شور ہے اور ابر بے موسم کی یورش ہے
لبِ ساحل، شگفتہ، چاندنی مرجھائی جاتی ہے
یوں ہی آزردۂ انفاس آئینے کی سی حالت
عزیزوں کی شکر رنجی کی تہہ میں پائی جاتی ہے

☆☆

نرم ہو جاتا ہے پلٹس سے جو پک کر پھوڑا
بیشتر نشترِ جراح سے ہوتا ہے فگار
فرشِ گل کی یوں ہی ہو جاتی ہے خوگر جو قوم
ہونا پڑتا ہے اُسے خارِ مغیلاں سے دو چار

پیشِ اربابِ نظر مشکور ہو سکتی نہیں
یہ تری اظہار بے مہری کی سعئ متصل
یوں تغافل میں ترے غلطاں ہے موجِ التفات
پردۂ اشعار میں جس طرح سے شاعر کا دل

☆☆

رات ہے اور چاند مجرے کے
سرخ شیشوں سے آ رہا ہے نظر
فرطِ گریہ سے چشمِ عاشق میں
جیسے روئے نگارِ وقتِ سفر

☆☆

شام ہوتے ہی یہ کیسا ہو گیا ہے آسماں؟
حاشیے پر روشنی ہے وسط میں تاریکیاں
کیوں نڈر ہو کر نہ میں کہہ دوں کہ یہ طرفہ سماں
ہو بہو ایسا ہے جیسے عصرِ حاضر کے جواں

صبح طالع ہو رہی ہے اور فضائے سرد میں
کھا رہا ہے پیچ و خم، تاریک کہرے کا دھواں
شہر کی مخلوق یوں گلیوں میں آتی ہے نظر
خواب میں جس طرح سے دیکھے کوئی پرچھائیاں

☆☆

ایک دلکش ملیح چہرے پر
صبح کی ہیں ملاحتیں طاری
جیسے نمکین چیز میں اے جوش
ایک ہلکی مٹھاس کی دھاری

☆☆

باغ پر ہیں جھکے ہوئے بادل
بُو ہے جھونکوں میں سرد پانی کی
کنج پر چھائی ہے وہ کیفیت
نیند جس طرح نوجوانی کی

تلملاتی مچھلیوں کی شوخیوں سے جس طرح
سطح پر تالاب کی پڑتے ہیں حلقے باربار
یوں ہی دل کی لرزشِ پیہم کے ہاتوں ہر نفس
میری چشمِ تر میں رہتی ہے تمنا بے قرار

☆☆

بھولی بھٹکی ہوئی جنگل میں پرندے کی صدا
کوئی آوارہ سا جھاڑی میں ہوا کا جھونکا

لو کے طوفان میں تپتے ہوئے ذرّوں کی لپک
کرب کے ساتھ کڑی دھوپ میں پودوں کی لچک

غنچۂ زرد کا پامال عقیق و یاقوت
گھانس پر دھوپ کی ماری ہوئی تتلی کا سکوت

کرۂ ناز سے چیلوں کی لرزتی آواز
بوکھلائے ہوئے بھونروں کی پریشاں پرواز

سرخ ذرّات پہ کھائے ہوئے مٹنے کی قسم
رہرو تشنہ کے مرجھائے ہوئے نقشِ قدم

یوں ہے ان سب میں تپاں حسرتِ باران و سحاب
آئے پردیس میں جس طرح سے یادِ احباب

جس طرح گنجان باغوں کی ہوا وقتِ غروب
شام کے انفاس سے بنتی ہے آہِ سوگوار
کنج سے آتی ہے اک مرطوب بوجھل سی شمیم
منجمد سی بھاپ ہوتی ہے کنارِ جوئبار
سینۂ خشکی پہ ہوتا ہے حرارت کا دباؤ
حسرتِ شبنم میں خوں روتی ہے چشمِ برگ بار
یونہی ہو جاتے ہیں جب کچھ دن انھیں دیکھے ہوئے
روح ہو جاتی ہے بوجھل اور سینہ تنگ و تار
اُٹھنے لگتی ہے برابر ہر بُنِ مو سے اک آنچ
جس سے آتی ہے تمنا کی شمیمِ سوگوار
اور کچھ آنکھوں میں یوں آنسو مچلتے ہیں ندیم
ماہِ تاباں کا ستاروں کو ہو جیسے انتظار

☆☆

پھول مٹھی میں اگر کچھ دیر تک رہتے ہیں بند
ہات میں ہوتی ہے پیدا اک معطر سی نمی
یونہی جب کچھ دیر کرتا ہوں تصور حسن کا
سانس میں ہوتی ہے خوشبو اور آنکھوں میں تری
اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ جاناں نے مجھے
بھینچ کر آغوش میں تا دیر چھوڑا ہے ابھی

☆☆

سنایا مجھے ایک مطرب نے آج
وہ نغمہ کہ تھا دل میں سویا ہوا
جوانی کی راتوں میں یادش بخیر
جسے چھیڑتا تھا کوئی مہ لقا
کچھ اس طرح نغمے کا ہر زیر و بم
میری سمت آنکھیں اُٹھانے لگا
کسی اجنبی شہر میں جس طرح
کوئی بھولا بچھڑا ہوا آشنا
سرِ راہ لوگوں کے انبوہ سے
بڑھے یک بیک مسکراتا ہوا

☆☆

شام کا وقت گاؤں کا میدان
سادہ رُخ سرد، سرنگوں، سنسان
سلسلے کوہسار کے تا دور
سامنے صرف اک غنودہ کھجور
جیسے اک تشنۂ جواب "سوال"
جیسے غربت میں دوستوں کا "خیال"

☆☆

سر سے نزدیک ہو کے اک طائر
یوں اڑا صبح، نیند جیسے آئے
نصف لمحے کے واسطے مجھ کو
گیت اس طرح شہپروں کے سنائے
ذہن سے جس طرح کہ بات کوئی
یاد آتے ہی محو ہو جائے

☆☆

جس طرح اے حسنِ خود بیں نخلِ کاہ و روحِ کوہ
روز و شب اک لرزشِ پیہم سے رہتے ہیں دوچار

کاہ کے دل میں مچلتا ہے بفکرِ رنگ و بو
تابشِ خورشید و موجِ باد و باراں کا شرار

کوہ میں فرطِ خوشی سے نا تراشیدہ صنم
ڈھونڈتے ہیں بت تراشوں کی نظر دیوانہ وار

یوں ہی میرے مضمحل جوہر مرے افسردہ عزم
تیرے ہلکے سے تبسم کے لیے ہیں بے قرار

☆☆

نسیب

حسن جنید ز خواب و مژہ برہم زد
فتنہ بر پا شد و نشتر بہ رگِ عالم زد
(نظیری)

عاشق نواز

میری پرسش اور تیری بزمِ ناز
آفریں اے شیوۂ عاشق نواز

میں سراپا خاک اور میرے لیے
سلسلہ جنبائیِ راز و نیاز

اک مرے دل کی تسلی کے لیے
زلزلے میں آئے اور تمکینِ ناز

تیری طبعِ ناز اور آشفتگی
تیرا پہلو اور خراشِ جاں گداز

یہ تیرا رُخ اور رنگِ شگفتگی
یہ ترے لب اور حدیثِ سوز و ساز

تیرا سینہ اور میری آرزو
میری محفل اور تیری شمعِ ناز

تیرا دل اور کاہشِ سوزِ نہاں
تیرا سر اور زانوئے سوز و گداز

آہِ سوزاں، اور تیرے لعل لب
اشکِ خونیں اور تیری چشمِ ناز

خارِ حسرت اور ترا قلبِ رقیق
گردِ حرماں اور تری زُلفِ دراز

تیرا دامن، اور وقفِ اشکِ غم
تیرا سینہ اور بارِ حرفِ راز

آہ وہ اور اس طرح جھک کر ملے
خود اُٹھاتی ہو جوانی جس کے ناز

جس کے قدموں پر ہو خود فطرت کا سر
وہ پڑھے اور مجھ سے ملنے کو نماز

اُس کے دل سے پوچھیے غم کا مزا
'دل شکن' جس کے لیے ہو 'دل نواز'

مفت دو جانیں تلف ہونے کو ہیں
سن رہا ہے اے خدائے بے نیاز

مہرباں ہو اے انیسِ بے کساں
رحم فرما اے کریمِ کار ساز

ابر میں ہے سنگباری کی گرج
آئینوں کو دیکھ اے آئینہ ساز

☆☆

1923

اسے کیا کہتے ہیں

جب ادا سے وہ سامنے آئی
ہم نشیں! میں اُسے نہ دیکھ سکا

اور جب آنکھوں سے ہوگئی اوجھل
میں نے جی بھر کے اُس کو دیکھ لیا

کچھ کہا اُس نے اور میں سن نہ سکا
اور جب وہ چلی گئی کہہ کے

میرے کانوں نے سن لیا وہ بھی
جو کہا بھی نہ تھا ہنوز اُس نے

☆☆

1923

چاند کے انتظار میں تارے

کس نے وعدہ کیا ہے آنے کا
حسن دیکھو غریب خانے کا

روح کو آئینہ دکھاتے ہیں
در و دیوار مسکراتے ہیں

آج 'گھر'، گھر بنا ہے پہلی بار
دل میں ہے خوش سلیقگی بیدار

غرق ہے روح خوش جمالی میں
نظم ہے طبع لا اُبالی میں

جمع ساماں ہے عیش و عشرت کا
خوف دل میں فریب قسمت کا

سوزِ قلبِ کلیم آنکھوں میں
اشکِ اُمید و بیم آنکھوں میں

چشم بہ راہ، شوق کے مارے
لے انتظار میں تارے

رات بھیگی، شگفتہ بار ہوا
رنگ کلیوں میں آشکار ہوا

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں میں مچلی
ہلکی ہلکی مہک چنبیلی کی

وعدۂ جنجاب بن تیز جی کا
رنگ اُمید ہو چلا پھیکا

آب جہاں چشم تر میں گرد ہوا
دل وہ دھڑکا کہ رنگ زرد ہوا

دفعتاً اک چمک سی دوڑ گئی
بام و در پر جھلک سی دوڑ گئی

دل میں چمکی اُمید کی بجلی
انگلیاں اور ہوگئیں ٹھنڈی

الاماں شوقِ دید کی یورش
بڑھ گئی اور خون کی گردش

اپنی حدِ وفا ہوئی محسوس
ان کی آواز پا ہوئی محسوس

چھا گئی بام و در پہ رعنائی
دل میں لی ولولوں نے انگڑائی

جل اٹھی شمع دل کی مجلس میں
صبح گویا ہوئی بنارس میں

فرطِ شادی سے بوکھلا سا گیا
دل میں احساس شادمانی کا

تار نظروں کے دم بہ دم کانپے
لڑکھڑائی زباں قدم کانپے

نہ رہا سلسلہ وہ آہوں کا
رشتہ سمٹا مری نگاہوں کا

آئے وہ اشک تھم گئے بارے
چاند نکلا ٹنک ہوئے تارے

☆☆

1923

پھول

یہ کس نے جوشؔ کو بھیجے ہیں ناز پرور پھول
شگفتہ پھول، جواں پھول، خلد پیکر پھول

ہوائے ناز سے چٹکے ہوئے سبک غنچے
شمیم زلف سے مہکے ہوئے معطر پھول

شعاعِ حسن سے دہکے ہوئے خنک شعلے
لبِ نگار کے چومے ہوئے سخنور پھول

نسیم کاکلِ شب گوں سے پرفشاں گلبرگ
فروغِ نرگسِ شیریں سے خواب آور پھول

ارم سے آئی ہوئی حرفِ آرزو کلیاں
خدائے ناز کے بھیجے ہوئے پیمبر پھول

پلٹ کے اے خلشِ نوکِ خار کے شاکی
اُسے بھی دیکھ، جسے ڈس رہے ہیں کافر پھول

☆☆

1923

پہلی مفارقت

چاند سے عہدِ وصل کی باتیں
ہائے فرقت کی چاندنی راتیں

آفتیں جمع ہیں خدائی کی
چاندنی رات ہے جدائی کی

کوئی کافر ہی شب کو سوتا ہے
رات بھر دل میں درد ہوتا ہے

اٹھتی رہتی ہیں بار بار آنکھیں
ڈھونڈتی ہیں جمال یار آنکھیں

کچھ وہ تکیوں سے آتی ہے خوشبو
نیند آتی نہیں کسی پہلو

چھیڑتا ہے جو کوئی رات کو ساز
صاف آتی ہے یار کی آواز

آگ سی پہلوؤں میں جلتی ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو چلتی ہے

مرغ جب صبح کو جگاتے ہیں
چونکتے ہی وہ یاد آتے ہیں

شغل مرگ و حیات کی راتیں
ہائے وہ التفات کی راتیں

بے نتیجہ ہے صبر کی تلقین
بلکہ دیتا ہے جب کوئی تسکین

شعلۂ غم بھڑکنے لگتا ہے
اور بھی دل دھڑکنے لگتا ہے

ہر نفس آہ ہر سخن نالہ
سم ہے آب و ہوائے بنگالہ

اے اودھ کی نسیمِ عقدہ کشا
وہ ملیں تو پیام یہ کہنا

بادلوں کی طرح برستی ہیں
آنکھیں دیدار کو ترستی ہیں

اُٹھتی رہتی ہے ہوک سی پیہم
ہائے وہ رُخ وہ کاکلِ برہم

ہائے وہ چاندنی وہ مہتابی
مست آنکھوں کی وہ شکر خوابی

برگِ گُل پر وہ ماہتاب کی ضو
رُخ پہ وہ آمدِ شباب کی رو

خال و خد سے عیاں بصد انوار
صبح صادق کی چاندنی کا نکھار

ہاں تو اے دلنشیں اودھ کی صبا
وہ ملیں تو پیام یہ کہنا

بادلوں کی طرح برستی ہیں
آنکھیں دیدار کو ترستی ہیں

ایک مدت ہوئی نہیں دیکھا
ہائے وہ تیرا چاند سا مکھڑا

اس طرح صبح شام ہوتی ہے
دل دھڑکتا ہے آنکھ روتی ہے

کھائے جاتا ہے کوئی سینے کو
آگ لگ جائے ایسے جینے کو

تنگ ہے سانس آنے جانے سے
اب بلا لے کسی بہانے سے

☆☆

1923

زرد کلیاں

بھیجی ہیں کسی نے بہرِ درماں
بیلے کی چمن فروز کلیاں

ڈوبی ہوئی عطر کم سنی میں
دونے کی مہین کوری سینکیں

کلیوں سے مگر عیاں ہے زردی
یہ روحِ غم اُن میں کس نے بھر دی؟

گویا ہیں زبانِ حال سے یوں
اے شاعرِ خوش نصیب و محزوں

بھیجا ہے چھپا کے ہم کو جس نے
جانے اُسے غم دیے ہیں کس نے

یوں زرد وہ روئے دلنشیں ہے
اک چھینٹ بھی خون کی نہیں ہے

ہم سے یہ کہا ہے جا کے کہنا
لازم نہیں اب خموش رہنا

مجھ کو تری یاد نے ڈبویا
مرجھائی ہوئی کلی ہوں گویا

بھرتی ہوں چھپا کے شب کو آہیں
ہٹتی نہیں چاند سے نگاہیں

شاما جو سحر کو بولتی ہے
آنکھوں کی گرہ کو کھولتی ہے

لب خشک ہیں منہ ہے اُترا اُترا
پنڈا کب سے ہے پھیکا پھیکا

چہرے سے عیاں ہے دل کی اُلجھن
ڈھیلے ہیں کلائیوں کے کنگن

اللہ یہ کیا ہوا ہے مجھ کو
دیکھو جسے دیکھتا ہے مجھ کو

اب حد سے سوا ہے خستہ حالی
نزدیک ہے وقتِ پائمالی

آنا ہو تو آ کہ دل ہے بیتاب
ایسے میں ابھی چمن ہے شاداب

جلد آ کہ فروغِ رنگ و بو ہو
قبل اس کے خونِ آرزو ہو

☆☆

1923

تجاہلِ عارفانہ

کیوں صبح یوں عرق میں نہائے ہوئے ہو تم؟
شاید کسی خلش کے جگائے ہوئے ہو تم

اُلجھا ہوا ہے کرب سے ہر رشتۂ نفس
گو دیکھنے میں زُلف بنائے ہوئے ہو تم

جن مشغلوں میں کھیلتی رہتی تھی کم سنی
اُن مشغلوں سے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہو تم

شاید یہ اہتمام ہو اخفائے راز کا
ہمجولیوں سے آنکھ چرائے ہوئے ہو تم

خود کو لیے دیے ہو مگر کہہ رہے ہیں طور
سینے میں ایک حشر چھپائے ہوئے ہو تم

کیا جوش نامراد کو دیکھا ہے خواب میں
یوں صبح کو بھی شام بنائے ہوئے ہو تم

عقدۂ لاینحل

درسِ عبرت ہے یا اولی الابصار
میرا افسانۂ دلِ بیمار

یہ فسانہ نہیں، حقیقت ہے
شاعری سے نہیں مجھے سروکار

دل میں ہیں جذبہ ہائے گوناگوں
اُلجھی جاتی ہے کاکلِ گفتار

کم پڑی ہوگی نوعِ انساں پر
جس مصیبت سے آج میں ہوں دوچار

اُس طرف حسن ، خود سر و خودبیں
اس طرف عشق ضابطہ خوددار

اُس طرف ناز و دلبری کا شکوہ
اس طرف شعر و بیخودی کا وقار

اس طرف حسن، غرقِ صد نخوت
اس طرف عشق محو صد پندار

اس طرف شوخیوں میں بھی تمکین
اس طرف اضطراب میں بھی قرار

اس طرف بے رُخی ہے درماں سے
اس طرف ہے پرستشِ آزار

اس طرف چارہ گر ہے بے پروا
اس طرف بے نیاز ہے بیمار

اس طرف اقتدارِ عشوہ و ناز
اس طرف اعتمادِ صبر و قرار

اُس طرف کیفِ نرگسِ مخمور
اس طرف دورِ بادۂ اشعار

اس طرف عہد ہے نہ سننے کا
اس طرف بند ہیں لبِ گفتار

کہنے جاؤں تو وہ سنیں روداد
سننے آئیں تو میں کروں اظہار

مجھ کو یہ کد، وہ ہوں تبسم ریز
اُن کو یہ ضد کہ یہ کرے اصرار

یہ روش ترک بھی اگر کردوں
ایک عقدہ ہے اور بھی دشوار

فرض کیجے اُسے بھی سلجھادوں
گتھیاں اور بھی تو ہیں دوچار

مدعا ہے غرض وہ پیچیدہ
کہ دعا مانگنا بھی ہے دشوار

مجھ کو وصل و فراق، دونوں رسن
مجھ کو تریاق و زہر، دونوں دار

اُن کا آنا، بلائے ہوش و خرد
اُن کا جانا وداعِ صبر و قرار

اُن سے ملیے تو عاقبت برباد
اُن سے کھنچیے تو زندگی بیکار

اُن کی وابستگی بھی سوزِ جحیم
اُن کی بیگانگی بھی شعلۂ نار

اُن کا پردا بھی موجبِ ایذا
اُن کا جلوہ بھی باعثِ آزار

اُن کی دوری بھی خنجرِ خوں ریز
اُن کی قربت بھی دشنۂ خونخوار

اُن کے کھونے پہ بھی نہیں راضی
اُن کے پانے پہ بھی نہیں تیار

کون سمجھے گا ان معموں کو
عشق ہی مست عشق ہی ہشیار

عشق ہی ہجر کے لیے بے چین
عشق ہی وصل کے لیے بیمار

عشق ہی قدردانِ جلوۂ نور
عشق ہی مدح خوانِ گوشۂ تار

عشق ہی راہِ سعی میں خفتہ
عشق ہی بزمِ فکر میں بیدار

کس قدر ہیں عمیق یہ باتیں
کس قدر ہے عجیب یہ گفتار

کون سمجھے گا اُن معموں کو
دور ہیں آہ محرمِ اسرار

اس طرف تو یہ کشمکش دل میں
اور ادھر ہے یہ رنگ لیل و نہار

اک طرف زاہدوں کی مجلس میں
میری غیبت کا گرم ہے بازار

اک طرف عاقلوں کی محفل سے
سخنِ ناروا کی ہے بوچھار

قابلِ مضحکہ مرے انداز
درخورِ سرزنش مرے اطوار

گوش پامالِ طعنہ احباب
چشم مجروحِ خندۂ اغیار

راہزن جمع، راہبر ناپید
رات تاریک، راہ ناہموار

آنکھ نمناک، راستے خس پوش
نور خوابیدہ ظلمتیں بیدار

جلوے معدوم، زمزمے مفقود
چشمِ خونابہ ریز، گوش فگار

وضعِ اہلِ وطن، معاذ اللہ
تہمتوں کے لگا دیے انبار

غربت افسردگی وطن کلفت
غیر بے حس عزیز ناہنجار

کس سے جا کر کہے کوئی احوال
کس سے جا کر کرے کوئی اظہار

اہلِ ظاہر، مجھے خس و خاشاک
اہلِ باطن، مجھے در و دیوار

بند ہے مجھ پہ فیضِ دیر و حرم
تنگ ہیں مجھ سے کافر و دیندار

سخت ہیں مجھ پہ کفر کے آئین
تیز ہے مجھ پہ شرع کی تلوار

اک طرف موت، ایک جانب زیست
وہ بہت سہل، یہ بہت دشوار

ہر سخن آگ، ہر نفس بجلی
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

☆☆

1924

نگارِ رفتہ

نگارِ رفتہ کو یارب وطن میں پہنچا دے
دوبارہ دُرِ عدن کو عدن میں پہنچا دے

حرم کی شمع کو طاقِ حرم میں روشن کر
چمن کی جان کو صحنِ چمن میں پہنچا دے

وطن کی روح کو جسمِ وطن میں واپس کر
غزالِ دشتِ ختن کو ختن میں پہنچا دے

سمن سے پھر سمنستاں کو شاداں فرما
گہر کو پھر صدف پُر شکن میں پہنچا دے

صبا کو گل کدۂ آرزو میں رقصاں کر
صنم کو بت کدۂ برہمن میں پہنچا دے

وہ اپنے حُسن سے محفل میں اپنے عشق سے بزم
اس انجمن کو پھر اُس انجمن میں پہنچا دے

سکوتِ جوش کو دے رخصتِ ترانۂ شکر
سخن کو حلقۂ شاہِ سخن میں پہنچا دے

☆☆

1924

شادی و مرگ

کدھر ہے اے موت! آ، کہ غم سے لبوں پہ اب جان آ رہی ہے
وہ شمع، جو یادگارِ شب تھی، اُسے بھی آندھی بجھا رہی ہے

دہائی حُسنِ خجستہ خو کی، کہ رسمِ عالم کی فتنہ خیزی
چھٹے ہوؤں کو بلا رہی ہے، ملے ہوؤں کو چھڑا رہی ہے

اُدھر نفیری کی مست لہریں لیے ہوئے ہیں پیامِ شادی
اِدھر نسیمِ سحر کی جنبش ترانۂ غم سنا رہی ہے

اُدھر عروسی لباسِ زر میں دمک رہا ہے کسی کا مکھڑا
اِدھر کسی کی خوشی کو دنیا سیاہ کفنی پنہا رہی ہے

قدیم پیغامبر تھی میری، صبا کو یہ آج کیا ہوا ہے
ادھر بجھاتی چلی ہے شمعیں، اُدھر شگوفے کھلا رہی ہے

اِدھر کلیجے میں تھرتھراتا ہے شعلۂ مرگِ ناگہانی
اُدھر شبستانِ رنگ و بو میں حیات تُو مسکرا رہی ہے

اِدھر عرق ہے مری جبیں پر، اُدھر جھمکتی ہے جوشِ افشاں
ادھر لبوں پہ ہیں سرد آہیں، اُدھر صبا گنگنا رہی ہے

☆☆

عشق کامراں

تعالی اللہ کہ وہ دلدار شیریں
ہوا ہے پھر اسیرِ جانِ غمگیں

مبارک اے دلِ حیراں مبارک
کہ پھر جاری ہوئے آئینِ چشمیں

ترانے چھیڑ اے بلبل طرب کے
کہ زیرِ سنگ ہے دامانِ گل چیں

خوشا طالع کہ میرے بازوؤں پہ
مچلتی ہے وہ زلفِ عطر آگیں

حدیثِ لطف سے گرما رہے ہیں
مرے سینے کو وہ لبہائے رنگیں

بحمداللہ وہ خود مائل ہوا ہے
برغم بندگان رسم و آئیں

محبت کامران و شادماں ہے
بُھلا دو قصۂ فرہاد و شیریں

☆☆

1924

جفائے وفا

دل کی بستی میں کیوں نہ ہو کہرام
آہ یہ نامہ، ہائے یہ پیغام

کاش اس وقت مجھ کو موت آ جائے
آگ میں پھول کس سے دیکھا جائے

کاش وہ یوں نہ باوفا ہوتی
بانیِ ظلمِ ناروا ہوتی

اے وفا کیا کہوں میں تیرے طور
تو ہے اک بدترین آلۂ جور

تیرا خنجر جی نہیں سکتا
جل کے پانی بھی پی نہیں سکتا

جھینپتی ہے جفا ترے آگے
کانپتی ہے قضا ترے آگے

بول اے نامہ بر جیوں کیسے؟
پھر تو دہرا، یہ کیا کہا اُس نے

آنکھ کھلتے ہی صبح تیری یاد
دل پہ کرتی ہے جانے کیا بیداد

دل مرا غرقِ یاس رہتا ہے
شام تک جی اُداس رہتا ہے

☆☆

1923

تیرے لیے

دیکھ کیوں کر جی رہا ہوں دلربا تیرے لیے
ہر نفس ہے اک حدیثِ کربلا تیرے لیے

ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اپنے کو تیری راہ میں
پوچھتا پھرتا ہوں میں اپنا پتا تیرے لیے

میں کہ آغوشِ سکوں میں پا چلا تھا آپ کو
پھر محیطِ کشمکش میں کھو گیا تیرے لیے

حسرتیں دل کی رواں ہیں کارواں در کارواں
ہر نفس ہے ہجر میں بانگِ درا تیرے لیے

آہ! گو اک عمر سے ہوں میں رئیس ابن رئیس
بن کے نکلا ہوں گدائے بے نوا تیرے لیے

مانگتا ہوں بھیک درویشوں سے تیرے قرب کی
شاہ کے کوچے میں دیتا ہوں صدا تیرے لیے

شرع سے درخواست کرتا ہوں کشود کار کی
کھٹکھٹاتا ہوں در دار القضا تیرے لیے

آہ اک فتوے کی خاطر کہنا پڑتا ہے مجھے
"شیخ" سے نااہل کو "مرد خدا" تیرے لیے

جاہلان بے خرد کے نا سزا اقوال کو
ماننا پڑتا ہے بے چون و چرا تیرے لیے

چاک کر کے میں نے آبائی امارت کا لباس
زیب تن کی ہے غلامی کی قبا تیرے لیے

مشتری جس کا خدا تھا چند سکوں کے عوض
بیچ دی میں نے وہ جنس بے بہا تیرے لیے

کر چکا ہوں شدتِ حرماں سے تنگ آ کر معاف
ہر فرومایہ کو اپنا خوں بہا تیرے لیے

پوجنا پڑتا ہے ہر کافر کو تیرے واسطے
ماننا پڑتا ہے ہر بت کو خدا تیرے لیے

آہ جو فرشِ حرم پر بھی کبھی جھکتا نہ تھا
میں نے بت خانے میں وہ سر رکھ دیا تیرے لیے

شرط پوری ہو چکی، للہ اب تو رحم کر
دیکھ کیا تھا جوشؔ اور کیا ہو گیا تیرے لیے

☆☆

1925

ناقابلِ تسخیر

ہمنشیں! ترکِ وفا پر اُسے توبیخ نہ کر
قید ہوتی ہے کہیں بوئے چمن، موجِ گہر؟

جلوۂ شبنم و نورِ سحر و بانگِ طیور
ان کی تسخیر کا دنیا میں ہے کس کو مقدور؟

ہمنشیں! ترکِ وفا پر اُسے توبیخ نہ کر
وہ بھی تھی بوئے چمن خندۂ گل موجِ گہر

کس لیے خاک میں ملتا نہ ہر آنسو میرا
ہم نشیں! اس کے لیے تنگ تھا پہلو میرا

پونچھ اس دل کو مرے جس نے اُسے رام کیا
اس نے دو دن بھی جو چاہا تو بڑا کام کیا

☆☆

1926

خواب کی پرچھائیں

سناٹا پچھلی رات کا ہے مخلوقِ خدا کی خواب میں ہے
تاروں کی نگاہیں نیچی ہیں، ہلکی سی چمک مہتاب میں ہے

اطراف میں روشندانوں کے کچھ نور سا دھیما دھیما ہے
دیواروں کے نیچے گلیوں میں پُرہول، اندھیرا چھایا ہے

چڑیوں کو سمیٹے خواب میں ہیں روڑی ہوئی بیلیں کا خوب پہ
بول اُٹھتا ہے بے ہنگام کبھی اک آدھ پرندہ شاخوں پہ

اللہ یہ کیسی بے چینی اس وقت دلِ بیتاب میں ہے؟
یہ عکس ہے کس کا ذرّوں پر کس کی یہ جھلک مہتاب میں ہے

فردوس کی شمعیں روشن ہیں یا عکسِ چراغِ طور ہے یہ
گھر بھر میں یہ کس کا پرتو ہے ہر چیز پہ کیسا نور ہے یہ؟

حلقے میں گھرا ہوں جلووں کے ہستی کا نہیں کچھ ہوش مجھے
اس وقت یقیناً خواب میں کوئی دیکھ رہا ہے جوش مجھے

غربت میں شانِ صبحِ وطن ہر پیڑ پہ وہ رعنائی ہے
پردیس میں اپنے مجنوں کی تسکین کو لیلیٰ آئی ہے

طوفان بنا جوئے شیر میں ہے حسن آیا ہے کشتی کھینے کو
بیتاب ہے شیریں بازو پر فرہاد کے بوسہ دینے کو

اک رنگ سا مجھ پر رقصاں ہے اک نور سا دل پر چھایا ہے
ان ہونٹوں پہ شاید سوتے میں ہلکا سا تبسم آیا ہے

☆☆

1925

جفائے التفات

کیا وہ بتائے کیا کیا عشوۂ روزگار نے
مارا ہو جس غریب کو حسن وفا شعار نے

اب وہ شہید التفات دل کی گرہ کسے دکھائے
بند کیا درِ طرب جس پہ کشودِ کار نے

سمجھے گا کون نکتہ رس اُس کی حدیثِ خونچکاں
جس کا لہو بہا دیا تیغِ وفائے یار نے

کون یقین لائے گا کس سے کہوں یہ ماجرا
لوٹ لیا مرا چمن عربدۂ بہار نے

مصحفِ انبساط نے آیۂ حزن پیش کی
فتح سے دور کر دیا نصرتِ کردگار نے

مجھ کو درِ نشاط نے اشکِ الم کیا عطا
شامِ شکستِ نذر کی صبحِ ظفر شکار نے

حسن کے جذبِ عشق نے دل کو تباہ کر دیا
پھول کی روح کھینچ لی شبنمِ اشکبار نے

بھیس میں آ کے عشق کے جوش تجھے مٹاؤں گا
مجھ سے قسم یہ کھائی تھی حسنِ ستم شعار نے

☆☆

1925

آرزوئے محروم

فریاد ہے اے خلوتیِ پردۂ ناموس
کب سے ہوں تری دُھن میں گریباں دریدہ

واقف ہے کہ کس طرح سرِ بالش و بستر؟
راتوں کو تڑپتا ہے ترا زلف گزیدہ؟

دم بھر کے لیے تو کبھی آغوش میں آ جا
اے عمرِ رواں! سایۂ آہوئے رمیدہ!

ممکن ہو تو اب خاکِ مذلت سے اُٹھا لے
میں کب سے پڑا ہوں صفتِ اشکِ چکیدہ

وہ سجدہ کروں سر ہی نہیں روح بھی جھک جائے
دے اذن اگر جنبشِ ابروئے خمیدہ

قسمت کی طرح دستِ طلب بھی تو ہے کوتاہ
افسوس ہے اے میوۂ شاداب و رسیدہ!

وحشی کا کسی رت میں بھی جی خوش نہیں ہوتا
فریاد ہے اے افسرِ گلہائے دمیدہ!

سونے کو ترستی ہیں برستی ہوئی آنکھیں
بیدار ہو اے ترکِ محبت کے شخیدہ

ظالم! ترے دیوانۂ محروم کے سر پر
ہر آن حریفوں کی کمانیں ہیں کشیدہ

آتا ہوں ترے شہر میں پامالِ ملامت
جاتا ہوں تری راہ سے دشنامِ شنیدہ

''در کوئے تو معروفم و از روئے تو محروم
گرگِ دہن آلودہ و یوسف ندریدہ''

(سعدی) 1926

☆☆

کون لے گیا

اے یارِ دلنشیں! وہ ادا کون لے گیا
تیرے نگیں سے نقشِ وفا کون لے گیا

حل کر دیا تھا جس نے معمہ شباب کا
تجھ سے وہ فکرِ عقدہ کشا کون لے گیا

تھا لطف پہلے قہر میں، اب صرف قہر ہے
ظلمت سے موجِ آبِ بقا کون لے گیا

کیوں دفعتاً لبوں پہ خموشی سی چھا گئی
اس سازِ دلنشیں کی صدا کون لے گیا

آنکھوں سے شانِ بذل و سخا کس نے چھین لی
سینے سے ذوقِ لطف و عطا کون لے گیا

تھیں جس کی رو سے خونِ تمنا میں سرخیاں
رخسار سے وہ رنگِ وفا کون لے گیا؟

راتوں کو مانگتا تھا دعا میری دید کی
وہ عنتیں وہ ذوقِ دعا کون لے گیا؟

اے شاہِ بندہ پرور و سلطانِ نرم دل!
دل سے ترے خیالِ گدا کون لے گیا؟

پہلی سی وہ کلام میں نرمی نہیں رہی
گفتار سے مزاجِ صبا کون لے گیا

اب جوش کے لیے ہیں نہ آنسو نہ آہِ سرد
اس گلستاں کی آب و ہوا کون لے گیا؟

☆☆

1926

آتے نہیں ہو تم

محرابِ جاں میں شمع جلاتے نہیں ہو تم
اب مسکرا کے سامنے آتے نہیں ہو تم

ظاہر میں تو حجاب ہو در پردہ سامنا
پردہ اب اس ادا سے گراتے نہیں ہو تم

پہلے مری نظر تھی اور ارزانئ جمال
اب خواب میں بھی شکل دکھاتے نہیں ہو تم

جس کا ہر ایک حرف تھا اک دفترِ نشاط
وہ بات اب زبان پہ لاتے نہیں ہو تم

آنکھوں میں اشک رخ پہ تمنا لبوں پر آہ
اب اس ادا سے سامنے آتے نہیں ہو تم

آتی ہیں حسب قاعدہ راتیں اسی طرح
لیکن نظر بچا کے اب آتے نہیں ہو تم

یک لخت تم نے جوش کو دل سے بھلا دیا
اور اس میں بھید کیا ہے؟ بتاتے نہیں ہو تم

☆☆

1960

آن باقی ہے

ہنوز عشق و محبت کی شان باقی ہے
وہی زمین، وہی آسمان باقی ہے

جبیں پہ گو، شکنِ عقل ہے زمانے سے
مگر نظر میں جنوں کا نشان باقی ہے

ربابِ فصلِ بہاری خموش ہے کب سے
ہنوز مطربِ وحشت کی تان باقی ہے

وہاں جفا ہی جفا رہ گئی ہے مدت سے
یہاں جفا پہ وفا کا گمان باقی ہے

جفا کا اب نہیں اگلا سا بانکپن قائم
مگر وفا کی وہی آن بان باقی ہے

وہ جوش چھوڑ چکے ناوکِ انگنی، پھر بھی
چڑھے تیر، لچکتی کمان باقی ہے

☆☆

1926

اُداس صبح

خواب میں دیکھ کر رُخِ زیبا
آنکھ میری کھلی تو کیا دیکھا

گھر ہے تاریک، تنگ، سرد، خموش
دل دھڑکتا ہوا، اڑے ہوئے ہوش

تیغ سی فرش کی ہر ایک شکن
لب پہ خشکی، دماغ میں اُلجھن

لے رہی ہے عجب طرح لہریں
ایک نرم آنچ سی کلیجے میں

ہل گیا دل، کلیجہ یوں دھڑکا
اسی ہلچل میں ہو گیا تڑکا

مرغ بولے، فضا پہ جھلکا نور
صحنِ گلشن میں چہچہائے طیور

یوں صدائیں ہواؤں پر کھیلیں
میں نے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں

☆☆

1926

خبر ہے کہ نہیں؟

اے صبا! کوچۂ جاناں میں گزر ہے کہ نہیں؟
تجھ کو اُس فتنۂ عالم کی خبر ہے کہ نہیں ؟

بجھ گیا مہر کا فانوس کہ روشن ہے ابھی
اب ان آنکھوں میں لگاوٹ کا اثر ہے کہ نہیں

اب مرے نام کا پڑھتا ہے وظیفہ کوئی؟
اب مرا ذکرِ وفا وردِ سحر ہے کہ نہیں؟

اب بھی تکتی ہیں مری راہ وہ کافر آنکھیں؟
اب بھی دُزدیدہ نظر جانبِ در ہے کہ نہیں؟

چھپ کے راتوں کو مری یاد میں روتا ہے کوئی؟
موجزن آنکھ میں اب خونِ جگر ہے کہ نہیں؟

حُسن کو پرسشِ بیمار کا ہے اب بھی خیال؟
مہر کی ذرّۂ خاکی پہ نظر ہے کہ نہیں؟

بے خبر مجھ کو زمانے سے کیا ہے جس نے
کچھ اُسے میری تباہی کی خبر ہے کہ نہیں؟

کھائے جاتا ہے مجھے دردِ غریب الوطنی
دل پر اس جانِ وطن کے بھی اثر ہے کہ نہیں

جوش خاموش بھی ہو پوچھ رہا ہے کیا کیا
کچھ تجھے تاڑنے والوں کی خبر ہے کہ نہیں؟

☆☆

1926

تیرا عہدِ تمنا

دل نے بخشا تھا تقاضائے زلیخا تجھ کو
یاد ہے وہ خلشِ عہدِ تمنا تجھ کو

چاند نکلتے ہی ترے دل سے وہ دھواں اُٹھتا تھا
شبِ تاریک تھا ہر نور کا تڑکا تجھ کو

نرگسِ ناز میں یوں اشک بھرے رہتے تھے
نظر آتا تھا ورقِ دہر کا دھندلا تجھ کو

الاماں عشق میں اُلجھی ہوئی نیچی نظریں
دل سا ملتا تھا ہر اک شے میں دھڑکتا تجھ کو

روزِ باراں میں برستا تھا غمِ عشق تجھے
شبِ مہتاب میں ڈستی تھی تمنا تجھ کو

ہر گھڑی میری حضوری کی تمنا تھی تجھے
ہر نفس میری جدائی کا تھا دھڑکا تجھ کو

ہائے کیا دن تھے کہ آئینے کے آگے ہر صبح
چاند سا منہ نظر آتا تھا جب اُترا تجھ کو

حضرتِ خضر جہاں راہ بھٹک جاتے ہیں
عشق نے لاکے وہاں چھوڑ دیا تھا تجھ کو

جب ہوا، ابر کے سائے میں سنک جاتی تھی
چھیڑ دیتا تھا محبت کا تقاضا تجھ کو

چاندنی صحن میں جس وقت چھٹک جاتی تھی
پھونک دیتا تھا مرے عشق کا شعلا تجھ کو

راستے سے کوئی آواز جب آجاتی تھی
میری آواز کا ہو جاتا تھا دھوکا تجھ کو

قہر ڈھاتا تھا مرا درسِ تحمل تجھ پر
زہر لگتا تھا مرا وعدۂ فردا تجھ کو

کیا قیامت تھی کہ اس گل بدنی کے باوصف
روز کانٹوں پہ لٹاتی تھی تمنا تجھ کو

میں کسی بات پہ دم بھر کے سبب غور کروں
اتنی فرصت بھی نہ ہوتی تھی گوارا تجھ کو

جوشؔ سے پوچھ کہ اب تک ہے اُسے یاد وہ دور
کہ کبھی مہر و وفا کا بھی تھا دعویٰ تجھ کو

☆☆

1927

یہ بھی نہ سہی

تیرے قرباں، ارے خواب میں آنے والے
داستاں عہد تمنا کی سنانے والے

ہاں ترے حرفِ شکایت سے پشیماں ہوں میں
بخش دے بہر خدا، جرم کہ انساں ہوں میں

یہ مگر وہم ہے اے پیکرِ حسنِ تحریر
کہ یہ دل اب ہے کسی اور کی زلفوں کا اسیر

ہاں ترے ہجر میں اک شغل نکالا ہے ضرور
شدتِ کاہشِ آلام کو ٹالا ہے ضرور

قاعدہ ہے نہیں ہوتا ہے فلک پہ جب ماہ
لطف اُٹھاتی ہے چمکتے ہوئے تاروں سے نگاہ

بن ترے جب کسی کل چین نہیں پاتا ہوں
تب بھی یوں ہی دلِ افسردہ کو بہلاتا ہوں

تو ہے آزردہ، تو جھوٹی بھی تسلی نہ سہی
رشک آتا ہے اگر تجھ کو تو یہ بھی نہ سہی

☆☆

1929

التجائے کرم

آ ناز سے پھر اور انیس دل و جاں ہو
اے خونِ طرب! عشق کی نبضوں میں رواں ہو

اللہ ری ظلمت کہ سجھائی نہیں دیتا
اے شمع! خدا کے لیے پھر شعلہ فشاں ہو

اے ماہِ شب چار دہم، پھول کھلا دے
اے موجِ نسیم سحری! عطر فشاں ہو

مرجھا کے نہ رہ جائے کہیں کشتِ تمنا
اے ابر! مچل، اے رُخِ خورشید نہاں ہو

راتیں مجھے کانٹوں پہ بدلواتی ہیں پہلو
اے صبح! علم کھول دے، اے نورعیاں ہو

اے بادہ! کبھی جام سفالیں میں بھی کرناز
اے عرش کبھی فرش پہ بھی نور فشاں ہو

اے دیدۂ بے پروہ و اے نرگسِ مخمور!
دم بھر کے لیے میری طرف بھی نگراں ہو

اے غنچہ لبی! حرف و حکایت کے کھلا پھول
اے کم سخنی! چشمۂ تقریر و بیاں ہو

اُکسا دے چراغ آ کے مرے خانۂ دل کا
قبل اس کے کہ شعلے کی جگہ صرف دھواں ہو

تو ہاتھ جو آ جائے تو پھر جوش کے نزدیک
اک ہو کے برابر بھی نہ جنسِ دو جہاں ہو

☆☆

1928

دوخواب

شب کہ واں سازِ طرب آسودۂ مضراب تھا
گوشۂ خلوت مرا اک دیدۂ پر آب تھا

کنجِ تنہائی میں تھا یاں صرف اک ناکام دل
مسندِ شادی پہ واں انبوہ شیخ و شاب تھا

یاں، اسیرِ یاس پر چھائی ہوئی تھی مردنی
واں عروسِ نو کا چہرہ غرقِ آب و تاب تھا

خاک پر یاں سر تھا، اور آنکھوں میں اشکِ لالہ رنگ
فرش پر واں پھول تھے اور چرخ پر مہتاب تھا

یاں بساطِ تشنگی پر تھیں بلا کی گرمیں
واں حریمِ عیش میں دورِ شرابِ ناب تھا

تھی اُدھر تقریر سے بادِ مراد و موجِ نرم
اس طرف ٹوٹی ہوئی کشتی تھی اور سیلاب تھا

ان کی چشمِ ناز میں تھا واں شکر خوابی کا رنگ
میری آنکھوں کو ادھر فرمانِ ترکِ خواب تھا

آ رہا تھا موج در موج اُس طرف ابرِ بہار
بحرِ غم میں اس طرف گرداب پر گرداب تھا

نامرادی کا تصور بھی نہ تھا واں باریاب
کامرانی کا تخیل بھی یہاں نایاب تھا

ناگہاں آلام کی شدت سے چکرانے لگا
سر، کہ خلدِ زانوئے جاناں سے لذت یاب تھا

کس سے کہیے التفاتِ یار کی دریا دلی
ذرہ ذرہ بوستانِ شوق کا شاداب تھا

قصۂ رنگینِ عہد سجدہ ریزی کیا کہوں
سامنے اُن ابروؤں کا گوشۂ محراب تھا

عشق بازی کا غرور کامرانی، الاماں
میری حسرت میں خود اس کا حسن جب بے تاب تھا

کاش ذوقِ نظر بازی کی راتیں ہائے ہائے
دیدۂ مخمور جب میرے لیے بے خواب تھا

لعلِ گوہر بیز کی ہر آہ تھی موجِ نسیم
نرگسِ رنگیں کا ہر آنسو دُرِ خوش آب تھا

اور اب یہ بیدلی ہے انقلابِ دہر سے
جیسے بحرِ لطف، ازل کے دن ہی سے پایاب تھا

تھا یہی عالم کہ آئی بامِ گردوں سے صدا
یہ بھی اک دن خواب ہو جائے گا وہ بھی خواب تھا

☆☆

1929

التجائے مرگ

کر قطع نخلِ عمر، گلستاں کا واسطہ
یارب، بہارِ عالمِ امکاں کا واسطہ

اب نشۂ حیات سے دے جوش کو فراغ
تجھ کو خمارِ نرگسِ جاناں کا واسطہ

اب آفتابِ عمر کو دے رخصتِ غروب
تجھ کو طلوعِ صبحِ بہاراں کا واسطہ

کام و دہن کو موت کی تلخی سے کر دوچار
شکّر فشانئ لبِ خوباں کا واسطہ

اب طولِ زندگی سے مجھے کر نہ شرمسار
بالیدگیٔ زلفِ پریشاں کا واسطہ

ساقی پلا اجل کی اُبلتی ہوئی شراب
عمر مسیح و چشمۂ حیواں کا واسطہ

اب چشم تر سے چھین بھی لے نورِ زندگی
اہلِ نظر کے دیدۂ حیراں کا واسطہ

آنسو مری حیات کا ٹپکا دے خاک پر
یا رب نزول قطرۂ نیساں کا واسطہ

دے روزِ تلخ زیست کو اب حکم اختصار
تجھ کو درازیٔ شبِ ہجراں کا واسطہ

زدِ قامتِ حیات پہ رکھ اب کمانِ مرگ
تجھ کو سہی قدانِ گلستاں کا واسطہ

جھلکا مری جبیں پہ عرق کرب نزع کا
رنگیں رُخوں کی تابشِ افشاں کا واسطہ

اب مکرِ زندگی سے فراغت کی دے نوید
شیریں لبوں کی سستیِ پیماں کا واسطہ

اب جلد چاک کر مرے رختِ حیات کو
چاکِ قمیصِ یوسفِ کنعاں کا واسطہ

چشمی سے چھوڑ، ناوکِ ہستی شکار کو
مست انکھڑیوں کی جنبشِ مژگاں کا واسطہ

☆☆

1929

گواہ رہنا

اے آم کے خوشنما درختو
اس بات کے تم گواہ رہنا

اس اجڑے ہوئے مکاں کے آگے
تھمتا نہیں آنسوؤں کا بہنا!

☆☆

1930

احساں نہ کیجیے

برباد ہجر بزرگی قرآں نہ کیجیے
اب زحمتِ اعادۂ پیماں نہ کیجیے

اب خانۂ اُمید میں ظلمت ہی نور ہے
تکلیفِ اہتمامِ چراغاں نہ کیجیے

دیکھے ہوئے ہیں کتنے بہاروخزاں کے رنگ
اب خار زارِ دل کو گلستاں نہ کیجیے

چھایا ہوا ہے مطلعِ اُمید پر غبار
اب رُخ پہ کاکلوں کو پریشاں نہ کیجیے

انجامِ عذر خواہی پیشیں کا واسطہ
اب اعترافِ جورِ فراواں نہ کیجیے

اب خطِ شوق بھیجیے بے رنگ ہی مجھے
افشاں کو صرفِ زینتِ عنواں نہ کیجیے

اب دل کو بزمِ ناز کی حسرت نہیں رہی
اب عذرِ بدمزاجیِ درباں نہ کیجیے

سلجھا چکا ہوں عقدۂ آسودگیٔ موت
اب ذکرِ خضر و چشمۂ حیواں نہ کیجیے

اب خنجرِ فراق کو رکھیے نہ میان میں
اب توسنِ وصال کو جولاں نہ کیجیے

اقرارِ اوّلیں کا جنازہ ہے دوش پر
اب تازہ، رسمِ کہنۂ پیماں نہ کیجیے

جس دل پہ ناز تھا وہی باقی نہیں رہا
اب زندگی سے مجھ کو پشیماں نہ کیجیے

دم ہی نہیں ہے جوش میں تجدیدِ شوق کا
احسان اب یہی ہے کہ احساں نہ کیجیے

☆☆

1929

گھٹا چھائی تو کیا؟

گھٹ گئے جب آپ ہی اُودی گھٹا چھائی تو کیا
تربتِ پامال کے سبزے پہ لہر آئی تو کیا؟

جب ضرورت ہی رہی باقی نہ لحن ورنگ کی
کوئلیں کوکیں تو کیا، ساون کی رُت آئی تو کیا؟

ہجر کے آلام سے جب چھٹ چکی معنیِ نشاط
اب ہوا نے خار وخس میں روح دوڑائی تو کیا؟

ہو چکی ذوقِ تبسم ہی سے جب بیگانگی
اب چمن افروز پھولوں کو ہنسی آئی تو کیا؟

مڑ چکی جب موت کے جادے کی جانب زندگی
اب کسی نے عافیت کی راہ دکھلائی تو کیا؟

ہر نفس کے ساتھ دل سے جب دھواں اُٹھنے لگا
بادلوں سے چھنکے اب ٹھنڈی ہوا، آئی تو کیا؟

سامنے جب آپ کے گیسو کی لہریں ہی نہیں
بدلیوں نے چرخ پر اب زلف بکھرائی تو کیا؟

ہو چکا پایاب جب بحرِ سرِ و برگِ شباب
اب سمندر کی جوانی باڑھ پر آئی تو کیا ؟

غنچۂ عہدِ طرب ہی مل چکا جب خاک میں
خاکِ گلشن اب گلِ تر بن کے اترائی تو کیا؟

مٹ چکے جب والہانہ بانکپن کے ولولے
آئی اب دوشیزۂ موسم کو انگڑائی تو کیا ؟

کھل چکا جب پرچمِ غم زندگی کے قصر پر
اب ہواؤں نے کمر پودوں کی لچکائی تو کیا؟

آنسوؤں میں بہہ گئیں جب خون کی جولانیاں
جنگلوں کی چھاؤں میں برسات اٹھلائی تو کیا؟

جوش کے پہلو میں جب تم ہی مچل سکتے نہیں
پھر گھٹا کے دامنوں میں برق لہرائی تو کیا؟

☆☆

1935

اب کیا کروں؟

چھا گئی برسات کی پہلی گھٹا اب کیا کروں؟
خوف تھا جس کا وہ آ پہنچی بلا اب کیا کروں؟

ہجر کو بہلا چلی تھی گرم موسم کی سموم
ناگہاں چلنے لگی ٹھنڈی ہوا، اب کیا کروں؟

آنکھ اُٹھی ہی تھی کہ ابرِ لالہ گوں کی چھاؤں میں
درد سے کہنے لگا کچھ جھٹپٹا ، اب کیا کروں

اشک ابھی تھمنے نہ پائے تھے کہ بیدردی کے ساتھ
بوندیوں سے بوستاں بجنے لگا، اب کیا کروں؟

زخم ابھی بھرنے نہ پائے تھے کہ بادل چرخ پر
آ گیا انگڑائیاں لیتا ہوا، اب کیا کروں؟

آ چلی تھی نیند سی غم کو کہ موسم ناگہاں
بحر و بر میں کروٹیں لینے لگا، اب کیا کروں؟

چرخ کی بے رنگیوں سے سست تھی رفتارِ غم
یک بیک ہر ذرہ گلشن بن گیا، اب کیا کروں؟

قفلِ بابِ شوق تھیں ماحول کی خاموشیاں
دفعتاً کافر پپیہا بول اُٹھا اب کیا کروں؟

ہجر کے سینے میں کچھ کم ہو چلا تھا پیچ و تاب
بال بکھرانے لگی کالی گھٹا اب کیا کروں؟

آنکھ جھپکانے لگی تھی دل میں یادِ حسنِ یار
مور کی آنے لگی بن سے صدا، اب کیا کروں؟

گھٹ چلا تھا غم کی رنگیں بدلیوں کی آڑ سے
اُن کا چہرہ سامنے آنے لگا ، اب کیا کروں

آ رہی ہیں ابر سے اُن کی صدائیں "جوش جوش"
اے خدا اب کیا کروں، یا رِ خدا اب کیا کروں؟

☆☆

1935

طوفان کی آرزو

۔ تو ہے جراحتِ پنہاں کی آرزو
یعنی کسی کی جنبشِ مژگاں کی آرزو

پھر چبھ رہے ہیں قلب میں غربت کے خار و خس
پھر ہے وطن کے سنبل و ریحاں کی آرزو

پھر ہے جمودِ شامِ بلا ، وحشت آفریں
پھر ہے طلوعِ صبح درخشاں کی آرزو

پھر روح ، سوزِ زاغ و زغن سے ہے بیقرار
پھر دل کو ہے خروشِ ہزاراں کی آرزو

پھر ہے ہوائے شہرِ ملامت کا اشتیاق
پھر ہے سوادِ کوچۂ جاناں کی آرزو

پھر قیدِ عقل و ہوش سے گھبرا چکا ہے دل
پھر ہے جنونِ سلسلہ جنباں کی آرزو

پھر ہے طلسمِ عشوۂ ترکانہ کی تلاش
پھر ہے فریبِ وعدہ جاناں کی آرزو

پھر نبضِ شوق میں ہے نہاں خونِ اضطراب
پھر جوئے سُست رو کو ہے طوفاں کی آرزو

پھر قلب میں ہیں پہلوئے جاناں کی حسرتیں
پھر دوش پر ہے زلفِ پریشاں کی آرزو

پھر لے رہی ہے شدتِ وحشت سے کروٹیں
پائے طلب میں کوہ و بیاباں کی آرزو

پھر بخیہ ہائے چاکِ جگر کو ہے آج کل
اک شوخ کے تبسمِ پنہاں کی آرزو

پھر شعلہ زن ہے قصرِ تغافل گزیدہ میں
ماضی کے التفاتِ فراواں کی آرزو

پھر سقف و بام گوشۂ خلوت پہ ہے محیط
بزمِ نشاط و سیرِ گلستاں کی آرزو

پھر سعیِ خیال پہ ہے گرمِ رستخیز
شمع و شراب و شعر و شبستاں کی آرزو

پھر جلوہ گر ہے منظرِ وہم و خیال پر
اک نو بہارِ فتنۂ دوراں کی آرزو

بیزار ہے سکون کی راتوں سے جانِ زار
آنکھوں کو پھر ہے خوابِ پریشاں کی آرزو

پھر کچھ دنوں سے دیدۂ گریاں جوش میں
غلطاں ہے اُن کے گوشۂ داماں کی آرزو

☆☆

1930

پھر اُس طرف چلا ہوں

پھر اُس طرف چلا ہوں فسانہ لیے ہوئے
ماضی کا ہر نفس میں ترانہ لیے ہوئے

پھر جا رہا ہوں جانبِ معمورۂ طرب
ویران دل میں غم کا خزانہ لیے ہوئے

پھر خود سے مکر کر کے رواں ہوں سوئے نگار
سیر و سفر کا دل میں بہانہ لیے ہوئے

پھر کوئے سرخوشی کی طرف جا رہا ہوں میں
شعر و شراب و چنگِ چغانہ لیے ہوئے

پھر جا رہا ہوں دامنِ خرد آرمیدہ میں
بھولا ہوا جنوں کا زمانہ لیے ہوئے

پھر بزمِ رنگ و بو کی طرف مُڑ رہا ہے دل
خونِ گشتہ زندگی کا فسانہ لیے ہوئے

پھر گامزن ہوں مَیکدۂ دوش کی طرف
بقار میں خمارِ شبانہ لیے ہوئے

کیا نازِ عشق ہے کہ اُدھر جا رہا ہوں جوشؔ
اس فقر پر بھی طبعِ شہانہ لیے ہوئے

☆☆

1930

دریوزۂ بے مہری

ماضی کی سمت حُسن کے اشارا نہ کیجیے
اب ذکرِ آب و رنگِ تمنا نہ کیجیے

مانوس ہو چکا ہوں غمِ روزگار سے
اب سازو برگِ عیش مہیا نہ کیجیے

سینہ تمام ذوقِ طرب سے ہے چاک چاک
اب فتنۂ نشاط کا در وا نہ کیجیے

سرمستیِ شبانہ کا انجام، الاماں
اب اہتمامِ ساغر و مینا نہ کیجیے

دل کو لبھا چکی ہیں تغافل شعاریاں
تکلیفِ التفات گوارا نہ کیجیے

راس آ چکی ہے عشق کو بے چین زندگی
اب میرے اضطراب کی پروا نہ کیجیے

دل صلح کر چکا ہے زمانے کے جبر سے
اب مرحمت کی زحمتِ بے جا نہ کیجیے

تھے جس میں وہ شرار کہ اللہ کی پناہ!
اب پھر اسی امید کو پیدا نہ کیجیے

اُف ری مزاجِ حسن کی باطل نوازیاں
اب عشقِ حق پسند کا چرچا نہ کیجیے

کیا فائدہ کہ جاگ اٹھے پھر سے آرزو
اب ذکرِ بے وفائی دنیا نہ کیجیے

دل پہ گزر چکی ہیں ہزاروں قیامتیں
اب مسکرا کے وعدۂ فردا نہ کیجیے

سینے میں بے نقاب ہیں سابق کے تجربے
اب پرسشِ خلوص کا دعویٰ نہ کیجیے

تجدید چاک کی نہیں دامن کو آرزو
اب نقلِ اضطرابِ زلیخا نہ کیجیے

لیکن اگر حضور کو بدبخت جوش پر
آتا نہیں ہے رحم تو اچھا نہ کیجیے

☆☆

1930

انتہائی بے تعلقی

رو برو اس کے گیا میں اس قدر مدت کے بعد
اس کا کیا غم اُس نے ادنیٰ سی عنایت بھی نہ کی

مجھکو تو صرف اس کا شکوہ ہے کہ اُس نے مجھ سے جوشؔ
اتنے دن تک دور رہنے کی شکایت بھی نہ کی

☆☆

1930

دریوزۂ نظر

خدا کے واسطے اے حاجبو نہ دیر کرو
حریم ناز میں کوئی پکار کر کہہ دو

کہ پھر کوئی وطن آوارہ و جگر افگار
ملول و بے کس و مجبور و غم کش و بیمار

جگر کو خون کیے، سختیاں اُٹھائے ہوئے
درِ حضور پہ حاضر ہے سر جھکائے ہوئے

دھڑک رہا ہے کلیجہ ہر ایک آنسو میں
پکارتا ہے کہ دل اب نہیں ہے قابو میں

مرا رفیق نہیں ہے کوئی خدائی میں
زمیں جگہ نہیں دیتی تری جدائی میں

جبیں کے نقش میں رنگِ سجود بھرنے کو
ہوا ہوں دور سے حاضر سلام کرنے کو

نہ مرحمت، نہ محبت کا خواستگار ہوں میں
بس ایک نیم نظر کا اُمید دار ہوں میں

☆☆

1930

نقشِ خیال دل سے مٹایا نہیں ہنوز

نقشِ خیال دل سے مٹایا نہیں ہنوز
بے درد میں نے تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز

تیری ہی زلفِ ناز کا اب تک اسیر ہوں
یعنی کسی۔کے دام میں آیا نہیں ہنوز

یادش بخیر جس پہ کبھی تھی تری نظر
وہ دل کسی سے میں نے لگایا نہیں ہنوز

وہ سر جو تیری راہ گزر میں تھا سجدہ ریز
میں نے کسی قدم پہ جھکایا نہیں ہنوز

محراب جاں میں تو نے جلایا تھا خود جسے
سینے کا وہ چراغ بجھایا نہیں ہنوز

اُس پیکِ خاص کو جسے ٹھکرا چکا ہے تو
اپنی نظر سے میں نے گرایا نہیں ہنوز

بے ہوش ہو کے جلد تجھے ہوش آ گیا
میں بدنصیب ہوش میں آیا نہیں ہنوز

دنیا نے تجھ کو خوابِ گراں سے جگا دیا
لیکن مجھے کسی نے جگایا نہیں ہنوز

تو کاروبارِ شوق میں تنہا نہیں رہا
میرا کسی نے ہاتھ بٹایا نہیں ہنوز

گردن کو آج بھی تری باہوں کی یاد ہے
یہ منتوں کا طوق بڑھایا نہیں ہنوز

مر کر بھی آئے گی یہ صدا قبرِ جوش سے
بے درد، میں نے تجھ کو بھلایا نہیں ہنوز

☆☆

1930

ہنوز یاد ہے

ہنوز یاد ہے وہ رنگِ اضطراب ترا
بھرا تھا درد کے نغموں سے جب رباب ترا

عجیب دور تھا وہ دور بھی جب او ظالم
لباسِ عشق میں تھا حسنِ لا جواب ترا

جو شب کو روپ میں پروانے کے تھی شمع تری
سحر کو بھیس میں بلبل کے تھا گلاب ترا

وہ تیری پہلی ملاقات کی روپہلی رات
اُدھر تھا چاند، ادھر دیدۂ "پُر آب" ترا

کبھی خدا کی مشیت پہ برہمی تیری
کبھی خود اپنی تمناؤں پر عتاب ترا

وہ ماہتاب کے طوفاں میں اُلجھنیں تیری
وہ ابر و باد کی ہلچل میں اضطراب ترا

وہ ابتدائے محبت کی تند راتوں میں
بساطِ غم پہ مچلتا ہوا شباب ترا

وہ آنسوؤں کے دھندلکے میں چشم ناز تری
وہ کروٹوں کے تلاطم میں فرشِ خواب ترا

وہ بات بات میں چھالے کا سا تپک اُٹھنا
نظر جھکا کے وہ لہجہ درِ خطاب ترا

وہ میری بزمِ محبت، وہ تیری شمع جمال
وہ دامِ ذرۂ خاکی میں آفتاب ترا

وہ تیری زلف کے خم سے مری پریشانی
وہ اپنی سانس کی خوشبو سے پیچ و تاب ترا

وہ اضطراب کا روٹھا ہوا سکون مرا
وہ ولولوں کا ستایا ہوا حجاب ترا

مژہ کی طرح جھپکتا ہوا وہ میرا سوز
وہ دل کی طرح دھڑکتا ہوا، جواب ترا

یہ پوچھ جوشؔ سے کس درجہ تلخ و شیریں ہے
اُس التفات کے بعد اب یہ اجتناب ترا

☆☆

1931

یاد کر وہ دِن

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے رازدانِ یک دگر
راز دانِ یک دگر، شرح و بیانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے دورِ نوشانوش میں
لحنِ شیریں و شرابِ ارغوانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے قربِ کامل کے طفیل
قالبِ یک دیگر و روحِ روانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے بزمِ فکر و بحث میں
ہم خیال و ہم نوا و ہم زبانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے عہدِ صلح و جنگ میں
مہربانِ یک دگر نامہربانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے شام سے تا صبح گاہ
قصۂ یک دیگر و افسانہ خوانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے کاروبارِ شوق میں
دولتِ یک دیگر و جنسِ دکانِ یک دگر

یاد کر وہ دن کہ ہم تھے آرزو کی راہ میں
کاروانِ شوق و گردِ کاروانِ یک دگر

یاد کر وہ دن، بمرگِ جوش جب ناز و نیاز
دورِ سوز و ساز میں تھے ترجمانِ یک دگر

☆☆

1932

شعلہ و شبنم

جوش

==========☆☆==========

اس انجمنِ گل میں شعلے بھی ہیں شبنم بھی

==========☆☆==========

مطبوعہ ۔ 1936

تہدیہ

اے روحِ عصر حاضر و ہندوستاں نُو
لایا ہے اک صحیفۂ تحفداں ترے لیے

اس مصحفِ عظیم کی اللہ ری وسعتیں
ہر مد ہے مشرقین بداماں ترے لیے

ہر منظر حیات کو دیکھا ہے غور سے
چھوڑا نہیں ہے ایک بھی عنواں ترے لیے

رُکتی ہے جس مقام پہ روح الامیں کی سانس
دل کو وہاں کیا ہے پَرافشاں ترے لیے

لایا ہوں بزم و رزم کی ارضِ تضاد سے
یہ طبلِ جنگ و سازِ شبستاں ترے لیے

کتنی شبوں کے طاق میں رکھ کر چراغِ دل
پرکھی ہے روحِ عالمِ امکاں ترے لیے

اس کی خبر بھی ہے کہ بنایا گیا ہے لحن
کتنی شبوں کا گریۂ پنہاں ترے لیے

ڈھالے ہیں مرغزار و گلستاں کی شکل میں
کتنے مہیب و تیرہ بیاباں ترے لیے

گوندھی گئی ہے تارِ سخن میں، خبر بھی ہے
کن مہوشوں کی زلفِ پریشاں ترے لیے

کس کو خبر تراش کے کن ظلمتوں کا دل
لایا ہوں میں یہ چشمۂ حیواں تیرے لیے

میں تجھ سے کیا کہوں کہ سخن میں کیا ہے حل
کس شوخ کا تبسمِ پنہاں ترے لیے

واقف بھی ہے کہ موجِ سخن میں ہوئی ہے صرف
کن انکھڑیوں کی جنبشِ مژگاں ترے لیے

لایا ہوں وزن و شعر کی منزل میں کیا کہوں
کیوں کر جراحتِ دلِ انساں ترے لیے

تعبیر کی ترازوئے نرم و نہفتہ میں
تولے ہیں کتنے خوابِ پریشاں ترے لیے

کیا پوچھتا ہے جوشؔ کی بربادیوں کا حال
پرزے ہے کب سے جیب و گریباں ترے لیے

☆☆

فہرست

آتش کدہ

خواب کو جذبۂ بیدار دیے دیتا ہوں
قوم کے ہات میں تلوار دیے دیتا ہوں

(جوش)

کام ہے میرا تغیر، نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

(جوش)

پیمانِ محکم

قسم اُن غازیوں کی موت سے جو جنگ کرتے ہیں
اُنہی تلوار کی برش سے جن کے زخم بھرتے ہیں

قسم اُن کی جو ہنس کر خون میں اپنے نہاتے ہیں
خوشی سے رن میں ڈٹ کر منہ پہ تلواریں جو کھاتے ہیں

قسم اُن کی نظر تیرو سناں سے جن کی لڑتی ہے
اکڑ جاتے ہیں طبلِ جنگ پہ جب چوب پڑتی ہے

قسم اُس نور کی بخشا گیا تھا جو رسالت کو
قسم اُس سوزِ پنہاں کی جو ملتا ہے محبت کو

قسم اس برق کی جو گر کے خرمن پھونک دیتی ہے
قسم اس موت کی جو خنجروں میں سانس لیتی ہے

قسم ہے اس کماں کی جو سرِ میداں کڑکتی ہے
قسم اُس آگ کی جو قلبِ شاعر میں بھڑکتی ہے

قسم اُس زخم خوردہ شیر کی خونی ڈکاروں کی
گرج سے جس کی نبضیں چھوٹ جاتی ہیں کچھاروں کی

قسم اس جذبۂ غیرت کی جو آزاد کرتا ہے
قسم اُس طنطنے کی جس پہ ہر خوددار مرتا ہے

قسم اس شعلۂ غم کی جو فرقت میں بھڑکتا ہے
قسم ہے اس لہو کی ، چشمِ تر سے جو ٹپکتا ہے

قسم اُن گھن گرج پُرہول توپوں کے دہانوں کی
گرج سے جن کی ہل جاتی ہیں بنیادیں چٹانوں کی

قسم اُس کڑکڑاہٹ کی زرہ سے جو نکلتی ہے
قسم اُن زمزموں کی، جن کی زد پر فوج چلتی ہے

قسم گھوڑوں کی اُن ٹاپوں کی، جو رن کو بلاتی ہیں
سروں پہ گرد کا اک خونچکاں بادل بناتی ہیں

قسم اُس سانس کی، جو موت کے ہنگام چلتی ہے
قسم اُس وقت کی، جب زندگی کروٹ بدلتی ہے

قسم اُس عزم کی، ساونت جب میداں میں جاتے ہیں
دمِ رخصت عروسِ نو کا جب گھونگٹ اُٹھاتے ہیں

قسم اُس کی، ثبوت اپنی شرافت کا جو لاتا ہے
نسب نامے پہ اپنے خون کی مہریں لگاتا ہے

قسم اے موت ان کی، رنگ تیرا جو اڑاتے ہیں
تری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جو مسکراتے ہیں

قسم اُن قوتوں کی جو ملیں تھیں رام و لچھمن کو
قسم اُس آگ کی، جو کھا گئی تھی ملکِ راون کو

قسم اُس نور کی، روشن تھے جادے جس سے صحرا کے
جھلکتا تھا جو ٹیکے کی طرح ماتھے پہ سیتا کے

قسم اُس ضرب کی، توڑا تھا جس نے بابِ خیبر کو
قسم اُس شیر کی، جس نے چبا ڈالا تھا عنتر کو

قسم اُس پیاس کی، کوثر کی رو پر جس کا قبضہ تھا
قسم اُس ابر کی، جو کربلا میں گھر کے برسا تھا

قسم اُس تیر کی، چلتا تھا جو چٹکی سے ارجن کی
قسم، میدان میں گاتی ہوئی تلوار کی دھن کی

قسم اُس جوش کی، جو ڈوبتی نبضیں اُبھارے گا
کہ اے ہندوستاں! جیسے ہی تو مجھ کو پکارے گا

مری تیغِ رواں، باطل کے سر پر جگمگائے گی
ترے ہونٹوں کی جنبش ختم بھی ہونے نہ پائے گی

☆☆

غلاموں سے خطاب

اے ہند کے ذلیل غلامانِ روسیاہ!
شاعر سے تو ملاؤ خدا کے لیے نگاہ

اس خوفناک رات کی آخر سحر بھی ہے؟
توپیں گرج رہی ہیں سروں پر خبر بھی ہے؟

اے اُمتِ شکستہ دل و اے گروہِ شل!
کب سے بلا رہا ہوں میں تجھ کو سوئے عمل

تجھ پر مرے کلام کا ہوتا نہیں اثر
چونکا رہا ہوں کب سے میں شانے جھنجھوڑ کر

حالانکہ میرا شعر ہے وہ حرفِ تند و تیز
طوفاں بدوش و صاعقہ پیما و حشر خیز

ضد پہ جو آئے، بات میں پتھر کو توڑ دے
صرف اک صدا سے گنبدِ بے در کو توڑ دے

چاہے تو زمہریر سے اُڑنے لگیں شرار
گلبرگِ تر کے بطن سے پیدا ہو ذوالفقار

اُکسائے میرا شعر اگر جذبہ ہائے جنگ
پیدا ہو آبگینے کے اندر مزاجِ سنگ

خرمن میں میرا شعر اگر کج کرے کلاہ
خس تک بجلیوں سے اڑانے لگے نگاہ

آہن کے جوہروں سے ٹپکنے لگے شراب
پیری کی ہڈیوں میں چھلکنے لگے شباب

تجھ کو یقیں نہ آئے گا اے دائمی غلام!
میں جا کے مقبروں میں سناؤں اگر کلام

خود موت سے حیات کے چشمے اُبل پڑیں
قبروں سے سر کو پیٹ کے مردے نکل پڑیں

میرے رجز سے لرزہ بر اندام ہے زمیں
افسوس تیرے کان پہ جوں رینگتی نہیں

تو چپ رہا ، زمین ہلی، آسماں ہلا
تجھ سے تو کیا، خدا سے کروں گا میں یہ گلا

ان بزدلوں کے حسن پہ شیدا کیا ہے کیوں؟
نامرد قوم میں مجھے پیدا کیا ہے کیوں؟

☆☆

ترکِ جمود

ہر اک کے واسطے یہ نازشِ دوام کہاں
نبردِ عشق کہاں، جرأتِ عوام کہاں

تڑپ کے مجھ کو پکارا ہے ملک و ملت نے
اب آج سے مجھے پروائے ننگ و نام کہاں

ہوا ہے حکم کہ لے کام موجِ صرصر سے
اب اختلاطِ نسیمِ سبک خرام کہاں

کہا گیا ہے کہ پی مہرِ نیم روز سے مے
اب انتظامِ شبِ ماہ و دورِ جام کہاں

عطا کیا ہے مشیت نے نظمِ دشت و جبل
دماغِ عشق کو اب فکرِ سقف و بام کہاں

نظر ہے اوج پہ جنبش میں ہیں پَر پرواز
بساطِ خاک پہ اب فرصتِ قیام کہاں

نظر ہے جلوۂ عالم کی نا تمامی پر
اب اعتبارِ جمالِ مہِ تمام کہاں

سرِ نیاز ہے خم پیشِ بختگانِ جنوں
اب احترامِ دلِ افسردگانِ خام کہاں

نگاہ میں ہے جوانانِ برق تز کی روش
اب اقتدائے حریفانِ نرم گام کہاں

ہوا ہے حکم کہ بن رازدانِ آتش و برق
اب آبِ چہرۂ خوبانِ لالہ فام کہاں

تغیرات کی رو سے گزر رہی ہے نگاہ
اب اہتمامِ تماشائے حسنِ بام کہاں

لبِ حیات نے چھیڑا ہے قصۂ خونیں
مری زبان کو اب رخصتِ کلام کہاں

چلا ہوں سر بکف اُس سمت آج خود ہی جوش
اب آرزو کو سرِ نامہ و پیام کہاں

☆☆

نعرۂ شباب

(بوڑھے لیڈروں کی انجمن میں)

ہوشیار! اپنی متاعِ رہبری سے ہوشیار
اے جنوں نا آشنا پیری و شیب ہرزہ کار

اُڑ گیا روئے نگارِ آسماں سے رنگِ خواب
جھلملاتی شمع! رخصت ہو، کہ اُبھرا آفتاب

ہٹ، کہ اب سعی و عمل کی راہ میں آتا ہوں میں
خلق واقف ہے کہ جب آتا ہوں، چھا جاتا ہوں میں

اے قدامت! یہ کھلی ہے سامنے راہِ فرار
بھاگ وہ آیا نئی تہذیب کا پروردگار

کام ہے میرا تغیّر نام ہے میرا شباب
میرا نعرہ انقلاب و انقلاب و انقلاب

کوئی قوت راہ سے مجھ کو ہٹا سکتی نہیں
کوئی ضربت میری گردن کو جھکا سکتی نہیں

رنگ سورج کا اڑاتا ہے مرے سینے کا داغ
بادِ صرصر کا بدل دیتا ہے رُخ، میرا چراغ

سنگ و آہن میں مری نظروں سے چبھ جاتی ہے پھانس
آندھیوں کی میرے میداں میں اُکھڑ جاتی ہے سانس

دیکھ کر میرے جنوں کو ناز فرماتے ہوئے
موت شرماتی ہے میرے سامنے آتے ہوئے

الاماں، کجروی، ریا آلودہ پیری! الاماں
اب کڑکتی ہے ترے سر پر جوانی کی کماں

ہو جو غیرت ڈوب مر، یہ عُمر، یہ دورِ جنوں
دشمنوں کی خواہشِ تقسیم کی صیدِ زبوں

یہ ستم کیا، اے کنیزِ ''کفر و ایماں'' کر دیا؟
بھائیوں کو گائے اور باجے پہ قرباں کر دیا

کر دیا طولِ غلامی نے تجھے کوتہ خیال
جھریاں ہیں یہ تیرے منہ پر کہ غداری کا جال

دیکھتی ہے صرف اپنے ہی کو اے دھندلی نگاہ
سر بھڑک اُٹھا ہے لیکن دل ابھی تک ہے سیاہ

ہو چلے منہ! ختم کر یہ ''عاقبت بینی'' کا شور
دیکھ اب بزدل! مری ''ناعاقبت بینی'' کا زور

چہرۂ 'امروز' ہے میرے لیے ماہِ تمام
خوفِ 'فردا' ہے مری رنگیں شریعت میں حرام

تیر جاتی ہے دلِ فولاد میں میری نظر
خون میرا خندہ زن رہتا ہے موجِ برق پر

اور تمنائیں ہیں تری سسکیاں بھرتی ہوئی
اُونگھتی، کڑھتی، بلکتی، کانپتی، ڈرتی ہوئی

تیری باتوں سے پڑی جاتی ہے کانوں میں خراش
'کفر و ایماں' 'کفر و ایماں' تا کجا؟ خاموش باش؟

حبِّ انساں ، ذوقِ حق، خوفِ خدا کچھ بھی نہیں
تیرا 'ایماں' چند وہموں کے سوا، کچھ بھی نہیں

تیرے جھوٹے 'کفر و ایماں' کو مٹا ڈالوں گا میں
ہڈیاں اس 'کفر و ایماں' کی چبا ڈالوں گا میں

ولولے میرے بڑھیں گے ناز فرماتے ہوئے
فرقہ بندی کا سر ناپاک ٹھکراتے ہوئے

ڈال دوں گا طرح نو اجمیر اور پریاگ میں
جھونک دوں گا 'کفر و ایماں' کی دہکتی آگ میں

کوثر و گنگا کو اک مرکز پہ لانے کے لیے
اک نیا سنگم بناؤں گا زمانے کے لیے

ایک دینِ نو کی لکھوں گا کتاب. زرفشاں
ثبت ہو گا جس کی زرّیں جلد پر "ہندوستاں"

اس نئے مذہب پہ سارے تفرقے واروں گا میں
تجھ پہ پھر گردن ہلا کر قہقہے ماروں گا میں

پھر اُٹھوں گا ابر کے مانند بل کھاتا ہوا
گھومتا، گھِرتا، گرجتا، گونجتا، گاتا ہوا

خون میں لتھڑی ہوئی بساط "کفر و دیں" اُلٹے ہوئے
فخر سے سینے کو تانے، آستیں اُلٹے ہوئے

ولولوں سے برق کے مانند لہرایا ہوا
موت کے سائے میں رہ کر موت پر چھایا ہوا

☆☆

حُسن اور مزدوری

ایک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بے قرار
چوڑیاں بجتی ہیں کنکر کوٹنے سے بار بار

چوڑیوں کے ساز میں یہ سوز ہے کیسا بھرا
آنکھ میں آنسو بنی جاتی ہے جس کی ہر صدا

گرد ہے رخسار پر زُلفیں اٹی ہیں خاک میں
نازکی بل کھا رہی ہے دیدۂ غمناک میں

ہو رہا ہے جذب، مہرِ خونچکاں کے رو برو
کنکروں کی نبض میں اُٹھتی جوانی کا لہو

دھوپ میں لہرا رہی ہے کاکلِ عنبر سرشت
ہو رہا ہے کم سنی کا لوچ جزوِ سنگ و خشت

پی رہی ہیں سرخ کرنیں مہرِ آتش بار کی
نرگسی آنکھوں کا رس، مے چمپئی رخسار کی

غم کے بادل، خاطرِ نازک پہ ہیں چھائے ہوئے
عارضِ رنگیں ہیں یا دو پھول مرجھائے ہوئے

چیتھڑوں میں دیدنی ہے روئے غمگین شباب
ابر کے آوارہ ٹکڑوں میں ہو جیسے ماہتاب

اُف یہ ناداری مرے سینے سے اُٹھتا ہے دھواں
آہ اے افلاس کے مارے ہوئے ہندوستاں

حُسن ہو مجبور کنکر توڑنے کے واسطے
دستِ نازک اور پتھر توڑنے کے واسطے

فکر سے جھک جائے وہ گردن تف اے لیل و نہار
جس میں ہونا چاہیے پھولوں کا اک ہلکا سا ہار

آسماں جانِ طرب کو وقفِ رنجوری کرے
صنفِ نازک بھوک سے تنگ آ کے مزدوری کرے

اُس جبیں پر اور پسینہ ہو جھلکنے کے لیے
جو جبینِ ناز ہو افشاں چھڑکنے کے لیے

بھیک میں وہ ہاتھ اُٹھیں التجا کے واسطے
جن کو قدرت نے بنایا ہو حنا کے واسطے

نازکی سے جو اٹھا سکتی نہ ہو کاجل کا بار
اُن سبک پلکوں پہ بیٹھے راہ کا بوجھل غبار

کیوں فلک! مجبور ہوں آنسو بہانے کے لیے
انکھڑیاں ہوں جو دلوں میں ڈوب جانے کے لیے

مفلسی چھانٹے اُسے قہر و غضب کے واسطے
جس کا کھڑا ہو شبستانِ طرب کے واسطے

فرطِ خشکی سے وہ لب ترسیں تکلم کے لیے
جن کو قدرت نے تراشا ہو تبسم کے لیے

نازنینوں کا یہ عالم، مادرِ ہند! آہ آہ
کس کے جورِ ناروا نے کر دیا تجھ کو تباہ؟

مَن برستا تھا کبھی دن رات تیری خاک پر
سچ بتا اے ہند! تجھ کو کھا گئی کس کی نظر

باغ تیرا کیوں جہنم کا نمونہ ہو گیا؟
آہ، کیوں تیرا بھرا دربار سونا ہو گیا؟

سر برہنہ کیوں ہے، وہ پھولوں کی چادر کیا ہوئی؟
اے شبِ تاریک! تیری بزمِ اختر کیا ہوئی؟

جس کے آگے تھا قمر کا رنگ پھیکا کیا ہوا؟
اے عروسِ نو! ترے ماتھے کا ٹیکا کیا ہوا؟

اے خدا! ہندوستاں پر یہ نحوست تا کجا؟
آخر اس جنت پہ دوزخ کی حکومت تا کجا؟

گردنِ حق پر خراشِ تیغِ باطل تا بہ کے؟
اہلِ دل کے واسطے طوق و سلاسل تا بہ کے؟

سرزمینِ رنگ و بو پر عکسِ گلخن تا کجا؟
پاک سیتا کے لیے زندانِ راون تا کجا؟

دستِ نازک کو رسن سے اب چھڑانا چاہیے
اس کلائی میں تو کنگن جگمگانا چاہیے

☆☆

آثارِ انقلاب

قسم اس دل کی چسکا ہے جسے صہبا پرستی کا
یہ دل، پہچانتا ہے جو مزاج اشیائے ہستی کا

قسم ان تیز کانوں کی کہ، ہنگامِ قدح نوشی
سنا کرتے ہیں جو راتوں کو بحر و بر کی سرگوشی

قسم اس روح کی، خو ہے جسے فطرت پرستی کی
گنا کرتی ہے راتوں کو جو ضربیں قلبِ ہستی کی

قسم اس ذوق کی عادی ہے جو آثارِ قدرت پر
ضمیرِ کائنات، آئینہ ہے جس کی لطافت پر

قسم اس حس کی، جو پہچان کر تیور ہواؤں کے
سنائی ہے خبر طوفان کی، طوفان سے پہلے

قسم اس نور کی، کشتی جوان آنکھوں کی کھیتا ہے
جو نقشِ پا کے اندر عزمِ رہرو دیکھ لیتا ہے

قسم اس فکر کی، سوگند اس تخئیلِ محکم کی
جو سنتی ہے صدائیں جنبشِ مژگانِ عالم کی

قسم اس آنکھ کی جو درسِ بینش مجھ کو دیتی ہے
زمیں کی بھاپ میں جو بجلیوں کو دیکھ لیتی ہے

قسم اُس روح کی جو عرش کو رفعت سکھاتی ہے
کہ راتوں کو مرے کانوں میں یہ آواز آتی ہے

اُٹھو، وہ صبح کا غرفہ کھلا، زنجیرِ شب ٹوٹی
وہ دیکھو پَو پھٹی غنچے کھلے پہلی کرن پھوٹی

اٹھو، چونکو، بڑھو، منہ ہاتھ دھو آنکھوں کو مل ڈالو
ہوائے انقلاب آنے کو ہے ہندوستاں والو!

☆☆

ملکوں کا رجز

انگلستان

مری روح عمل پر تنگ ہے عالم کی پہنائی
مرے پائے تجارت پر جلال تاج دارائی
مری مٹھی میں ہے خورشید خاور، بحر بے پایاں
مری جودت کے آگے سرنگوں قوموں کی دانائی
معاذ اللہ میرے پنجۂ ہمت کی گیرائی

☆

امریکہ

مری دولت کے آگے دولتِ قاروں ہے شرمندہ
مرے آئین محکم ہیں، مری تعمیر پائندہ
مرے آئینۂ ثروت میں عکسِ زندگی غلطاں
مری پیشانیِ ہمت پہ برقِ عزم رخشندہ
مری جانکاہیاں بیدار، میری قوتیں زندہ

☆

فرانس

جواہر، جنگِ عالمگیر کے، میرے خزانوں میں
بحسبِ رنگ و بو میرے مہکتے گلستانوں میں
دلوں میں عشق کی گرمی، سروں میں عقل کا سودا
کبھی گم لحنِ خوباں میں، کبھی جنگی ترانوں میں
مری راتیں نگاروں میں، مرے دن کارخانوں میں

☆

جرمنی

خرابی سے ہمیشہ درسِ استحکام لیتا ہوں
حریفوں کی نزاعِ باہمی سے کام لیتا ہوں
عروسِ ارتقا کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا
جو چھٹ جاتا ہے تو پھر بڑھ کے دامن تھام لیتا ہوں
خدا چاہے تو پھر اب تیغِ خوں آشام لیتا ہوں

☆☆

روس

رواں ہے تیغ میری گردنِ غفلت شعاری پر
مرا دل خون ہے مزدور کی فریاد و زاری پر
جھکے ہیں کشتِ دہقاں پر مرے اُمڈے ہوئے بادل
تپاں ہے برق میری خرمنِ سرمایہ داری پر
عرق ہے میری ہیبت سے جبینِ شہر یاری پر

☆☆

جاپان

رہِ علم و عمل میں دیر سے ہنگامہ آرا ہوں
طلسمِ کاروبارِ شوق و طوفانِ تمنا ہوں
قسم کھائی ہے میری سعی نے بیدار بختی کی
میں ہر بازار کا یوسف ہوں، ہر صنعت کا مولا ہوں
غرورِ ایشیا ہوں، محرمِ امروز و فردا ہوں

☆☆

ترکی

مرے افکار میں تہذیبِ نو کی کارفرمائی
پڑی ہے اک نئی صورت سے طرحِ بزم آرائی
مریضِ جاں بہ لب سمجھے ہوئے تھی جس کو اک دنیا
خدا کا شکر اب ہے مظہرِ زور و توانائی
توانائی کے پردے میں ہے اعجازِ مسیحائی

☆☆

ایران

تبسم آفریں ہے پھر طلوعِ صبحِ نورانی
کیانی شان و شوکت پھر ہے گرمِ بالِ جنبانی
گھٹا چھائی ہے رکنا باد و بستانِ مصلّٰی پر
برسنے پر ہے جذبِ کاوش و عزمِ جہاں بانی
"مباد ایں جمع را یا رب غم از بادِ پریشانی"

☆☆

افغانستان

مرے دشت و جبل پر مہر آزادی کی تنویریں
پڑی ہیں دیر سے ٹوٹی ہوئی غفلت کی زنجیریں
مرے ساونت میدانوں میں نکلے ہیں علم کھولے
جبینوں پر ابھر آئی ہیں خود داری کی تحریریں
نگاہوں میں چمکتی بجلیاں، ہاتھوں میں شمشیریں

☆☆

ہندوستان

نہنگوں کا سمندر ہوں، درندوں کا بیاباں ہوں

عدو سے کیا غرض، اپنوں ہی سے دست و گریباں ہوں

خدا کے فضل سے بدبخت ہوں بزدل ہوں ناداں ہوں

مری گردن میں ہے طوقِ غلامی، پابجولاں ہوں

درِ آقا پہ سر ہے کشمکشِ برادری پہ نازاں ہوں

☆☆

بیدار ہو بیدار

اے مردِ خدا فتنۂ اغیار سے ہوشیار
ہشیار ہو، ہشیار ہو، ہشیار ہو، ہشیار
ہم تجھ سے نہ کہتے تھے کہ ہونے کو ہے پیکار؟
لے آ گئی وہ ، سر پہ چمکتی ہوئی تلوار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

بیدار ہے پھر فتنۂ چنگیز جہاں میں
اور تو ہے ابھی تک اثرِ خوابِ گراں میں
صیاد کمینوں میں ہیں، ناوک ہیں کماں میں
پیشانیٔ دوراں پہ ہیں شب خون کے آثار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

تو نے روشِ خدمت اغیار نہ چھوڑی
اب تک رسنِ سبحہ و زنار نہ چھوڑی
آشفتگیٔ اندک و بسیار نہ چھوڑی
افسوس ہے اے جنس غلامی کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

شیون کبھی بلبل کو گوارا نہیں ہوتا
جب تک گلِ رنگیں کا اشارا نہیں ہوتا
بے آگ جو چڑھتا ہے وہ پارا نہیں ہوتا
بے وجہ نہیں کشمکش کافر و دیں دار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

مرہم ابھی تیار نہیں، زخم رسیدہ!
افسوس ہے اے صاحبِ اوصافِ حمیدہ
"گرگِ دہن آلودہ و یوسف نہ دریدہ"
اے مصر کے بازار میں یوسف کے خریدار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

اب تک تری محرومی تقدیر وہی ہے
بدلے ہوئے الفاظ ہیں تقریر وہی ہے
گو، روپ تو زلفوں کا ہے، زنجیر وہی ہے
ہر حلقۂ کاکل میں ہے زنجیر کی جھنکار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار
بیدار ہو، بیدار!!

یک رنگ ہے جو، جیت ہے دنیا میں اسی کی
اے صید کشاکش! یہ دورنگی نہیں اچھی
یا اپنے کفِ پا میں لگا ناز سے مہندی
یا جامۂ ہستی کو بنا خون سے گلنار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار
بیدار ہو، بیدار!!

دم بھر تو کبھی غور کر اے خفتہ مقدر
مادہ تجھے قدرت نے بنایا ہے، کہ ہے نر
یا اوڑھ لے، اے زہرہ جبیں! مقنع و چادر
یا کھینچ لے، اے مردِ خدا میان سے تلوار
بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار
بیدار ہو، بیدار!!

یا حجلۂ رنگیں میں دکھا عشوۂ پُر فن

یا رن میں کچھ اس شان سے آ، گونج اُٹھے رن

یا گوندھ کے چوٹی کو پہن پھول سے کنگن

یا سر سے کفن باندھ کے مرنے پہ ہو تیار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

یا فرشِ عروسی پہ بدل ناز سے پہلو

یا عرصۂ جرأت میں دکھا قوتِ بازو

یا رقص کی محفل میں بجا تال سے گھنگرو

یا جنگ کے میداں میں سنا تیغ کی جھنکار

بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار ہو، بیدار

بیدار ہو، بیدار!!

☆☆

صدائے بیداری

یہ مانا ، سر زمینِ ہند پر نکبت برستی ہے
زبانوں پر حدیثِ اوج ہے فکروں میں پستی ہے

یہ مانا آج ہم میدانِ وحشت میں رجز خواں ہیں
عدو بھی سر پہ ہے آپس میں بھی دست و گریباں ہیں

مگر راتوں کو جب فکرِ وطن میں سر جھکاتا ہوں
فضائے سرد میں دھیمی سی اک آواز پاتا ہوں

یہ آواز اس لطافت سے مرے کانوں میں آتی ہے
صبا جس طرح زیرِ شاخِ سنبل گنگناتی ہے

فضا میں جس طرح روح الامیں کی بال جنبانی
برستا ہو کہیں کچھ دور جیسے خواب میں پانی

جگاتی ہے سحر جس ناز سے نغموں کو دریا میں
ہوا کی سنسناہٹ جس طرح گنجان صحرا میں

حقیقت کیا بتاؤں اس صدائے روح افزا کی
نہاں ہیں جس کے اندر کاوشیں امروز و فردا کی

یہ مشرق محو ہے ، صبح تجلی زار ہونے میں
یہ روح ایشیا مصروف ہے بیدار ہونے میں

☆☆

کسان

جھٹپٹے کا نرم رو دریا شفق کا اضطراب
کھیتیاں میدان خاموشی غروبِ آفتاب

دشت کے کام و دہن کو دن کی تلخی سے فراغ
دُور دریا کے کنارے دُھندلے دُھندلے سے چراغ

زیرِ لب ارض و سما میں باہمی گفت و شنود
مشعلِ گردوں کے بجھ جانے سے اک ہلکا سا دود

وسعتیں میدان کی سورج کے چھپ جانے سے تنگ
سبزۂ افسردہ پر خواب آفریں ہلکا سا رنگ

خامشی اور خامشی میں سنسناہٹ کی صدا
شام کی خنکی سے گویا دن کی گرمی کا گِلا

اپنے دامن کو برابر قطع سا کرتا ہوا
تیرگی میں کھیتیوں کے درمیاں کا فاصلا

خار و خس پر ایک درد انگیز افسانے کی شان
بامِ گردوں پر کسی کے روٹھ کر جانے کی شان

دُوب کی خوشبو میں شبنم کی نمی سے اک سرور
چرخ پر بادل زمیں پر تتلیاں سر پر طیور

پارہ پارہ ابر، سرخی، سرخیوں میں کچھ دھواں
بھولی بھٹکی سی زمیں کھویا ہوا سا آسماں

پتیاں مخمور، کلیاں آنکھ جھپکاتی ہوئی
نرم جاں پودوں کو گویا نیند سی آتی ہوئی

یہ سماں اور اک قوی انسان یعنی کاشتکار
ارتقا کا پیشوا تہذیب کا پروردگار

جس کے ماتھے کے پسینے سے ہے عز و وقار
کرتی ہے دریوزۂ تابش کلاہِ تاجدار

سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی
جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی

جس کی محنت سے پھبکتا ہے تنِ آسانی کا باغ
جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدن کا چراغ

جس کے بازو کی صلابت پر نزاکت کا مدار
جس کے کس بل پر اکڑتا ہے غرورِ شہر یار

دھوپ کے جھلسے ہوئے رُخ پر مشقت کے نشاں
کھیت سے پھیرے ہوئے منہ گھر کی جانب ہے رواں

ٹوکرا سر پر بغل میں پھاوڑا تیوری پہ بل
سامنے بیلوں کی جوڑی دوش پر مضبوط ہل

کون ہل؟ ظلمت شکن قندیلِ بزمِ آب و گِل
قصرِ گلشن کا دریچہ، سینۂ گیتی کا دل

خوش نما شہروں کا بانی، رازِ فطرت کا سراغ
خاندانِ تیغ جوہر دار کا چشم و چراغ

دھار پر جس کی چمن پرور شگوفوں کا نظام
شام زیرِ ارض کو صبحِ درخشاں کا پیام

ڈوبتا ہے خاک میں جو رُوح دوڑاتا ہوا
مضمحل ذرّوں کی موسیقی کو چونکاتا ہوا

جس کے چھو جاتے ہی مثلِ نازنینِ مہہ جبیں
کروٹوں پر کروٹیں لیتی ہے لیلائے زمیں

پردہ ہائے خواب ہو جاتے ہیں جس سے چاک چاک
مسکرا کر اپنی چادر کو ہٹا دیتی ہے خاک

جس کی تابش میں درخشانی ہلالِ عید کی
خاک کے مایوس مطلع پر کرن اُمید کی

طفلِ باراں ، تاجدارِ خاک، امیرِ بوستاں
ماہرِ آئینِ قدرت، ناظمِ بزمِ جہاں

ناظرِ گل، پاسبانِ رنگ و بو گلشن پناہ
ناز پرور لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ

وارثِ اسرارِ فطرت، فاتحِ اُمید و بیم
محرمِ آثارِ باراں ، واقفِ طبعِ نسیم

صبح کا فرزند، خورشید زرافشاں کا علم
محتسبِ پیہم کا "پیماں" سخت کوشی کی "قسم"

جلوۂ قدرت کا شاہد، حسنِ فطرت کا گواہ
ماہ کا دل مہرِ عالم تاب کا نورِ نگاہ

قلب پر جس کے نمایاں نور و ظلمت کا نظام
منکشف جس کی فراست پر مزاجِ صبح و شام

خون ہے جس کی جوانی کا بہارِ روزگار
جس کے اشکوں پر فراغت کے تبسم کا مدار

جس کی محنت کا عرق تیار کرتا ہے شراب
اُڑ کے جس کا رنگ بن جاتا ہے جاں پرور گلاب

قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رقیق
شعلہ خو جھونکوں کا ہمدم تیز کرنوں کا رفیق

خون جس کی بجلیوں کی انجمن میں باریاب
جس کے سر پر جگمگاتی ہے کلاہِ آفتاب

لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو
جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو

دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر

جس کی جانکاہی سے ٹپکاتی ہے امرت نبضِ تاک
جس کے دم سے لالہ و گل بن کے اتراتی ہے خاک

سازِ دولت کو عطا کرتی ہے نغمے جس کی آہ
مانگتا ہے بھیک تابانی کی جس سے روئے شاہ

خون جس کا دوڑتا ہے نبضِ استقلال میں
لوچ بھر دیتا ہے جو شہزادیوں کی چال میں

جس کا مس خاشاک میں بنتا ہے اک چادر مہین
جس کا لوہا مان کر سونا اُگلتی ہے زمین

ہل پہ دہقاں کے چمکتی ہیں شفق کی سرخیاں
اور دہقاں سر جھکائے گھر کی جانب ہے رواں

اس سیاسی رتھ کے پہیوں پر جمائے ہے نظر
جس میں آ جاتی ہے تیزی کھیتیوں کو روند کر

اپنی دولت کو جگر پر تیرِ غم کھاتے ہوئے
دیکھتا ہے ملکِ دشمن کی طرف جاتے ہوئے

قطع ہوتی ہی نہیں تاریکیٔ حرماں سے راہ
فاقہ کش بچوں کے دھندلے آنسوؤں پر ہے نگاہ

پھر رہا ہے خونچکاں آنکھوں کے نیچے بار بار
گھر کی ناامید دیوی کا شبابِ سوگوار

سوچتا جاتا ہے کن آنکھوں سے دیکھا جائے گا
بے ردا بیوی کا سر، بچوں کا منہ اترا ہوا

سیم و زر نان و نمک آب و غذا کچھ بھی نہیں
گھر میں اک خاموش ماتم کے سوا کچھ بھی نہیں

ایک دل اور یہ ہجومِ سوگواری! ہائے ہائے
یہ ستم اے سنگدل سرمایہ داری، ہائے ہائے

تیری آنکھوں میں ہیں غلطاں وہ شقاوت کے شرار
جن کے آگے خنجرِ چنگیز کی مڑتی ہے دھار

بیکسوں کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں تیرے ہات
کیا چبا ڈالے گی او کمبخت! ساری کائنات!

ظلم اور اتنا! کوئی حد بھی ہے اس طوفان کی
بوٹیاں ہیں تیرے جبڑوں میں غریب انسان کی

دیکھ کر تیرے ستم اے حامئ امن و اماں!
گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں

ادعائے پیروئ دین و ایماں اور تو!
دیکھ اپنی کہنیاں جن سے ٹپکتا ہے لہو

ہاں سنبھل جا اب کہ زہرِ اہلِ دل کے آب ہیں
کتنے طوفاں تیری کشتی کے لیے بیتاب ہیں

☆☆

زوالِ جہانبانی

مبارک ہیں مبارک، دشمنوں کے جورِ پنہانی
کہ مشکل کروٹیں لے لے کے بن جاتی ہے آسانی

تجھے معلوم ہے؟ تاریکیاں بڑھتی ہیں جب حد سے
ابلنے لگتی ہے ذرّاتِ خاکی سے درخشانی

دیارِ مصر میں برسوں مسلسل قحط پڑتے ہیں
کہیں ہوتی ہے جب شاداب کشتِ پیرِ کنعانی

منقش ہو نہ جب تک دیدۂ خونبار سے چہرہ
نہیں کھلتی عروسِ رنگ و بو کی چینِ پیشانی

سمجھتا بھی ہے، کیوں غنچوں کے سینے چاک ہوتے ہیں
شگوفوں کو ہے اس پردے میں درسِ عطر افشانی

نہاتی ہیں لہو میں جب بہاریں حبِّ قومی کی
تو ہوتا ہے شگفتہ لالہ زارِ حبِّ انسانی

ہزاروں آسماں جب سر پہ ظالم توڑ چکتا ہے
اُٹھاتا ہے کہیں جھنجلا کے تب مظلوم پیشانی

اسیروں کی تڑپ بجلی گرا دیتی ہے زنداں پر
قفس کے حق میں اک شعلہ ہے طائر کی پر افشانی

مچلتا ہے گدا کے دل میں آزادی کا جب شعلہ
لرز اُٹھتا ہے کھٹک جانے کے ڈر سے تاجِ سلطانی

گزر جاتی ہے جب افتادگی میں جوئے خوں سر سے
کہیں تب تخم کو ملتا ہے فرمانِ گُل افشانی

نہ گھبرا قید و پابندی سے، پابندی وہ دولت ہے
کہ بن جاتا ہے دُرِّ بے بہا، اک بوند بھر پانی

کلیدِ فتح بن جاتا ہے اک دن قفلِ زنداں کا
سنا تو ہوگا تو نے بھی فسانہ ماہِ کنعاں کا

تبسم کی ہوائیں چل رہی ہیں صحنِ عالم میں
بکھرنے پر ہے شیرازہ کتابِ اشکباری کا

چمن سے آ رہی ہیں پھر صدائیں عندلیبوں کی
کلی کو چھو رہا ہے پھر نفس بادِ بہاری کا

شعاعِ حسنِ لیلیٰ موجزن ہے چشمِ مجنوں میں
ہوائے نجد نے الٹا ہے پردہ محملِ عماری کا

فضا میں پھر تڑپتی ہیں شعاعیں مہرِ کاوش کی
دلوں میں پھر بھڑک اٹھا ہے شعلہ بیقراری کا

برستی ہیں فلک سے کاہشیں پھر سرفروشی کی
ابلتا ہے زمیں سے ولولہ پھر جاں سپاری کا

جھپکنے ہی پہ ہے اب آنکھ عصرِ عہدِ غلامی کی
فسانہ ختم ہے اب غیر کی خدمت گزاری کا

رکابیں تھام کر چلنے لگے تھے جو حریفوں کی
سبق دہرا رہے ہیں پھر سے مشقِ شہہ سواری کا

دھمک پیدا ہے پھر چھوٹی ہوئی نبضوں میں مشرق کی
کلیجہ خون ہے پھر مغربی "تجارداری" کا

نظر ہے کلبۂ مزدور پہ معمارِ فطرت کی
تلاطم میں ہے قصرِ آہنی سرمایہ داری کا

شہانِ کج کلہ پر تنگ ہے عالم کی پہنائی
درِ دہقاں پہ دستک دے رہی ہے شانِ دارائی

جہاں بانی دہکتی آگ ہے، گرتی ہوئی بجلی
ہمیشہ اس نے دنیا میں کیا دورِ محن پیدا

ہزاروں تجربوں کے بعد اب انساں یہ سمجھا ہے
کہ شاہی سے نہیں ہوتا شرافت کا چلن پیدا

نہ ہو چینِ جفا جب تک جبینِ شہریاری پر
نہیں ہوتا کلاہِ خسروی میں بانکپن پیدا

چٹانیں سر دُھنیں گی، سنگریزے خون روئیں گے
مگر ہوگا نہ خسرو میں گدازِ کوہکن پیدا

اُمید اس سے نہ رکھ، نادان! مرغانِ خوش الحاں کی
ہمیشہ جس بیاباں سے ہوئے زاغ و زغن پیدا

اُسے بوئے گل و پیراہنِ یوسف سے کیا نسبت
ہوا کرتا ہے جس صنعت سے کافور و کفن پیدا

ترا، اے حامیٔ تاج و علم! کیا یہ عقیدہ ہے؟
کہ ہو سکتی ہے نافِ گرگ سے مُشکِ ختن پیدا

تجھے بیگانۂ وضعِ جہاں! کیا یہ توقع ہے؟
کہ ہوں گے مکتبِ دشنام سے شیریں سخن پیدا

سمجھتا ہے کہ وہ حق بات کی تلخی کو سہہ لے گا؟
خوشامد سے بھی جس ماتھے پہ ہوا اکثر شکن پیدا

سن اے غافل! کہ تا روزِ قیامت نسلِ شاہی سے
نہ ہوگا بزمِ انسانی کا صدرِ انجمن پیدا

مروت آئے گی اُس وقت چشمِ شہر یاری میں
حبش کی خاک سے جس وقت ہوں گے سیم تن پیدا

ڈریں گے کبر سے اس روز یہ فرعون کے وارث
سرِ یزداں میں ہوگا جب دماغِ اہرمن پیدا

نظر ڈالی نہیں تو نے کبھی آئینِ فطرت پر
کیا ہے آج تک شعلے نے برگِ یاسمن پیدا

بہا ہے موت کے چشمے سے دریا آبِ حیواں کا؟
ہوا ہے سینۂ شمشیر سے درِ عدن پیدا؟

جہاں اُگتے ہوں خنجر، اس زمینِ قہرِ فطرت سے
سمجھتا ہے کہ ہوں گے سرو و شمشادِ چمن پیدا

رگِ آہن سے ٹپکی ہیں شرابِ ناب کی موجیں
خمِ زنجیر سے ہوتی ہے زلفِ پُرشکن پیدا

اُٹھائے گا کہاں تک جوتیاں سرمایہ داری کی
جو غیرت ہو تو بنیادیں ہلا دے شہر یاری کی

تنِ نازک پہ تیرے رحم آتا ہے مجھے لیکن
نہ دوں دعوت تجھے کس طرح قوت آزمانے کی

تجھے اے کاش، شاعر کی طرح محسوس ہو سکتا
نظر پڑتی ہے تجھ پر کس حقارت سے زمانے کی

ازل سے نوعِ انسانی کے حق میں طوقِ لعنت ہے
کسی ہم جنس کی چوکھٹ پہ عادت سر جھکانے کی

نہ ہو مغرور اگر مائل بہ نرمی بھی ہو سلطانی
کہ یہ بھی ایک صورت ہے تجھے غافل بنانے کی

گئے وہ دن کہ تو زنداں میں جب آنسو بہاتا تھا
ضرورت ہے قفس پر اب تجھے بجلی گرانے کی

گئے وہ دن کہ تو محرومیٔ قسمت پہ روتا تھا
ضرورت ہے تجھے اب آتشیں توپوں سے ٹکرانے کی

تڑپ، پیہم تڑپ اتنا تڑپ، برقِ تپاں بن جا
خدارا، اے زمینِ بے حقیقت! آسماں بن جا

☆☆

نازک اندامانِ کالج سے خطاب

چھین لی تم نے نسائیت سے ہر شیریں ادا
مرحبا، اے نازک اندامانِ کالج! مرحبا

جنگ سر پر اور یہ محبوبیت چھائی ہوئی
ناز سے نیچی نگاہیں چال اٹھلائی ہوئی

انگڑیوں میں عشوۂ ترکانہ در کھولے ہوئے
"سینٹ" کی خوشبو میں روحِ ناز پر تولے ہوئے

خال و خد سے چند بہائے صنفِ نازک آشکار
کرزنی چہروں میں 'زن' بننے کے ارماں بیقرار

الحذر! یہ جنبشِ مژگاں کا شیریں ارتعاش
عزتِ آبا کا دل ہے جس کی رو میں پاش پاش

الاماں! یہ ریشمیں موزے ہیں گو اُترے ہوئے
ذوق ہے گھنگھرو کا 'جکنیں' پاؤں میں پہنے ہوئے

ریشمی رومال سے ہے فرقِ نازک پہ بہار
اُوڑھنی پر دیدنی ہے راہ کا گرد و غبار

نازکی کا مقتضی، پتلی چھڑی باندھے ہوئے
شوق کنگن کا کلائی پہ گھڑی باندھے ہوئے

جنگ اور نازک کلائی ہیچ ہیں تقدیر کے
مُڑ نہ جائے گی 'نگوڑی' بوجھ سے شمشیر کے؟

پاؤں رکھتے ہو دمِ گل گشت کس کس ناز سے
اے میں قرباں رن میں نکلو گے اسی انداز سے

دیر سے توپوں کے منہ کھولے ہوئے ہے روزگار
سینۂ گیتی میں ہے جس کی دھمک سے خلفشار

شغلِ زینت سے تمھیں فرصت مگر ملتی نہیں
کیا تمھارے پاؤں کے نیچے زمیں ہلتی نہیں

سن لو جو موزوں نہیں مردانہ سیرت کے لیے
زندگی اُن کی وبا ہے آدمیت کے لیے

مرد کہتے ہیں اُسے اے مانگ چوٹی کے غلام
جس کے ہاتھوں میں ہو طوفانی عناصر کی لگام

مرد کی تخلیق ہے زور آزمانے کے لیے
گردنیں سرکش حوادث کی جھکانے کے لیے

مرد ہے سیلاب کے اندر اکڑنے کے لیے
بحر کی بپھری ہوئی موجوں سے لڑنے کے لیے

مرد کہتے ہیں اُسے اے بندگانِ طمطراق
جو جلالِ برق و باراں کا اُڑاتا ہو مذاق

دوڑتا ہو شعلہ خو بجلی کا دامن تھامنے
مسکراتا ہو گرجتے بادلوں کے سامنے

مضحکہ کرتا ہو خون آشام تلواروں کے ساتھ
کھیلتی ہوں جس کی نیندیں سرخ انگاروں کے ساتھ

تم مگر اس زندگی کے کھیل سے رہتے ہو دور
آفریں اے عصر حاضر کے جوانانِ غیور!

ہے تمہارا ارتقا پروردۂ سعیِ زوال
الاماں تعلیمِ کالج کا اجل پیما مآل

جیب میں کوڑی نہیں اور اس قدر شاہانہ شکوہ
سر جھکا لے شرم سے اے فاقہ مستوں کی گروہ

یوں تمہارے منہ کے اندر ہے فرنگی کی زبان
خوف ہے گونگا نہ ہو جائے کہیں ہندوستان

یہ لباسِ مغربی جلووں کو چمکاتا نہیں
تم کو اس بہروپیے پن سے حجاب آتا نہیں

کیا غضب ہے تم سے بوئے ایشیا آتی نہیں
سچ کہو کیا واقعی تم کو حیا آتی نہیں

زندگی طوفان ہے اور ناؤ ہو تم پاپ کی
آہ جیتی جاگتی بدبختیوں ماں باپ کی

یہ بھی کوئی زندگی ہے غم کی ماری زندگی
نوعِ انسانی کی ذلّت ہے تمھاری زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے سست و غافل زندگی
بے حمیت بد گہر، بے روح بزدل زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے پست و ابتر زندگی
فکر سے کچلی ہوئی بیمار و لاغر زندگی

یہ بھی کوئی زندگی ہے بے نظام و بے لباس
جذبۂ تقلیدِ مغرب میں زبون و بدحواس

آہ بھرتی زندگی آنسو بہاتی زندگی
بھوک کی دلدل کی تہہ میں کلبلاتی زندگی

بھاگتی، بجھتی، دہکتی، تھرتھراتی زندگی
کانپتی، ڈرتی، لرزتی، کپکپاتی زندگی

جس کو اک دن بھی نہ حاصل فارغ البالی ہوئی
موت کے بے رحم و سرد آغوش کی پالی ہوئی

راستہ دیتی ہوئی ہیم سرکتی زندگی
پیٹ کے بل رینگنے والی سسکتی زندگی

مفلسی کی یورشِ پیہم سے گھبرائی ہوئی
غیر کی روندی ہوئی، دشمن کی ٹھکرائی ہوئی

آہ اے بیگانۂ انجام و آغازِ حیات
سن کہ تا کھل جائے تیری موت پر رازِ حیات

اہلِ عالم کی نظر میں محترم ہوتا نہیں
مرد جب تک صاحبِ سیف و قلم ہوتا نہیں

سیف کا دامن تو ہے اک عمر سے چھوٹا ہوا
اور قلم ہے اک، سو وہ بھی خیر سے ٹوٹا ہوا

کچھ خبر بھی ہے تجھے اے طفلکِ زار و نزار
زیست کا ہے دست و بازو کی صلابت پر مدار

غور سے سن اے نگارِ مجلسِ تہذیبِ خام
کھر درے ہاتھوں میں رہتی ہے حکومت کی لگام

بل پہ لو ہے کے جو لے سکتا ہے دنیا سے خراج
جگمگاتا ہے اسی کے فرق پر سونے کا تاج

فکرِ ناقص کو تری سرمایۂ تحقیق دے
کاش دنیا مرد بننے کی تجھے توفیق دے

عزم تیرا آگ کے سانچے میں جب ڈھل جائے گا
طوقِ محکومی کا لوہا خود بخود گل جائے گا

☆☆

بغاوت

ہاں، بغاوت! آگ، بجلی، موت آندھی میرا نام
میرے گرد و پیش اجل، میری جلو میں قتلِ عام

زرد ہو جاتا ہے میرے سامنے روئے حیات
کانپ اٹھتی ہے مری چینِ جبیں سے کائنات

جنگ کے میداں میں میری سیف کی اللہ ری ضو
خاک بن جاتی ہے بجلی، برف ذرے اٹھتی ہے لو

ذکر ہوتا ہے مرا پُر ہول پیکاروں کے ساتھ
ذہن میں آتی ہوں تلواروں کی جھنکاروں کے ساتھ

اللہ اللہ کروٹیں میرے دلِ آزاد کی
جن سے گر جاتی ہیں ڈاٹیں قصرِ استبداد کی

میری اک جنبش سے ہوتا ہے جہاں زیر و زبر
میری سرتابی ثریا کا جھکا دیتی ہے سر

ایک چنگاری مری جنت کو کرتی ہے تباہ
مانگتا رہتا ہے میری آگ سے دوزخ پناہ

الحذر! میری کڑک کا روز ہنگامِ مصاف
صاف پڑ جاتا ہے ایوانِ حکومت میں شگاف

اللہ اللہ بزمِ ہستی میں مری گل باریاں
ٹکڑے ٹکڑے دست و بازو، ریزہ ریزہ استخواں

الاماں والحذر! میری کڑک میرا جلال
خون، سفاکی، گرج، طوفان، بربادی قتال

برچھیاں بھالے، کمانیں تیر، تلواریں کٹار
بیرقیں، پرچم، علم، گھوڑے، پیادے، شہ سوار

آندھیوں سے میری اڑ جاتا ہے دنیا کا نظام
رحم کا احساس ہے میری شریعت میں حرام

موت ہے خوراک میری موت پر جیتی ہوں میں
سیر ہو کر گوشت کھاتی ہوں، لہو پیتی ہوں میں

پیاس سے باہر نکل پڑتی ہے جب میری زباں
بہنے لگتی ہیں سرِ میداں لہو کی ندیاں

جنگ کی صورت سے گو ہنگامہ کرتی ہوں شروع
امن کی شمسیں مرے خنجر سے ہوتی ہیں طلوع

میرا مولد مفلسی کا دل ہے حسرت کا دماغ
میری پیدائش کے حجرے میں نہیں جلتا چراغ

گود میں ناداریوں کی پرورش پاتی ہوں میں
بھوک ہی کا دودھ پی پی کر جواں ہوتی ہوں میں

گرم نالے منھ اندھیرے سے جگاتے ہیں مجھے
اشکِ غم، ہر صبح آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

مجھ کو بچپن کے زمانے ہی سے ہر صبح و مسا
پیٹ کی مارتی ہوئی مخلوق دیتی ہے غذا

جس کو حاصل زندگی کا کچھ مزا ہوتا نہیں
کچھ بھی جس کے پاس ماضی کے سوا ہوتا نہیں

جس کی چشمِ تر میں یوں کھاتے ہیں ارماں پیچ و تاب
دھار پر تلوار کی جیسے شعاعِ آفتاب

ختم ہو جاتا ہے جب اہلِ جہاں کا غلغلہ
رات کے آغوش میں کھلتا ہے میرا مدرسہ

کھل کے پوری سانس لینے سے بھی گھبراتی ہوں میں
درس لینے کے لیے بچوں کے تل جاتی ہوں میں

ہر قدم پر بھوت آوازیں سناتے ہیں مجھے
تیرہ دیواروں کے سائے تک ڈراتے ہیں مجھے

ایک دنیا سے نرالی ہے مرے مکتب کی شان
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں، اور کھلے رہتے ہیں کان

بستۂ قرطاس ہو سکتی نہیں میری کتاب
خون کی چادر پہ چھپتا ہے مرا خونی نصاب

اُف! در و دیوار میرے مدرسے کے، الاماں!
درس دیتی ہیں جہاں سہمی ہوئی سرگوشیاں

دیکھنے سے جن کے پتھر کا بھی دل ہو جائے شق
مجھ کو وہ اترے ہوئے چہرے پڑھاتے ہیں سبق

اوّل اوّل جان دینے کا سبق لیتی ہوں میں
آخر آخر جان لینے کا سبق لیتی ہوں میں

کچھ دنوں تو فرطِ حیرت سے میں رہتی ہوں خموش
آخر آ جاتا ہے میری روحِ سرتابی کو جوش

پھر تو میں چنگھاڑتی ہوں خوفناک انداز میں
موت کی آواز ہوتی ہے مری آواز میں

برق کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں گفتاریں مری
میان سے باہر! اُبل پڑتی ہیں تلواریں مری

موت بن کر زندگی کے سر پہ چھا جاتی ہوں میں
سب سے پہلے بڑھ کے غداروں کو کھا جاتی ہوں میں

سوزِ ملت سے جو پہلو مشتعل رکھتے نہیں
ہاں وہی غدار، سینوں میں جو دل رکھتے نہیں

سلطنت کی سمت پھر بڑھتی ہوں بل کھاتی ہوئی
قید اور قانون کو ذلت سے ٹھکراتی ہوئی

اپنی زد کی گرد میں صحنِ زمیں اُلٹے ہوئے
میان سے خنجر نکالے، آستیں اُلٹے ہوئے

باندھتی ہوں شہریوں کے سر پہ یہ کہہ کر کفن
تم ہو اشجع، ناوک افگن، صف شکن، شمشیر زن

تم ہو غازی، جنگ جو، لشکر شکن، میرِ سپاہ
تم ہو رستم، مردِ میداں، شیر دل، عالم پناہ

تم ہو سرِ لشکر، سپاہی برق پیا، سخت کوش
تم ہو صفدر، سورما، ساونت، سرکش، سر فروش

ایڑیاں تم اور رگڑو آب و ناں کے واسطے
ریڑھ کی ہڈی ہو تم جسمِ جہاں کے واسطے

اے جواں مردو! یہ ذلت کس لیے سہتے ہو تم ؟
مرد ہو کر ٹھوکروں کی زد پہ کیوں رہتے ہو تم؟

مادہ سیرت بن کے تو رہتے نہیں دنیا میں نر
ٹھوکروں کے واسطے ہوتا نہیں مردوں کا سر

لختِ دل انسان کھائے اور خونِ دل پیے
تف ہے اس جینے پہ، مر مر کے جیے تو کیا جیے

سچ کہو تم ننگِ محکومی سے شرماتے نہیں
کیا تم اپنی عورتوں کے سامنے جاتے نہیں

کب نکالو گے تمنائیں دلِ برباد کی
کیا ہوئیں تیغیں تمہارے نامور اجداد کی ؟

اے جواں مردو! خدارا باندھ لو سر سے کفن
سر برہنہ پھر رہی ہے عزتِ قوم و وطن

ہاں زمیں کو زیر کرکے آسمانوں پر چڑھو
ہاں بڑھو اے صف شکن ہیرو! بڑھو، جلدی بڑھو

پاؤں میں تاچند زنجیرِ غلامی کی خراش
صرف اک جنبش! ابھی ہوتی ہیں کڑیاں پاش پاش

میری آوازوں سے کانپ اُٹھتا ہے روحوں کا سکوں
جذبۂ غیرت کی آنکھوں میں اُتر آتا ہے خوں

شور اُٹھتا ہے محض اک وہم ہے دار و رسن
یا تو اب ہم تاج ہی پہنیں گے یا خونیں کفن

کپکپاتی ہے زمیں اُٹھتا ہے ہلکا سا غبار
دوڑنے لگتے ہیں مرکب بڑھنے لگتے ہیں سوار

عمل کی روں روں سے جل اُٹھتے ہیں آنکھوں میں چراغ
جھن جھناتے ہیں جلا جل سنسناتے ہیں دماغ

کھلنے لگتا ہے مگر جس وقت پرچم جنگ کا
پہلے بڑھ کر میں حکومت کو یہ دیتی ہوں صدا

اے جفا پرور امارت! دیکھ ناداروں سے بھاگ
بھاگ، دیوانوں کی خوں آشام تلواروں سے بھاگ

موت کا پیغام ہے بپھرے ہوئے شیروں کا وار
مدعی! کف در دہاں آبادیوں سے ہوشیار!

خلق ہے بیتاب تیرا منہ جھلسنے کے لیے
تیرے سونے پر ہے اب لوہا برسنے کے لیے

تیرے مطبخ مفلسوں کی بھوک کھا جانے کو ہے
تیرے زر کی سرخیوں میں آگ لگ جانے کو ہے

حریت کی تند لہروں میں ٹھہر سکتا ہے کون؟
جذبۂ خلقِ خدا کو فتح کر سکتا ہے کون؟

اب بھی آنکھیں کھول اے جنِ خودی، دیوِ ریا!
جذبۂ خلقِ خدا ہے اصل میں عزمِ خدا

راہ سے اپنی مشیت کو ہٹا سکتا ہے کون؟
عزمِ خلاقِ جہاں کا سر جھکا سکتا ہے کون؟

گونجنے لگتی ہیں جب میری صدائیں مثلِ صور
سر اُٹھا کر مسکراتا ہے حکومت کا غرور

مضحکہ، اور قطرۂ شبنم کا انگاروں کے ساتھ
چھیڑ بھی اور ناز سے پیش آئے تلواروں کے ساتھ

عقل کا دستِ تنبیہ زنجیرِ جنوں کی باگ پر
قہقہہ حُسن کا کڑکتی بجلیوں کی آگ پر

ایک مٹی کے دیے کا طنز اور کعبے کا طاق
نرم و نازک آبگینہ ، اور پتھر سے مذاق

اس تمسخر سے مرے سینے میں لگ جاتی ہے آگ
قلعۂ شاہی کی جانب موڑ دیتی ہوں میں باگ

پھر تو جاتا ہے جدھر میرا جنونِ تند خو
پشت پر ہوتی ہیں لاشیں، ہڈیاں ڈھانچے لہو

میرے گرد و پیش کی ہنگامہ خیزی الاماں
شور، غوغا، غلغلہ، فریاد، واویلا فغاں

اللہ اللہ میرے دہشت ناک خونی ولولے
آندھیاں، طوفاں، تلاطم، سیل، صرصر زلزلے

ابتری، وحشت، تزلزل، ظنطنہ، دہشت، فساد
دبدبے گرمی، کشاکش، دغدغے، ہلچل، جہاد

کنگرے ایوانِ شاہی کے جھکا دیتی ہوں میں
جبر و استبداد کی چولیں ہلا دیتی ہوں میں

دندناتی گنبدِ زریں میں گھس جاتی ہوں میں
چاٹ کر سونے کا پانی، آگ برساتی ہوں میں

میرے خرقِ بے کلہ کے سامنے بے اختیار
کانپتا ہے طرۂ طرفِ کلاہِ شہر یار

باندھ کر پیماں گدا کی خستہ سامانی کے ساتھ
کھیلنے لگتی ہوں ہولی خونِ سلطانی کے ساتھ

کس سے رکتی ہوں جب اپنی بات پر آتی ہوں میں
سلطنت کے سر کا گودا تک چبا جاتی ہوں میں

زیر دستوں کو دلا کر خونِ حاکم سے خراج
قیدیوں کے سر پہ رکھ دیتی ہوں آزادی کا تاج

شعلے کے مانند یوں لیتی ہوں پھر انگڑائیاں
سینۂ ارض و سما سے اُٹھنے لگتا ہے دھواں

الاماں! میرا جنوں پرورِ تمرد، الاماں!
آ، سنا دوں میں تجھے دو حرف میں یہ داستاں

جب ازل میں سجدۂ آدم کا اُٹھا تھا سوال
ہاں اُسی ہلچل کے موقع پر کہ تھا وقتِ جلال

خود خدائے برتر و قہار سے افلاک پر
کی تھی میں نے گفتگو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

رعب سلطانی سے یہ چہرہ اُتر سکتا نہیں
جو خدائی سے لڑے، شاہی سے ڈر سکتا نہیں

☆☆

زندان کا گیت

لو آ گیا وہ کوئی گلستاں لیے ہوئے
چہرے پہ رنگِ صبح درخشاں لیے ہوئے

کلیاں ہر اک روش پہ چٹکنے لگیں تمام
گوہر فشاں نئے لبِ خوباں لیے ہوئے

فیضِ صبا سے مقدمِ صبحِ بہار میں
ہر خار و خس ہے جنبشِ مژگاں لیے ہوئے

یہ رنگ کیا ہے کشورِ ہندوستاں کا آج
ہر ذرّۂ حقیر ہے بُستاں لیے ہوئے

یعنی ہر ایک ذرّہ ہے خونِ وفا سے سرخ
اور سرخیاں ہیں رونقِ رضواں لیے ہوئے

اس موجِ خوں سے دل میں نہ لانا کبھی ہراس
یہ موجِ خوں ہے لعلِ بدخشاں لیے ہوئے

اس ترکِ اشتداد سے ہونا نہ بدحواس
یہ ترک ہے خروشِ فراواں لیے ہوئے

ان جالیوں پہ محبسِ تاریک کی نہ جا
یہ جالیاں ہیں جنبشِ جولاں لیے ہوئے

ان کروٹوں کو اہلِ قفس کی سبک نہ جان
یہ کروٹیں ہیں موجۂ طوفاں لیے ہوئے

ان ظلمتوں پہ مطلعِ اُمید کی نہ جا
یہ ظلمتیں ہیں چشمۂ حیواں لیے ہوئے

ظاہر میں بزدلی ہے یہ درماندگی مگر
یہ بزدلی ہے جنگ کا ساماں لیے ہوئے

آگاہ ہو ندیم! کہ یہ زہرۂ صبر
دل میں ہے عزمِ شعلۂ عریاں لیے ہوئے

آزادیوں کے دیکھ رہا ہے لطیف خواب
زندانیانِ عشق کو زنداں لیے ہوئے

اے پیر خستہ! مژدہ کہ چلی ہوائے مصر
بوئے قمیصِ یوسفِ کنعاں لیے ہوئے

کہہ دو صدف سے آنکھ اُٹھائے سوئے فلک
آیا ہے ابر قطرۂ نیساں لیے ہوئے

بلقیس سے کہو کہ سرِ بارگاہِ ناز
پریاں کھڑی ہیں تختِ سلیماں لیے ہوئے

جوشؔ اہلِ دل کے پاؤں کی زنجیر پر نہ جا
یہ سلسلہ ہے زلفِ پریشاں لیے ہوئے

☆☆

ہوشیار

آ رہی ہے نیند تجھ کو درمیانِ کارزار
دیکھ وہ تیغِ عدو چمکی، خدارا ہوشیار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

خون کے دھارے کے اندر سے ہے جس کا راستہ
آنسوؤں کے سیل میں تو ڈھونڈتا ہے وہ دیار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

آ رہی ہے دشتِ استبداد سے بادِ سموم
اور تو اس کو سمجھتی ہے نسیمِ خوشگوار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

تن سے رخصت ہو رہی ہے روحِ مزدورِ ضعیف
حلق پر رکھا ہوا ہے خنجرِ سرمایہ دار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

جانور لیں سانس یک رنگی و آزادی کے ساتھ
نوعِ انساں اور تقسیمِ غلام و شہریار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

ضعف و قوت میں توازن ہو یہ ممکن ہی نہیں
پھول سے گلچیں کا ہر پیمان ہے نا استوار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

رحم کی درخواست سے پہلے یہ دل میں سوچ لے
خون ہے خادم کا آقا کے گلستاں کی بہار
ہوشیار
اے مردِ غافل ہوشیار

گرگ رہ جاتے ہیں دانتوں میں دبا کر انگلیاں

آدمی کا آدمی کرتا ہے اکثر یوں شکار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

دیکھتا ہوں عصرِ حاضر کی نگاہِ مہر میں

وہ دہکتی آگ کا تپیس جس سے دوزخ کے شرار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

عرصۂ عالم کا ہر ذرّہ ہے میزانِ عمل

بزمِ ہست و بود کا ہر روز ہے روزِ شمار

ہوشیار

اے مردِ غافل ہوشیار

☆☆

ایک شہیدِ وطن کی یاد میں

اے بہادر! اے شہیدِ خنجرِ ارباب کیں
جان جو اس شان سے دیتا ہے مر سکتا نہیں

پڑ رہی ہے اُس طرف گردن میں پھانسی کی گرہ
کھل رہا ہے اس طرف آغوشِ فردوسِ بریں

نو جوانو، توڑ ڈالو سبحہ و زنار کو
تا کجا یہ احمقانہ دار و گیرِ کفر و دیں؟

نوجوانو ، عشق کو درکار ہے مجنوں کا دل
تا بہ کے یہ عشوہائے لیلائے محمل نشیں؟

نوجوانو! خون جینے کے لیے تھوڑا سا خون
خون کی پیاسی ہے مدت سے وطن کی سرزمیں

پوچھے اب تم سے اگر کوئی کہ "ہیں جانیں عزیز"؟
یک زباں ہو کر پکار اٹھو "نہیں ہرگز نہیں"

☆☆

بزمِ باقی

چونک اے دل کہ ابھی تک ہے وہ محفل باقی
وہی محمل ہے وہی رونقِ محمل باقی

اب بھی ہر چیز ہے آئینۂ رخسارِ حبیب
اب بھی ہر شے ہے یہاں ناز کے قابل باقی

اب بھی ہر دل پہ ہے اُس کاکلِ شبرنگ کا دام
اب بھی ہر روح میں ہے شورِ سلاسل باقی

آج تک کشمکشِ عشق کا محکم ہے نظام
وہی ناخن ہے وہی عقدۂ مشکل باقی

سن کر اب تک ہیں بیاباں میں جرسِ گرمِ فغاں
اُٹھ کہ اب تک ہیں بہت واقفِ منزل باقی

ذرۂ خاک کو جو مہر بنا دیتا ہے
آج بھی تجھ میں ہے وہ جوہر قابل باقی

رہ کو منزلِ مقصود سمجھنے والے
جانتا ہے ابھی کتنے ہیں مراحل باقی

غور کرنے سے اُلجھتا ہے ترا دل ، ورنہ
اب بھی ہے کشمکشِ حلِ مسائل باقی

دل میں جو آگ تھی ہر چند پڑی ہے خاموش
پھر بھی اک آنچ سی ہے خجلِ دل باقی

تو نے سننے کی قسم کھائی ہے ناداں ورنہ
اب بھی گلشن میں ہے گلبانگ عنادل باقی

تونے کیا سوچ کے یوں میان میں رکھ لی تلوار
دیکھ اب تک ہے نزاعِ حق و باطل باقی

نبضِ ہستی کی دھمک ، جوش ہو کیوں کر محسوس
جو دھڑکتا تھا وہ پہلو میں نہیں دل باقی

☆☆

مستقبل کے نام

یہ [illegible] شیریں [illegible] ہیں
یہ گل عذار ہیں، یہ لالہ فام ہیں

سب وجہ شادمانی بشاش رہنے والے
یہ موج سرخوشی پہ ہنس ہنس کے بہنے والے

یہ دم کی دعا کو تاثیر دینے والے
یہ خواب زندگی کی تعبیر دینے والے

رہ رہ کے یہ فلک کی جانب تکنے والے
یہ شاخ عمر نو کے تازہ چھلکنے والے

یہ اینڈنے، مچلنے، بڑھنے، ابھرنے والے
یہ رنگ تازہ نقش عالم میں بھرنے والے

کس شانِ دل کشی سے پھرتے ہیں شور کرتے
یہ مسکراتے غنچے، یہ بولتے شگوفے

امواجِ زندگی پر الماس کے سفینے
شیرینیوں سے مملو، ذی روح آبگینے

فطرت نے دل سے چاہا ان کا لطیف ہونا
دی ماہِ نو کی چاندی پہلی کرن کا سونا

لیکن وطن کی حالت پیہم بدل رہی ہے
دل سے یہ روح فرسا آواز آ رہی ہے

اک دن ذلیل و وحشی ان کے بھی نام ہوں گے
اپنی ہی طرح اک دن یہ بھی غلام ہوں گے

☆☆

شریکِ زندگی سے خطاب

اے شریکِ زندگی! اس بات پر روتی ہے تو
کیوں مرا ذوقِ ادب ہے مائلِ جام و سبو

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ اہلِ خانقاہ
داڑھیوں سے ہنڈیوں کو کر رہے ہیں روسیاہ

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ دشمن کا عتاب
تیرے ہم جنسوں کی راہوں میں اُلٹتا ہے نقاب

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ہے گرمِ فغاں
سبحہ و زنّار میں جکڑا ہوا ہندوستاں

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ تیرے نونہال
بن رہے ہیں مغربی تہذیب سے رنگیں جمال

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ تھے جو شہ سوار
آج ان لڑکوں میں ہے لیلیٰ، سلمیٰ کا نکھار

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ہندی نوجواں
کھو چکا ہے صف شکن اسلاف کی روحِ تپاں

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ شمشیر وطن
بن چکی ہے بزمِ محکومی کی شمعِ انجمن

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ ملت کا شباب
شیب کی ناوقت یورش سے ہے جویائے خضاب

کس لیے اس پر نہیں روتی کہ بیٹے کی جبیں
باپ کے ماتھے کی سی تابندگی رکھتی نہیں

چھوڑ کر چہرے کے دھبے، آئینہ دھوتی ہے تو
میری درویشانہ میخواری پہ کیا روتی ہے تو!

☆☆

زمانہ بدلنے والا ہے

ستم شعار! یہ انداز [illegible]

[illegible]

یہ درسِ امن کی ابلہ فریبیاں تاچند؟
یہ اشتہارِ کرم کی فسوں گری کب تک؟

یہ بزمِ عیش یہ آہنگِ خسروی تاکے
یہ سازِ کیف یہ گلبانگِ قیصری کب تک ؟

یہ فرِ کنگرۂ قصرِ برتری تاچند
یہ رعبِ طرۂ دستارِ سروری کب تک؟

یہ کافرانہ نگاہِ خدارسی تاکے
یہ بزدلانہ ادائے سپہ گری کب تک؟

یہ طنطنے یہ تحکم یہ دبدبے تاچند
یہ نادری، یہ خدائی، یہ قاہری کب تک؟

یہ شغلِ ظلم یہ آئینِ دل دہی تاکے
یہ مشقِ جور یہ اندازِ دلبری کب تک؟

یہ چیرہ دستیٔ تثلیثِ ناروا تاچند
یہ فتنہ خیزیٔ توحید آزری کب تک؟

یہ شیطنت میں نمودِ پیمبری تاکے
پیمبری میں یہ اندازِ داوری کب تک؟

ٹھہر کہ چرخ نئی چال چلنے والا ہے
سنبھل سنبھل کہ زمانہ بدلنے والا ہے

☆☆

اللہ کرے

اللہ کرے اے ہند، اس فتنۂ دوراں میں
ہو گوئے ظفر مندی تیرے خمِ چوگاں میں

کانٹوں کو بناتی ہے جو بادِ صبا گلشن
آئے وہ صبا تیرے اُجڑے ہوئے بُستاں میں

دل ملتے رہیں مے سے معبود وہ مے ٹپکا
پیمانۂ ہندو میں مینائے مسلماں میں

راتوں کو چٹکتے ہیں سینے میں جو شاعر کے
وہ عقدہ کشا غنچے مہکیں ترے داماں میں

اوراق سے اُڑ جائیں اغیار کی تحریریں
اب مُہر تری چمکے ہر دفتر و دیواں میں

ہاں نوح کی کشتی کی تقدیر ملے تجھ کو
اس بحرِ سیاست کے بپھرے ہوئے طوفاں میں

اے طاقِ وطن تجھ میں اسے بار [illegible]
وہ نور کہ شعلاں تھا قندیل [illegible]

اے کاش کبھی تیری ظلمت کی طرف دیکھے
وہ شمع کہ روشن ہے عشرت گہہِ یزداں میں

ساقی کے تبسم سے اور جوش کے بربط سے
روشن ہوں کنول تیری محراب زر افشاں میں

☆☆

مستقبل

مژدہ اے دل کہ نیا اب سر و ساماں ہوگا
جس کو دشوار سمجھتا ہے وہ آساں ہوگا

ایک بار اور صبا لائے گی پیغام وصال
ایک بار اور علاج غم ہجراں ہوگا

ایک مبہم سا نشاں ہوگا سان
ایک جوا سا فسانہ غم دوراں ہوگا

سنگریزہ کہ سر خاک پڑا ہے خاموش
کاوش مہر سے کل لعل بدخشاں ہوگا

رونق دشت و جبل قصر سلاطیں ہوں گے
ہمسر بام فلک کلبۂ دہقاں ہوگا

قدم فقر پہ جھک جائے گی شاہی کی جبیں
دست افلاس میں دولت کا گریباں ہوگا

خوفِ صیاد سے جو بھول چکا ہے پرواز
کل وہی مرغِ قفس مرغِ سلیماں ہوگا

تپ رہا ہے جو بیاباں کی کڑی دھوپ میں آج
کل اسی سر کے لیے تاجِ زر افشاں ہوگا

آج جو دوب کا اک ریشہ ہے اور کچھ بھی نہیں
کل وہ تلوار کی صورت میں نمایاں ہوگا

آج جس بزم پہ طاری ہے جلالِ فرعون
کل وہیں دبدبۂ موسیٰ عمراں ہوگا

آج جس رعب سے ہے روئے امارت پہ شکوہ
کل وہ مزدور کے چہرے سے نمایاں ہوگا

حکمِ ساقی سے ہے جو حلقۂ بیرونِ در آج
کل وہی بزم میں رقصاں و غزل خواں ہوگا

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد
عالمِ پیر دگر بارہ جواں خواہد شد
(حافظ)

☆☆

وطن

اے وطن پاک وطن! روحِ روانِ احرار
اے کہ ذرّوں میں ترے بوئے چمن رنگِ بہار
اے کہ خوابیدہ تری خاک میں شاہانہ وقار
اے کہ ہر خار ترا روکشِ صد روئے نگار
ریزے الماس کے، تیرے خس و خاشاک میں ہیں
ہڈیاں اپنے بزرگوں کی تری خاک میں ہیں

پائی غنچوں میں ترے، رنگ کی دنیا ہم نے
تیرے کانٹوں سے لیا درسِ تمنا ہم نے
تیرے قطروں سے سنی قرأتِ دریا ہم نے
تیرے ذرّوں میں پڑھی آیتِ صحرا ہم نے
کیا بتائیں کہ تری بزم میں کیا کیا دیکھا
ایک آئینے میں دنیا کا تماشا دیکھا

یوں ہی روشن رنگیں میں ہیں بانہیں اپنی
تیرے ہی عشق میں ہیں صبح کی آہیں اپنی
تیرے ہی حسن سے روشن ہیں نگاہیں اپنی
تن ہوئیں تیری ہی محفل میں کلاہیں اپنی
بانکپن سیکھ لیے عشق کی اداؤں سے
دل لگایا بھی تو تیرے ہی پری زادوں سے

پہلے جس چیز کو دیکھا وہ فضا تیری تھی
پہلے جو کان میں آئی وہ صدا تیری تھی
پالنا جس نے ہلایا وہ ہوا تیری تھی
جس نے گہوارے میں چوما وہ صبا تیری تھی
اولیں رقص ہوا مست گھٹا میں تیری
بھیگی ہیں اپنی مسیں آب و ہوا میں تیری

اے وطن! آج سے کیا ہم ترے شیدائی ہیں
سحر جس دن سے کھلی تیرے تمنائی ہیں
مدتوں سے ترے جلووں کے تماشائی ہیں
ہم تو بچپن سے ترے عاشق و سودائی ہیں
بھائی شغل ہے جب آن جہاں میں تیری
بات تتلا کے جو کی بھی تو زباں میں تیری

تیرے ہی مناظر نے دکھایا ہم کو

.. تری صبح کے نغموں نے جگایا ہم کو

تیرے ہی ابر نے جھولوں میں جھلایا ہم کو

تیرے ہی پھولوں نے نوشاہ بنایا ہم کو

خندۂ گل کی خبر تیری زبانی آئی

تیرے باغوں میں ہوا کھا کے جوانی آئی

تجھ سے منھ موڑ کے منھ اپنا دکھائیں گے کہاں؟

گھر جو چھوڑیں گے تو پھر چھاؤنی چھائیں گے کہاں؟

بزم اغیار میں آرام یہ پائیں گے کہاں؟

تجھ سے ہم روٹھ کے جائیں گے تو جائیں گے کہاں

تیرے ہاتھوں میں ہے قسمت کا نوشتہ اپنا

کس قدر تجھ سے بھی مضبوط ہے رشتہ اپنا

اے وطن! جوش ہے پھر قوت ایمانی میں

خوف کیا دل کو سفینہ ہے جو طغیانی میں

دل سے مصروف ہیں ہر طرح کی قربانی میں

محو ہیں جو تری کشتی کی نگہبانی میں

غرق کرنے کو جو کہتے ہیں زمانے والے

مسکراتے ہیں تری ناؤ چلانے والے

ہم زمیں کو تری ناپاک نہ ہونے دیں گے
تیرے دامن کو کبھی چاک نہ ہونے دیں گے
تجکو جیتے ہیں تو غم ناک نہ ہونے دیں گے
ایسی اکسیر کو یوں خاک نہ ہونے دیں گے

جی میں ٹھانی ہے یہی جی سے گزر جائیں گے
کم سے کم وعدہ یہ کرتے ہیں کہ مر جائیں گے

☆☆

شکستِ زنداں کا خواب

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی، اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا، آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے، دم توڑ رہی ہیں تدبیریں

آنکھوں میں گدا کی سرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں

کیا اُن کو خبر تھی زیر و زبر رکھتے تھے جو روحِ ملت کو
اُبلیں گے زمیں سے مارِ سیہ برسیں گی فلک سے شمشیریں

کیا ان کو خبر تھی سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں

کیا اُن کو خبر تھی ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں

سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اُٹھا جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اُٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

☆☆

علی گڑھ کالج کی پنجاہ سالہ

(جوبلی)

یہ نہ پوچھو کہ ہم نے کیا دیکھا
جوبلی میں وہ ماجرا دیکھا

قوم سے جس نے کر دیا بیزار
بن گئے ہم تو نقش بر دیوار

تے بہروپیے نظر آئے
پنی آنکھوں میں اشک بھر آئے

پوششیں مغربی اماموں کی
صورتیں مشرقی غلاموں کی

پینٹ میں ہاتھ اور منہ میں سگار
شانے ہلتے ہوئے دمِ گفتار

طاقِ دل میں چراغ انگریزی
سر کے اندر دماغ انگریزی

جسمِ ہندی میں جان انگریزی
منھ کے اندر زبان انگریزی

گفتگو میں بنی ہوئی آواز
خمِ گردن میں مغربی انداز

چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے
لہجہ "صاحب" سے اپنا مل جائے

جوش! پنجاہ سالہ جوبلی کا
آپ سمجھے کہ مدعا کیا تھا؟

یہ جتانا تھا، دیکھو بڑھ گئے ہم
سوئے نصرانیت پچاس قدم!

آنچ کم، ہر طرف دھواں ہی دھواں
وائے بر سعیِ سید احمد خاں

☆☆

علی گڑھ سے خطاب

اے علی گڑھ، اے جواں قسمت دبستانِ کہن
اے کہ شمعِ فکر سے تابندہ تیری انجمن
تیرے پیمانوں میں لرزاں ہے شرابِ علم و فن
حشر کے دن تک پھلا پھولا رہے تیرا چمن
مشعلِ بینا سے روشن تیرا میخانہ رہے
رہتی دنیا تک ترا گردش میں پیمانہ رہے

ایک دن ہم بھی تری آنکھوں کے بیماروں میں تھے
تیری جنسِ علم پرور کے خریداروں میں تھے
تیری زلفِ خم بہ خم کے نوگرفتاروں میں تھے
تیرے اصنامِ سمن بر کے پرستاروں میں تھے
تیری برقِ جلوۂ رنگیں پہ شیدا ہم بھی تھے
تیرے کوہِ طور کے اک روز موسیٰ ہم بھی تھے

لیکن اے علم و معارف کے درخشاں آفتاب
کچھ بہ انداز دگر بھی تجھ سے کرنا ہے خطاب
گویا دھڑکا ہے کہ ہوں گا مورد قہر و عتاب
کہہ بھی دوں جو کچھ ہے دل میں تا کجا یہ پیچ و تاب
بن پڑے جو کسی اپنے سے وہ کرنا چاہیے
مرد کو کہنے کے موقع پر نہ ڈرنا چاہیے

اے علی گڑھ! اے ہلاک جلوۂ وضع فرنگ
'ٹیمز' ہے آغوش میں تیرے بجائے موج گنگ
طلسم مغرب میں ہے آوارہ تیری ہر اُمنگ
ولولوں پر تیرے شاید عرصۂ مشرق ہے تنگ
آ، کہ حیراں ہے وطن کا کارواں تیرے لیے
گوش بر آواز ہے ہندوستاں تیرے لیے

عاشق مغرب: نگاہ شرق کے جادو بھی دیکھ
اے سنہری زلف کے قیدی، سیہ گیسو بھی دیکھ
دیدۂ ازرق کے شیدا، دیدۂ آہو بھی دیکھ
سازِ بے رنگی کے بندے سوزِ رنگ و بو بھی دیکھ
'جسم' تا کے؟ روح لرزاں کے شرارے کو بھی دیکھ
'ٹیمز' سے منھ موڑ کر گنگا کے دھارے کو بھی دیکھ

پختہ کاری، سیکھ، یہ آئینِ خامی تا کجا
جادۂ افرنگ ہے یہ ٹھڈگاہی تا کجا
سوچ تو جی میں یہ جھوٹی نیک نامی تا کجا
مغربی تہذیب کے طوقِ غلامی تا کجا

مرد اگر ہے غیر کی تقلید کرنا چھوڑ دے
چھوڑ دے، للہ! بالاقساط مرنا چھوڑ دے

☆☆

لمحۂ آزادی

سنو اے بستگانِ زلفِ گیتی ندا کیا آ رہی ہے آسماں سے

کہ آزادی کا اک لمحہ ہے بہتر، غلامی کی حیاتِ جاوداں سے

☆☆

خان بہادر اور شمس العلما

بڑھتی ہے بہادری جتنی
جبیں کی دھوپ چڑھتی جاتی ہے

جس قدر شمس ہو رہے ہیں طلوع
تیرگی اور بڑھتی جاتی ہے

☆☆

مقتلِ کانپور

اے سیہ رو، بے حیا، وحشی، کمینے، بدگماں
اے جبینِ ارض کے داغ، اے ننگِ ہندوستان

تجھ پہ لعنت اے فرنگی کے غلامِ بے شعور
یہ فضائے صلح پرور، یہ قتالِ کانپور

تجھ کو عورت نے جنا ہے! جھوٹ ہے یہ اے لعین
آدمی کی نسل سے اور تو! نہیں ہرگز نہیں

تیری جانب اٹھ رہی ہے دیکھ دوزخ کی نگاہ
سُبحہ و زنار میں جکڑے ہوئے روحِ سیاہ!

رودِ گنگا سے لیے اس طرح طوفانِ ممات
کہ [illegible] کھا کر آ رہا ہے او وبائے کائنات

اے درندے، یہ ترا جبڑا ہے کیوں سمٹا ہوا؟
کس کا یہ گودا ترے تالو میں ہے چمٹا ہوا؟

تیغ بُرّاں اور عورت کا گلا، کیوں بدصفات
چھوٹ جائیں تیری نبضیں، ٹوٹ جائیں تیرے ہات

کہنیوں سے یہ تیری کیسا ٹپکتا ہے لہو؟
یہ تو ہے اے سنگدل! بچوں کا خونِ مشک بو

مرد ہے تو اس سے لڑ پہلے جو مارے، پھر مرے
تو نے بچوں کو چبا ڈالا، خدا غارت کرے

تو نے او بزدل! لگائی ہے گھروں میں جن سے آگ
کیا اُنھیں ہاتھوں میں لے گا رخشِ آزادی کی باگ؟

دل میں کھوٹا پن، ارادوں میں بدی، نیت خراب
او سیہ باطن! یہ عالم، اور آزادی کا خواب

سُن، کہ کم ظرفوں کو دے سکتی نہیں دنیا خراج
یہ ترا چھوٹا سا سر، او ننگِ ہستی اور تاج

اس طرح انساں، اور عدّت کرے انسان پہ
تُف ہے تیرے دین پہ لعنت ترے ایمان پہ

تو ابھرتے ہی زمانے کی نظر سے گر گیا
یوں بہایا خون، اُمیدوں پہ پانی بھر گیا

رکنے ہی والا ہے آزادی کا جاں پرور جہاد
اے فرنگی! شادماں باش و غلامی! زندہ باد

☆☆

غدّار سے خطاب

ہوشیار اے بے حیا غدّار، اے نفسِ دنی!
دیکھ، آپہنچا وہ اے بدبخت وقتِ جاں کنی

لے وطن کی تیغ وہ نکلی حکومت کو پکار
ساتھیوں کو دے صدا، دیوِ رذالت کو پکار

خون میں اپنے ہی تجکو دیکھ کر لتھڑا ہوا
گونجتے ہی پر ہے خونی قہقہہ شیطان کا

قبر تیری، ٹھوکریں کھاتی رہے گی حشر تک
پھول اپنے روک لے گی نرم شاخوں کی لچک

روح تیری، جانبِ گردوں کرے گی جب سفر
بادلوں سے بجلیاں جھپٹیں گی تجکو دیکھ کر

تو پکارے گا کوئی حاکم مجھے آکر بچائے
رعد گرجے گا کہ اب یہ بے حیا بچ کر نہ جائے

آسماں پر بھی نہ او بدبخت! پائے گا اماں
چاٹ لینے کو تجھے دوزخ نکالے گی زباں

انگلیاں اٹھیں گی دنیا میں تری دستار پر
غلغلہ ہوگا وہ آتے ہیں، رذالت کے پسر

تیری مستورات کا بازار میں ہوگا قیام
معرضِ دشنام میں، تیرا لیا جائے گا نام

اس طرف منہ کر کے تھوکے گا نہ کوئی نوجواں
تُرنُد کی حسرت میں رہیں گی تیرے گھر کی لڑکیاں

کیا جوانوں کے غضب کا ذکر، او ابنِ خطاب!
سن کے تیرا نام اُڑ جائے گا بوڑھوں کا خضاب

فحش سمجھی جائے گی خلوں کی تیری داستان
کانپ اُٹھیں گی ذکر سے تیرے، کنواری لڑکیاں

آئے گا تاریخ کو جس وقت جنبش میں قلم
قبر تیری دے اٹھے گی لو، جہنم کی قسم

صفحۂ تاریخ پر کانپیں گے یوں تیرے نشاں
[illegible] ہیں جیسے رات کو ابلیس کی پرچھائیاں

تاج سے تیری وفاداری کی قسمیں بار بار
بھن بھناتی ہیں ترے ہونٹوں کے گرد او ہرزہ کار

دم گھٹا جاتا ہے میرا، دور ہو اے تیرہ دل
تیرے منہ سے جھوٹ کے آتے ہیں بھبکے متصل

تجھ سے روگرداں نہیں ہے صرف ملت کے زعیم
حاکمانِ وقت بھی تجھکو سمجھتے ہیں لئیم

تجھ سے نفرت کی کھٹک دونوں کے آب و گل میں ہے
فرق یہ ہے ان کے لب پر اور ان کے دل میں ہے

بزدلی ڈالے ہوئے تاریک چہرے پر نقاب
دیکھتے تیرے خمِ ابرو میں ہے گرمِ خطاب

تیری پلکوں سے شقاوت کا دھواں ہے آشکار
اس دھوئیں کے سائے میں ہے حُبِّ ملت کا مزار

بزدلی ہے رُخ پہ بکھرائے ہوئے سازش تمیں
تیرے ماتھے کی شکن میں لے رہی ہے کروٹیں

تیری چشمِ تنگ کی گردش میں، اے ننگ وطن!
سو رہا ہے ذوقِ قومی دیر سے اوڑھے کفن

قوم کا دل ہے ترے ہونٹوں کے اندر پاش پاش
دوش پر ہے تیرے لہجے کی تری غیرت کی لاش

ہو چکے ہیں مشورے تیری فنا کے واسطے
جاگ اُٹھ، اب بھی سویرا ہے خدا کے واسطے

☆☆

کب تک

رہے گی اہلِ جفا پر تری عطا کب تک
بنے رہیں گے الٰہی! یہ بت خدا کب تک

لیے رہے گا دکھانے کو منہ میں گلدستے
زبوں شعار حکومت کا اژدہا کب تک

کمندِ فکر میں اُلجھا کے ہنسنے والوں کو
زبانِ علم کہے گی گرہ کشا کب تک

کوئی بتاؤ یہ پیرانِ دامن آلودہ
بنے رہیں گے جوانانِ پارسا کب تک

کوئی بتاؤ کہ قبضے میں بادِ صرصر کے
رہے گا منصبِ دیریۂ صبا کب تک

☆☆

خریدارتوبن

اے دل ! آزادیِ کامل کا سزاوار تو بن
پہلے اس کاکلِ پیچاں کا گرفتار تو بن

یوں تو صبحِ رُخِ محبوب نہ ہوگی طالع
پہلے اے دیدۂ دل ! دیدۂ بیدار تو بن

چشم برراہ ہے شیرینیِ صد آبِ حیات
تلخیاں جھیل کے شایانِ لبِ یار تو بن

اولیں شرط ہے ہر جنگ میں احساسِ خودی
فتح خود پاؤں پہ جھک جائے گی خوددار تو بن

یوں ہی چھٹ جائے گا گردوں سے ترے ابرِ خمار
ہم نشیں! خلوتیِ ساقیِ سرشار تو بن

قبضۂ یار میں رہنے کو اگر ہے بے چین
عرصۂ دہر میں چلتی ہوئی تلوار تو بن

آشیاں خود سے بنا دیں گی مشیت تیرا
کھیل تو آگ سے، بجلی کا خریدار تو بن

☆☆

خریدار نہ بن

چونک بھی خواب سے اے صیدِ زبونِ اغراض
مصرِ بیتاب میں یوں نقش بہ دیوار، نہ بن

عشق میں گو دلِ بیدار ہے سب کچھ لیکن
نرگسِ ازرقِ چالاک کا بیمار نہ بن

بہرِ خوشنودیٔ اغیار، یگانوں کو نہ چھیڑ
اپنے ہی سر پہ جو چلتی ہے وہ تلوار نہ بن

متحد عزم سے کر سدِ سکندر تعمیر
باہمی جنگ سے گرتی ہوئی دیوار نہ بن

چشکیاں باغ میں سرگرم ہیں گلچیوں کی
چمنستانِ جہاں میں گلِ بے خار نہ بن

اہلِ بازار دنائت سے سروکار نہ رکھ
حامیِ مسلۂ ، اندک و بسیار نہ بن

پست سے پست ہو جو چیز، وہ بن جا لیکن
مرکے بھی جنسِ غلامی کا خریدار نہ بن

☆☆

ہمت

وہ خسروانِ ایراں نوشیروانِ کسریٰ
نقشِ قدم تھے جن کے ایرانیوں کے معبد

گردوں پہ موجزن تھا جن کا بلند پرچم
تاروں پہ خندہ زن تھے جن کے نقوشِ مسند

سورج پہ طعنہ زن تھے جن کی گلی کے ذرّے
کرسی سے تھے صف آرا جن کے قصور و گنبد

شاہِ رضا نے پایا مسند پر اُن کی قبضہ
شاہِ رضا کہ جس کے گمنام تھے اب و جد

"بر تخت جم کہ تاجش محرابِ آفتاب است
ہمت نگر کہ مورے با آں حقارت آمد"

☆☆

زندہ مُردے

کیا کہوں اہلِ ہند کی حالت
ایک عالم ہے "دن" اگر، تو یہ "رات"

خواہ کچھ ہو اثر نہیں لیتے
اِس طرح مٹ چکے ہیں احساسات

یا تو یہ "سائے" ہیں "بہ شکل بشر"
یا یہ "مُردے" ہیں کچھ "بہ قیدِ حیات"

☆☆

رُعبِ حکومت

اک فرنگی معمّر و بیمار
سانس لینا بھی تھا جسے دشوار

بید کو ٹیکتا چُرٹ سلگائے
اک طرف جا رہا تھا سر، نہوڑائے

سامنے سے خراں خیز دماں
ہند کا آ رہا تھا ایک جواں

رشکِ ارجن، نمونۂ سہراب
رُخ پہ امواجِ عنفوانِ شباب

دونوں آئے قریب جیسے ہی
ہٹ گیا ڈر کے اک طرف ہندی

خون رو، خون اے دلِ محروم
دیکھ لے فرقِ حاکم و محکوم

☆☆

دامِ فریب

سحر ہوتے ہی مخمورِ شبانہ
کہا یوں چشمِ ساقی نے فسانہ

کہ اے زندانیٔ دیر و حرم! چونک
زمیں سے تا فلک ہے آستانہ

تجھے رسموں سے ہو کیا رستگاری
تیرا ایمان تو ہے کافرانہ

ترا صید زبونِ بزمِ ہستی!
ورائے لامکاں ہے آشیانہ

تجھے قطرے کا ہے اپنے پہ دھوکا
تو اک دریا ہے ناپیدا کرانہ

کہاں تک یہ سکوتِ بے نوائی؟
کہاں تک یہ جمودِ عامیانہ

تجھے ہے موت کا ڈر، موت کیا ہے
حقیقی زندگانی کا بہانہ

ہمیشہ سے ہے، زد میں بجلیوں کی
شکستہ خاطری کا آشیانہ

کہیں ہے دھوپ سے، ناداں، بدتر
غلامی کی گھٹا کا شامیانہ

جہاں میں کچھ نہ رہ جائے گا باقی
مگر ہاں ایک مردوں کا فسانہ

جڑتا ہے گر سینے میں دل تو
تو بن تیرِ حوادث کا نشانہ

لگی ہے گھات میں مدت سے تیری
فرنگی کی نگاہِ جادوانہ

عدو تیری گرفتاری کی خاطر
مہیا کر رہا ہے آب و دانہ

اگر جینا ہے آزادی سے تجھکو
سنا دشمن کو بڑھ کر یہ ترانہ

"برو، ایں دام بر مرغ دگرنہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

(حافظ)

☆☆

ناخدا کہاں ہے؟

خبر لو آسودگانِ ساحل! کہ سامنے مرگِ ناگہاں ہے
چھڑی ہوئی دیر سے لڑائی زبوں عناصر کے درمیاں ہے
تمام دنیا غرق، غرق ہے تمام ہستی رواں دواں ہے

حقیر تنکے کی طرح کشتی کبھی یہاں ہے کبھی وہاں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے کہاں ہے؟

غضب کے گرداب پڑ رہے ہیں، عظیم طوفان زور پر ہے
بلا کی پُروائی چل رہی ہے، جلال میں روحِ بحر و بر ہے
تھپیڑے کھاتا ہوا سفینہ کبھی ادھر ہے کبھی اُدھر ہے

ہوا اُٹھائے ہوئے ہے طوفاں، گھٹا نکالے ہوئے زباں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے کہاں ہے؟

ہواؤں کی سنسناہٹیں ہیں، سیاہ موجوں کے ہیں تھپیڑے
ہر اک بھنور میں ہے وہ تلاطم کہ غرق کر دے ہزار بیڑے
بلائیں سیلاب کے طمانچے، غضب ہیں طوفان کے وڑیڑے

کڑک کے زیرِ نگیں زمیں ہے گرج کے قبضے میں آسماں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ نا خدا کون ہے، کہاں ہے؟

بھرا ہوا غیظ میں سمندر فضا کی جانب ہمک رہا ہے
گرج، کڑک ہے، کڑک چمک ہے، چمک ہوا ہے، ہوا گھٹا ہے
جھنن جھنن ہے گھڑڑ گھڑڑ ہے گھنن گھنن ہے، دنادنا ہے

فلک کے ہونٹوں پہ الحذر ہے، زمیں کے لب پر الاماں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے کہاں ہے؟

ڈراونی رات رو رہی ہے، بھرے ہوئے ہیں تمام جل تھل
بھنور نکالے ہوئے ہیں آنکھیں، جھکے ہوئے ہیں سیاہ بادل
ہوائیں شورش، گھٹائیں غوغا، فضا میں لرزش، زمیں پہ ہل چل

تمام گیتی ہے پارہ پارہ، تمام گردوں دھواں دھواں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ نا خدا کون ہے کہاں ہے؟

سلام لو اے عزیز یارو! کہ اب نہیں شکلِ زندگانی
کہا سنا سب معاف کردو! بھلا دو باتیں نئی پرانی
بڑھو کہ وہ جھک چلا سفینہ، اُٹھو کہ آنے لگا وہ پانی

مبارک اے جنگِ کفر و ایماں! حیات دم بھر کی میہماں ہے
کوئی خدا کے لیے بتاؤ کہ ناخدا کون ہے، کہاں ہے؟

☆☆

ضعیفہ

اک ضعیفہ راستے میں سو رہی ہے خاک پر
مُردنی چھائی ہوئی ہے چہرۂ غمناک پر

اور کس موسم میں، جب طاعون ہے پھیلا ہوا
ذرّہ ذرّہ ہے وبا کے خوف سے سمٹا ہوا

رات آدھی آ چکی ہے بام و در خاموش ہیں
اہلِ دولت لیلائے عشرت سے ہم آغوش ہیں

اس قیامت کی ہے طاری ظلمتِ ہول آفریں
شب کے دل میں صبح کا گویا تصوّر تک نہیں

پیچھے پیچھے آ رہا ہے کون؟ یہ کیا بات ہے؟
بج رہے ہیں کان، اُف کیسی بھیانک رات ہے

حلقۂ ظلمت میں ہے راہوں کی سہمی روشنی
یا چمکتی ہیں گھنی جھاڑی سے آنکھیں شیر کی

لرزہ براندام ہے صحنِ زمیں کا عرض و طول
ہو رہا ہے خاک پر ناپاک روحوں کا نزول

آ رہی ہیں آسماں سے یہ صدائیں دم بہ دم
دیکھ اسبابِ ہلاکت پر نہ پڑ جائے قدم

بام و در پر موت کا پرچم ہے لہرایا ہوا
آ رہی ہے ہر قدم پر بوئے انفاسِ وبا

رونگٹے سارے کھڑے ہیں، سانس لینا ہے وبال
الاماں شورِ سگانِ راہ و غوغائے شغال

اُف لرزتی خوفناک آواز چوکیدار کی
نبض چھوٹی جا رہی ہے سایۂ دیوار کی

چپکے چپکے سانس لینے سے گھٹا جاتا ہے دم
رکھ رہا ہوں بولتے ذرّوں پہ رُک رُک کر قدم

عبرت و دہشت کا خنجر ہے دلِ غمناک پر
ہائے یہ بے دم پڑا ہے کون ٹھنڈی خاک پر

آہ اے بے کس ضعیفہ! غم کی تڑپائی ہوئی
اے زمانے کی جھنجھوڑی، زر کی ٹھکرائی ہوئی

میرے دل کے آئینے کو کر رہا ہے چور چور
تیرے سر پر رہ گزر کی شمع کا ہلکا سا نور

یہ ترے سر کی سفیدی، اور یہ گردِ ملال
میں تو کیا، شرما رہا ہے خود خدائے ذوالجلال

بھوک کے لشکر کا ہے رُخ پر ترے گرد و غبار
جبہ رزّاقی کے ماتھے پر عرق ہے آشکار

تیرے بچے تیرے گردوں کے ستارے کیا ہوئے؟
اے ضعیفہ! تیری پیری کے سہارے کیا ہوئے

آہ اے دکھیا! یہ کیسی پامالی ہوگئی
ٹھوکریں کھانے کو تیری گود خالی ہوگئی

سو رہا ہے تیرا وارث کس طرف پہنے کفن؟
دفن ہے کس دیس میں تیرا عروسی بانکپن؟

بزمِ عشرت میں دلہن کس نے بنایا تھا تجھے؟
بیاہ کر کون اپنے گھر میں آہ لایا تھا تجھے؟

خون رُخ پر دوڑتا ہوگا تری آواز سے
تجکو پالا ہوگا تیری ماں نے کس کس ناز سے

ڈالتی ہوگی تجھے نہلا دھلا کر سر میں تیل
باپ کا دل کھینچتا ہوگا تری گڑیوں کا کھیل

یاس کی تاثیر کیوں چہرے پہ دونی ہوگئی
مائیکا ویراں ہوا، سسرال سونی ہوگئی

چاہنے والے ترے سب تُربتوں میں سو گئے
کھیلتی تھی جن گھنے باغوں میں وہ کیا ہوگئے

اُف ری مایوسی کسی کا آسرا رکھتی نہیں
شبہ ہوتا ہے کہ تو شاید خدا رکھتی نہیں

تو کہاں کی رہنے والی ہے، ترا کیا نام ہے
بول، تو کس دل نشیں آغاز کا انجام ہے

ہند میں انسانیت کا زور ہی باقی نہیں
درد ہو کس طرح، کوئی مرد ہی باقی نہیں

مرد ہی ہوتے تو کرتے بے کسوں کا احترام
مرد ہی ہوتے تو رہ سکتے تھے یوں بن کر غلام

خدمتِ اغیار سے فرصت کوئی پاتا نہیں
سچ ہے اپنوں پر غلاموں کو ترس آتا نہیں

اے ضعیفہ! ننگ ہے تو ملک و ملت کے لیے
تو ہے اک دھبا جبینِ اہلِ دولت کے لیے

اک کھلی ذلت ہے ادیان و ملل کے واسطے
طوق ہے لعنت کا تو اہلِ دول کے واسطے

تو وعیدِ قہر ہے اربابِ عشرت کے لیے
برص کا اک داغ ہے روئے حکومت کے لیے

مجھکو حیرت ہے کہ تجھکو دیکھ کر زار و نزار
گڑ نہیں جاتے حیا سے حاکمانِ ذی وقار

دیکھ کر تیرا ڈھلا منکا نہیں ہوتا ہے چور
گردنوں کے خم کو سختی بخشنے والا غرور

پڑ نہیں جاتے الٰہی! سینۂ دولت میں داغ
بجھ نہیں جاتے شبستانِ امارت کے چراغ

اپنی تابِ زر سے اے سرمایہ دارو! ہوشیار
اپنے تاجوں کی چمک سے تاجدار و ہوشیار

نیلم و یاقوت سے شعلے بھڑک اُٹھنے کو ہیں
سرخ دیناروں میں انگارے دہک اُٹھنے کو ہیں

فرشِ گل والو! زمیں پر لوگ محو خواب ہیں
خرمنوں کے پاسبانو! بجلیاں بیتاب ہیں

☆☆

بوانعجبی

کل منھ اندھیرے صبح کو تالاب کے قریب
یاد آ رہا تھا دل کو خمِ کاکُلِ حبیب

مَس ہو رہی تھی قلب و جگر سے خنک نسیم
بوجھل سی تھی ترائی کی بھیگی ہوئی شمیم

جھونکے تھے اضطراب کا پہلو لیے ہوئے
مرطوب و نرم دوب کی خوشبو لیے ہوئے

تھی مد و جزرِ آب کے اندر چھڑی ہوئی
ٹھنڈی ہوا کے تند تھپیڑوں کی راگنی

افسانہ کہہ رہا تھا شبِ تار ہجر کا
نظروں سے اس طرف کا کنارا چھپ ہوا

دھندلی بلندیوں پہ گھٹاؤں کا تھا دھواں
گردوں سے آرہی تھیں دبے پاؤں بوندیاں

چھایا ہوا تھا صبح کے ماتھے پہ رنگِ شام
اتنے میں اک کسان نے جھک کر کیا سلام

جاگے ہوئے لطیف خیالات سو گئے
کانپی نگاہ رونگٹے سب جھن سے ہو گئے

مزدور اور خستہ دلوں کو کرے سلام!
شاہ، اور گدائے راہ نشیں کو کہے امام!

قوت کا اور ضعف کے در پہ سرِ نیاز
صحت اُٹھائے اونگھتی بیماریوں کے ناز

اونچی زمیں کے سامنے چرخِ بریں جھکے
فاقے کے آستاں پہ غذا کی جبیں جھکے

بیچارگی کے ساتھ جھکائے کریم سر
مغرور بھیک مانگنے والوں کو دیکھ کر

پودوں کے ڈر سے مالکِ گلشن ہو بے قرار
پھولوں کو ، اور سجدے کرے خالقِ بہار

در کھٹکھٹائے شاہ، گدائے حقیر کا
فولاد اور مان لے لوہا حریر کا

عقلِ سیاہ کار کی عزت کرے جنوں
قدموں پہ بزدلی کے ہو تلوار سرنگوں

ناطاقتی ہو کشورِ طاقت میں شہر یار
ریشے کو اور برق بنائے سپاہدار

مردانِ کوہ و دشت و دلیرانِ تند خو
عاجز ہوں دخترانِ تمدن کے رو برو

یا رب خدا! ”یقین“ ہو قرباں ”گمان“ پہ
لعنت ہو اس زمین پہ ، تف آسمان پہ

☆☆

افسانہ کہہ رہا تھا شبِ تار ہجر کا
نظروں سے اس طرف کا کنارا چھپا ہوا

دھندلی بلندیوں پہ گھٹاؤں کا تھا دھواں
گردوں سے آ رہی تھیں دبے پاؤں بوندیاں

چھایا ہوا تھا صبح کے ماتھے پہ رنگِ شام
اتنے میں اک کرن نے جھک کر کیا سلام

جاگے ہوئے لطیف خیالات سو گئے
کانپی نگاہ رونگٹے سب جھن سے ہو گئے

مزدور اور خستہ دلوں کو کرے سلام!
شاہ، اور گدائے راہ نشیں کو کہے امام!

قوت کا اور ضعف کے در پر سرِ نیاز
صحت اُٹھائے اونگھتی بیماریوں کے ناز

اونچی زمیں کے سامنے چرخِ بریں جھکے
فاقے کے آستاں پہ غذا کی جبیں جھکے

بیچارگی کے ساتھ جھکائے کریم سر
مغرور بھیک مانگنے والوں کو دیکھ کر

پودوں کے ڈر سے مالکِ گلشن ہو بے قرار
پھولوں کو ، اور سجدے کرے خالقِ بہار

در کھٹکھٹائے شاہ، گدائے حقیر کا
فولاد اور مان لے لوہا حریر کا

عقلِ سیاہ کار کی عزت کرے جنوں
قدموں پہ بزدلی کے ہو تلوار سرنگوں

ناطاقتی ہو کشورِ طاقت میں شہریار
ریشے کو اور برق بنائے سپاہدار

مردانِ کوہ دشت و دلیرانِ تند خو
عاجز ہوں دخترانِ تمدن کے رو برو

بارِ خدا! "یقین" ہو قرباں "گمان" پر
لعنت ہو اس زمین پہ ، تف آسمان پر

☆☆

پیرزن

اک مشن اسکول کی لیڈی بصد انداز و ناز
دختران ہند سے ہے دیکھ سرگرمِ نیاز

پھر رہی ہے لڑکیوں کی صف میں بل کھاتی ہوئی
ہاتھ میں کنگھی لیے زلفوں کو سلجھاتی ہوئی

کچھ خبر بھی ہے تجھے ناواقفِ لیل و نہار!
یعنی اس تزئین گیسو میں ہے کتنا خلفشار

کنگھیاں کی جا رہی ہیں کاکلِ شبگیر میں
پیچ ڈالے جا رہے ہیں ہند کی تقدیر میں

واں سلجھتے جا رہے ہیں گیسوئے عنبر شکن
یاں اُلجھتا جا رہا ہے عقدۂ حلِ وطن

کام سے جس وقت یہ مشاطہ فرصت پائے گی
ہندیوں کے ہر بن مو سے لہو ٹپکائے گی

اس کے ہاتھوں گندھ رہی ہیں جس قدر بھی چوٹیاں
ناگنیں بن جائیں گی اک دن پئے ہندوستاں

لہر کھا کر پھانس سینوں میں چبھو جائے گی کل
بال یہ زنجیر پائے قوم ہو جائیں گے کل

مادرانِ دورِ مستقبل نہ ہو جائیں شکار
اس مشن اسکول کی ڈائن سے یارو ہوشیار

بادِ طوفانی ہوائے سرد بن کر آئی ہے
پیرزن فرہاد کی ہمدرد بن کر آئی ہے

☆☆

حیف اے ہندوستاں!

غیر کی خدمت گزاری، باہمی خوں ریزیاں
دوپہر کی دھوپ سر پر، اور یہ خوابِ گراں
حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں!

بے زروں کی ڈوبتی آنکھوں میں فاقوں کے نقوش
اہلِ دولت کی جبینوں پر شقاوت کے نشاں
حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

قائدانِ قوم و مکر و ہاتِ حبِّ مال و زر
شاعرانِ ملک و مقر و ضاتِ سودائے بتاں
حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

گوسفندوں کی سیادت میں ہو شیروں کی کچھار
بوم کے زیرِ نگیں شہباز کا ہو آشیاں
حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

ابر بن بن کر برستی ہیں، خبر بھی ہے تجھے؟
گلشنِ اعدا پہ تیری باہمی خوں ریزیاں

حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

عورتیں تک دشمنوں کی موت سے ڈرتی نہیں
آہ اے بیگانۂ ذوقِ حیاتِ جاوداں

حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

رعبِ تیموری! کہاں جا کر کروں تجھکو تلاش؟
عزمِ گردانِ مہابھارت تجھے ڈھونڈوں کہاں؟

حیف اے ہندوستاں صد حیف اے ہندوستاں

☆☆

بھوکا ہندوستان

ایک مفلس کے مکاں میں کل ہوا میرا گزر
خاک پر بیٹھا تھا بچہ اور بیوی تخت پر

تخت اینٹوں کی کمی بیشی سے ناہموار تھا
وزن اک نازک سی عورت کا بھی جس پر بار تھا

تیرہ قسمت گھر کا مالک پائمالِ صد جنوں
بوریے پر اک طرف بیٹھا ہوا تھا سرنگوں

سرد پیشانی پہ تھا چھایا ہوا دل کا دھواں
جس میں غلطاں تھیں شرافت کی سبک چنگاریاں

اس کی ہستی فقر سے تھی اس قدر نامعتبر
مارتے تھے قہقہے جُہاّل جس کے علم پر

تھی وہ یوں افلاس سے ہاتھوں گرفتار قلق
سب سے بڑھ کر تھی جس پر معترض ہونے کا حق

تھی وہ اس منزل میں جب رونق نہیں چہرے پر آب
مانتا ہے شیب سے ہوتے جب انساں کا شباب

فاقہ کش انسان جب ہوتا ہے یوں زیر و زبر
جھینپتا ہے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر

جب سبک ہوتا ہے یہ درجہ محبت کا نیاز
خود شریکِ زندگی بھی ترک کر دیتی ہے ناز

جب کوئی عزت سے پیش آتا ہے تو مردِ حزیں
سوچنے لگتا ہے یہ مجھکو بناتا تو نہیں

زندگی جس وقت ہو جاتی ہے اتنی پائمال
وہم بن جاتا ہے خود اپنی شرافت کا خیال

دل میں جب احساسِ رحمت کا نہیں رہتا ہے دم
کفر کی سرحد پہ جب پڑتے ہیں انساں کے قدم

جب زبون و خستہ جاں انسان کا ذوقِ وفا
خلق کی نظروں میں بنتا ہے مدد کی التجا

زندگی ہوتی ہے جب اس درجہ عبرت آفریں
تخلیے کا دوست بھی موقع کبھی دیتے نہیں

جب خزف معلوم ہوتے ہیں خود اپنے ہی گُہر
وہم ہوتا ہے رکاکت کا خود اپنی وضع پر

رخ پہ جب ہوتے ہیں ایسی خستہ حالی کے نشاں
جس کے "سچ" پر "جھوٹ" کا ہوتا ہے دنیا کو گماں

اس مصیبت سے تھی اس کی زندگی زیر و زبر
جس مصیبت میں شرافت تولنے لگتی ہے پر

اس کے سر پر تھا تہی دستی کا وہ بارِ گراں
بولنے لگتی ہیں جس سے زندگی کی ہڈیاں

مفلسی کے اس کنارے پر تھا وہ گرمِ خرام
ترک کر دیتا ہے بیٹا، باپ کا جب احترام

بھوکا ہندوستان

لغزش چھائی ہوئی تھی یاس سقف و بام پر
روح تھرانے لگی میری یہ منظر دیکھ کر

گھر تھا یا اک کارواں بھٹکا ہوا ، کھویا ہوا
خفتہ تھی قسمت مکینوں کی ، مکاں سویا ہوا

یہ مکاں اک قصرِ عالی کا تھا اک ایسا مقام
تھا جہاں کل اس کے آبا کے غلاموں کا قیام

جس طرف اس کا لڑکپن بھول کر جاتا نہ تھا
عہد طفلی میں جدھر یہ کھیلنے پاتا نہ تھا

جو مکاں کل نغمۂ خدام سے پر جوش تھا
آج آقا کو لیے آغوش میں خاموش تھا

پوچھتا جاتا تھا لیکن خیر سے تو ہیں مکیں
مجھ میں اک مدت سے کوئی قہقہہ گونجا نہیں

طاق پر رکھا ہوا تھا ایک سویا سا چراغ
طاق کے نیچے تھے کڑوے تیل کے دو ایک داغ

تیل بہنے کا نشاں دیوار پر افسانہ تھا
ایک دن بھی وہ دیا شاید کبھی جھلکا نہ تھا

اس حقیقت کو سمجھ سکتے نہیں اہلِ فراغ
اور ظلمت کو بڑھا دیتا ہے مفلس کا چراغ

سرد چولھے کے قریب! اُڑتا ہوا پھیکا غبار
الگنی پر چند کپڑے اور وہ بھی تار تار

جابجا سے پڑیاں دیوار کی چھوٹی ہوئی
دھجیاں گنتی کی تھیں، ان میں بھی کچھ ٹوٹی ہوئی

ایک گوشے میں تھا بستر کے عوض تھوڑا پیال
جس پہ ٹکڑے دری کے، اور اک صد پارہ شال

شال کے ہر تار میں خوابیدہ سو نقش و نگار
عہدِ ماضی کی یہی لے دے کے تھی اک یادگار

بچہ بہلا سا ہوا تھا خاک کے اک ڈھیر سے
ماں ڈوپٹہ سی رہی تھی سر جھکائے دیر سے

سینے میں طفلکِ گل فام تھا ڈوبا ہوا
آئی اتنے میں گلی سے آم والے کی صدا

کانپتی آئی صدا، ہلنے لگا بچے کا دل
سانس لی یوں جیسے رکھی ہو کوئی چھاتی پہ سل

ہوگئی اگلی ضدوں کی یاد سے دنیا سیاہ
ماں کے چہرے کی طرف ڈالی جھجکتی سی نگاہ

ماں کی نظریں اُٹھ گئیں اُٹھ کر پھریں، پھر کر جھکیں
ہائے میرے لال! میرے پاس تو کچھ بھی نہیں

دیکھ کر ماں کی اداسی ہوگئی پامال یاس
انکھڑیوں میں آم کی سرخی، تخیل میں مٹھاس

ہونٹ کانپے خود بخود، اور رہ گئے پھر کانپ کے
دل میں پھر چبھنے لگے اگلی ضدوں کے تجربے

راستے میں آگئی دیوار، نالے چڑھ گئے
منہ میں تھرائی زباں، الفاظ آگے بڑھ گئے

چھا گیا چہرے پہ سناٹا دل ناکام کا
"اشک" بن کر آنکھ سے ٹپکا "تصور" آم کا

چہرہ مرجھایا، نفس، بوجھل سا کچھ ہونے لگا
دل کے سناٹے میں بچپن کھو گیا سونے لگا

نیم جاں ماں باپ کی نظروں کے خط ملنے لگے
باپ کا سر اور دکھیا ماں کے لب ہلنے لگے

آہ اے ہندوستاں! اے مفلسوں کی سر زمیں
اس کرے پر کوئی تیرا پوچھنے والا نہیں

آہ اک دل بھی ترے افلاس پر جلتا نہیں
اب تو اک روٹی کا ٹکڑا بھی تجھے ملتا نہیں

ہندو و مسلم نہیں اُٹھتے تری امداد پر
ننگ ہے ایسی بے حمیت ناخلف اولاد پر

ہائے کیا کرنا تھا اُن کو، اور کیا کرتے ہیں یہ
گائے اور باجے پہ لڑنے کے لیے مرتے ہیں یہ

اس طرف ہے خوبیِ قسمت سے باجا اور گائے
اس طرف افلاس کے مارے ہوؤں کی ہائے ہائے

ناخلف بچے تری جانب نظر کرتے نہیں
ان کو جس میداں میں مرنا چاہیے، مرتے نہیں

سخت ہو جاتی ہے اس سے ہر کڑی زنجیر کی
مار کر اپنوں کو مرنا مست [illegible]

ان سے کہہ دے تا کجا بربادیاں ؟ آباد ہو
یا گلے خود کاٹ کر مرجاؤ یا آزاد ہو

آہ اے ہندوستاں! اے کشورِ زار و نزار
تیرے بچے بھی بلکتے ہیں جواں بھی بے قرار

تیرے مردوں کا کفن تک لے گئے چالاک چور
شق ہوا ے تاریک جیتے جاگتے مردوں کی گور

تیرے اوپر آ کے ٹھہرا ہے ٹھگوں کا قافلا
جھوم کر پھٹ اے بھیانک دیو! پھٹ اپنی بلا

اے بھڑکتی آگ! ٹھنڈی راکھ کی تہہ سے نکل
اے رگِ غیرت! ابھر اے خون کے چشمے! ابل

گردنِ طوقِ غلامی سے ہوئی جاتی ہے کج
اے کڑکتی برق! گر، اے جھومتے بادل گرج

تا کجا یہ خواب؟ اے ہندوستاں! آ ہوش میں
آج بھی ہیں سیکڑوں ارجن ترے آغوش میں

آ رہی ہے کب سے رہ رہ کر صدائے انقلاب
زندہ ہے تو اے وطن! دیتا نہیں پھر کیوں جواب

زندہ ہے، تو میری ہمت کو پرِ پرواز دے
وہم ہوتا ہے مجھے، آواز دے، آواز دے

یہ اجل کی بے حسی ہے، یا فقط خوابِ گراں
بول اے ہندوستاں! ہندوستاں!! ہندوستاں!!!

☆☆

بہتے ہوئے خون کی برادری

مژدہ باد اے ایشیا! اے سرزمین زرفشاں
آ گئی وہ ساعت بیداریٔ ہندوستاں

مژدہ باد اے سرزمین ہند، اے جنت سواد
میان سے باہر نکلنے ہی پہ ہے تیغ فساد

سرخ پرچم کھولنے پہ ہے شقاوت کا جنوں
تیرے ذروں پہ بہے گا ہندو و مسلم کا خوں

لیکن اس سے تو ہراساں ہو نہ اے ارض مراد
خون کا سیلاب دھو دیتا ہے ہر بغض و عناد

رشتہ کٹ جاتا ہے بہتے خون سے اوہام کا
خانہ جنگی غسلِ صحت ہے علیل اقوام کا

یاد رکھو جذبۂ غیرت میں جوش آ جائے گا
خوں بہا تو ہندو و مسلم کو ہوش آ جائے گا

غنچۂ اُمیدِ اربابِ وطن کھل جائے گا
خاک پر بہتے ہی دونوں کا لہو مل جائے گا

☆☆

پیاسی ندی

اے برادر! پل پہ جب گنگا کے آجاتی ہے ریل
پھینکتا ہے کس لیے سکے، یہ کیا کرتا ہے کھیل

قوم کی آنکھوں سے جاری ہیں لہو کی ندیاں
ڈوبنے ہی پر ہے جن میں عزتِ ہندوستاں

کیوں نہیں کرتا ہے تو اس خون کی ندی کا پاس
جس کو گنگا سے کہیں بڑھ چڑھ کے ہے سکوں کی پیاس

ڈوب کر گنگا میں اک پیسہ ابھر سکتا نہیں
ہند کی آنکھوں کے آنسو خشک کر سکتا نہیں

کار آمد ہے جو آبِ زندگانی کی طرح
تو بہا دیتا ہے اس دولت کو پانی کی طرح

دیکھ کر تیری یہ نادانی، یہ کارِ ناصواب
شرم کے مارے ہوئی جاتی ہے گنگا آب آب

باز نے زر! ناخدائی کے لیے تیار ہو
ڈوبنے والی ہے کشتی قوم کی، ہشیار ہو

کی گئی ناوقت قربانی تو پھر کیا فائدہ
سر سے اونچا ہو گیا پانی تو پھر کیا فائدہ

☆☆

بادشاہ کی سواری

پرے جمائے ادب سے کھڑے ہوئے ہیں سوار
سڑک پہ رعب ہے جنبش میں ہیں در و دیوار

چلے تو کیسے چلے نبضِ کوچہ و بازار
اُبل رہا ہے تحکم ، برس رہا ہے وقار

زمیں پہ چرخ سے تھوکو بو آتی ہے
ہٹو بچو کہ سواریِ شاہ آتی ہے

سڑک ہے بند ، پڑا ہے رُکا ہوا ہر کام
نہ جانے کتنے گھروں میں بپا ہے اک کہرام

ہٹا رہے ہیں غریبوں کو سلطنت کے غلام
برس رہے ہیں جو کوڑے تو گر رہے ہیں عوام

سواریِ شہہِ گردوں وقار آتی ہے
نویدِ رحمتِ پروردگار آتی ہے

"ارے یہ سوڑ پہ تیورا کے کون شخص گرا؟"
لبوں پہ جان ہے، چلتا ہے سانس کا ڈورا

ارے ہٹاؤ کہ اس کا اثر برا ہوگا
جبینِ شاہ پہ بل پڑ گئے تو کیا ہوگا

"سفید ہوگئیں آنکھیں، اکڑ چلا ہے بدن"
"گلے میں سانس ہے ڈھلنے ہی پہ ہے اب گردن"

"ملال خور ہے کیا اپنی جان کا دشمن"
"اسے گھسیٹ کے، گھوڑے پہ ڈال دے فوراً"

"جہاں پناہ غضب ناک ہو نہ جائیں کہیں"
"نگاہیں شاہ کی ناپاک ہو نہ جائیں کہیں"

بگل بجا وہ سواریِ شہر یار آئی
خزاں کی رات گئی صبحِ نوبہار آئی

ہوا کو شکر کہ پھر بادِ مشکبار آئی
"ادب کے ساتھ" کی آواز بار بار آئی

فلک نے جان لیا، اور زمین مان گئی
کسی کی آئی سواری، کسی کی جان گئی

☆☆

سجاد سے
(اگر پدر نتواند، پسر تمام کند)

اے مری آنکھوں کے تارے اے مرے لختِ جگر
ہنس، کہ تیرے دم سے ہے فردوس، آغوشِ پدر

لیکن اے نورِ نظر، یہ دور مٹ جانے کو ہے
زندگی میں ایک دورِ تلخ بھی آنے کو ہے

یہ زمانہ طور سے بے طور ہو جائے گا کل
یہ زمیں، یہ آسماں، کچھ اور ہو جائے گا کل

اس ورق کو جب اُلٹ دے گی ہوائے انقلاب
مجھ پہ یعنی بند ہو جائے گا جب ہستی کا باب

میرے مرتے ہی چلے گی وہ قیامت کی ہوا
پھیر لیں گے تجھ سے منہ ظالم عزیز و اقربا

گو، خدا کا شکر ہے بھائی کوئی تیرا نہیں
تجکو، مادر زاد دشمن کا کوئی کھٹکا نہیں

پھر بھی خونی اقربا کے سید ہوتے ہیں یتیم
بیکسوں کی آہ ہے ان کے لیے موجِ نسیم

لطف کے پردے میں رہتے ہیں یگانے پائمال
مہر کی نظریں یتیموں کے لیے بنتی ہیں جال

جو چھڑکتے ہیں پسینے پر ترے خونِ جگر
کل پسینہ بھی نہ ٹپکائیں گے تیرے خون پر

باپ کے مرتے ہی ہو جاتی ہے دنیا خشمگیں
اس تلاطم میں زمیں برسوں جگہ دیتی نہیں

ہو چکا ہے اقربا کے ہاتھ سے پامال دیکھ
دور کیوں جاتا ہے، اپنے باپ ہی کا حال دیکھ

دیکھ، کیوں کر میرے دل کو پارہ پارہ کر دیا
مہر کو کچھ اس طرح توڑا کہ تارا کر دیا

لیکن اس ہلچل میں، ہو جاتا ہے جس سے جی نڈھال
عزتِ دیرینۂ اجداد کا رکھنا خیال

ہر نفس تیار رہنا ہر بلا کے واسطے
صاحبِ سیف و قلم بننا خدا کے واسطے

ضعف ہے روزِ ازل سے تیرہ بختی کا شکار
زورِ علم و قوتِ بازو ہے شانِ کردگار

دل ہے تسخیر قوائے بحر و بر کے واسطے
ناتوانی کفر ہے نوعِ بشر کے واسطے

قبر میں روحِ پدر کو شاد کرنے کے لیے
سر کٹانا ہند کو آزاد کرنے کے لیے

ہاں تو میں تجھ سے یہ کہتا تھا کہ اے جانِ پدر!
جب مرا ہو جائے گا اس دارِ فانی سے سفر

روئے والوں کو مرے مرنے پہ آجائے گا صبر
شہر سے باہر کسی گوشے میں ہوگی میری قبر

محو ہو جائے گی دل سے کلفتِ مرگِ پدر
وقت کے مرہم سے بھر جائے گا یہ زخمِ جگر

ہونگی طالع کس قدر صبحیں پراگندہ نقاب
میں نہ دیکھوں گا مگر تا حشر بیداری کا خواب

چاند اوجِ آسماں سے نور جب برسائے گا
ساحلِ گلرہ پہ مجھکو نہ لیکن پائے گا

بدلیاں برسات کی کیا کیا نہ ہوں گی بے قرار
میرے اُجڑے باغ میں لیکن نہ آئے گا بہار

جائے گا آوازہ میری شاعری کا دور دور
خاک کے پتھر سے ہوگا نطق میرا چور چور

یوں تو آتا ہے نہ اس دل میں تلاطم آئے گا
قبر پہ تو آئے، تو لب پہ تبسم آئے گا

لیکن اے جانِ پدر! دنیا ہے وہ مضبوط جال
آدمی کا جس کے پھندوں سے نکلنا ہے محال

تو نئے ماحول میں اس وقت ہوگا غالباً
اور نئے احباب سے معمور ہوگی انجمن

ہو سکے گی یاد بھی میری نہ بھولے سے مخل
کارِ ہستی میں ترا اس طرح لگ جائے گا دل

عہدِ پارینہ کو انساں وقت دے سکتا نہیں
آدمی اس کشمکش میں سانس لے سکتا نہیں

پھر بھی اس طوفان میں اے جوش کی روحِ رواں
مادر و خواہر کی خدمت کو سمجھنا جزو جاں

اور اس کے بعد، اے جانِ تمنائے پدر!
چند لمحوں کی بھی فرصت دے تجھے دنیا اگر

باپ کی سوتی ہوئی قسمت جگانے کے لیے
قبر پر دو پھول لے آنا چڑھانے کے لیے

باغِ ہستی کے، نہ وہ باغِ جناں کے پھول ہوں
مژدۂ آزادیٔ ہندوستاں کے پھول ہوں!

☆☆

کہاں تک؟

آشفتہ سری اے دلِ ناکام کہاں تک ؟
یہ شکوۂ بے مہریٔ ایام کہاں تک؟

دارائی اسلاف پہ تاچند یہ ماتم؟
انجامِ ستم پہ یہ کہرام کہاں تک؟

اس دغدغۂ گردشِ افلاک سے حاصل؟
یہ دہشتِ فتنۂ ایام کہاں تک؟

پروانہ صفت جھونک بھی دے آگ میں خود کو
آغاز میں اندیشۂ انجام کہاں تک؟

اے رہبرِ گمراہ! یہ غداریاں تاچند؟
او ننگِ زمانہ ہوسِ نام کہاں تک؟

اُٹھ رعد کے آغوش میں ہے نغمۂ شیریں
یہ سازِ طرب کی ہوسِ خام کہاں تک؟

آ صرصر و سیلاب میں ہے روحِ شبستاں
یہ ذوقِ شبِ ماہ و لبِ جام کہاں تک؟

جو دوڑ میں پیچھے تھے بہت بڑھ گئے آگے
اے پائے طلب! رشتۂ اوہام کہاں تک؟

گردوں پہ حریفوں نے بنائے ہیں نشیمن
اے پست نظر! سیرِ لبِ بام کہاں تک؟

ہمت ہے تو مطلوب سے خود کیوں نہیں ملتا
یہ سلسلۂ نامہ و پیغام کہاں تک؟

ہاں دیکھ حریفوں کے چھلکتے ہوئے ساغر
اے تشنہ دہاں! دُردِ تہِ جام کہاں تک؟

کیوں قوتِ پرواز پہ ایماں نہیں لاتا
اے مرغِ قفس! نالہ تہِ دام کہاں تک؟

خود خوشۂ انگور نچوڑا نہیں جاتا
اغیار سے دریوزۂ یک جام کہاں تک؟

ہاں خود و زرہ بھی تو ہے اسلام کا زیور
پہنے گا فقط جامۂ احرام کہاں تک؟

☆☆

نغمۂ قفس

آگ ہے لحنِ طائرِ آزاد
خاک ہے طائرِ قفس کے لیے
ہم صفیرو! گلے کی ساخت کو بھی
کیا اسیری بگاڑ دیتی ہے؟

☆☆

انتباہ

ڈرو اس وقت سے اے دشمنانِ امن و آسائش
بنا لیں جب حکم خوں ریز تلواروں کو ہم اپنی
کہ ان کا فیصلہ کچھ اس قدر دو ٹوک ہوتا ہے
کہ دو ٹکڑوں میں ذرّہ بھر کی بیشی نہیں ہوتی

(ماخوذ از عربی شاعری)

☆

قحط الرّجال

کوئی جاکر یہ کہہ دے افسرِ مردم شماری سے
عجب کیا ہے کہ میرا غنچۂ خاطر بھی کھل جائے
کہ از راہِ کرم مجھ نیم جاں کو بھی خبر کردیں
اگر اس کوچہ گردی میں کوئی "انسان" مل جائے

☆☆

دھمکی

تو نے شاعر سے یہ اے غاصب حکومت کیا کہا؟
"تو نہ مانے گا مجھے تو قتل کردوں گی تجھے"
قتل سے ڈرجاؤں گا، اتنا سمجھتی ہے ذلیل
جا، اور ایسی سوقیانہ قسم کی دھمکا نہ دے

☆☆

پیدا کر

اُٹھ اور زمیں پہ نیا لالہ زار پیدا کر
نہ آئی ہو جو کبھی وہ بہار پیدا کر

عقولِ مُردہ و مرطوب نوعِ انساں میں
شرار و شعلہ و دُود و بخار پیدا کر

زباں کی بزم میں گل کاریوں سے کیا حاصل
عمل کی راہ میں گرد و غبار پیدا کر

رہے نہ نسلِ جہنم نہ آلِ خلد بریں
نئے اصول کے مردانِ کار پیدا کر

ضمیرِ اہلِ مناجات کے تعطل میں
خروشِ جذبۂ تکمیل کار پیدا کر

نظامِ کہنۂ نیلی رواق وہم و فریب
نیا تصورِ لیل و نہار پیدا کر

غلط ہے ساز عجم ہو کہ لحنِ اعرابی
نیا ترانہ سرِ شاخسار پیدا کر

بہت بلند ہے سطحِ مذاقِ فکرِ جدید
نظر میں اوج سرِ کوہسار پیدا کر

فسردہ گامیٔ اہلِ جہاں کے حلقے میں
جواں خرامیٔ ابرِ بہار پیدا کر

کلاہِ خود نگیٔ کائنات کج کر کے
نیا زمانہ، نیا روز گار پیدا کر

الٰہِ دہر ہے تو، یہ فسردگی تا چند
ہر ایک خار سے سو لالہ زار پیدا کر

پیدا کر

اُٹھ اور زمیں پہ نیا لالہ زار پیدا کر
نہ آئی ہو جو کبھی وہ بہار پیدا کر

عقولِ مُردہ و مرعوبِ نوعِ انساں میں
شرار و شعلہ و دُود و بخار پیدا کر

زباں کی بزم میں گُل کاریوں سے کیا حاصل
عمل کی راہ میں گرد و غبار پیدا کر

رہے نہ نسلِ جہنم نہ آلِ خلد بریں
نئے اصول کے مردانِ کار پیدا کر

ضمیرِ اہلِ مناجات کے تعطل میں
خروشِ جذبۂ تکمیلِ کار پیدا کر

نظامِ کہنۂ نیلی رواق و ہم و فریب
نیا تصورِ لیل و نہار پیدا کر

غلط ہے ساز عجم ہو کہ لحنِ اعرابی
نیا ترانہ سرِ شاخسار پیدا کر

بہت بلند ہے سطحِ مذاقِ فکرِ جدید
نظر میں اوجِ سرِ کوہسار پیدا کر

فسردہ گائیٔ اہلِ جہاں کے حلقے میں
جواں خرائیٔ ابرِ بہار پیدا کر

کلاہِ خوجگیٔ کائنات کج کرکے
نیا زمانہ، نیا روز گار پیدا کر

الٰہِ دہر ہے تو، یہ فسردگی تاچند
ہر ایک خار سے سو لالہ زار پیدا کر

جمی ہوئی ہے دماغوں پہ برف مدت سے
دلوں میں دولتِ برق و شرار پیدا کر

مذاقِ بندگیِ عصرِ نو کی تجھ کو قسم
نئے مزاج کا پروردگار پیدا کر

بہار میں تو زمیں سے بہار اُبلتی ہے
جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

☆☆

مردِ انقلاب کی آواز

اگر انسان ہوں، دنیا کو حیراں کر کے چھوڑوں گا
میں ہر نا چیز ذرّے کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

تری اس زلف کی سوگند، اے لیلائے رنگینی
کہ ارضِ خار و خس کو سنبلستاں کر کے چھوڑوں گا

وہ پنہاں قوتیں جو طل کے زک دیتی ہیں دنیا کو
انھیں آپس ہی میں دست و گریباں کر کے چھوڑوں گا

سرِ تقلید کو مغزِ تفکر سے جِلا دے کر
چراغِ مردہ کو مہرِ درخشاں کر کے چھوڑوں گا

شعارِ تازہ کو بخشوں گا آب و رنگ جمعیت
رسومِ کہنہ کی محفل کو ویراں کر کے چھوڑوں گا

مسلط ہیں ازل کے روز سے جو ابنِ آدم پر
میں ان اوہام کو سر دَر گریباں کر کے چھوڑوں گا

ترے اس پیچ و خم کھاتے دھویں کو شمعِ حق بینی
فرازِ عقل پر ابرِ خراماں کر کے چھوڑوں گا

جو انساں، آج سنگ و خشت کو معبود کہتا ہے
اس انساں کو الوہیت بداماں کر کے چھوڑوں گا

قناعت جس نے کر لی ہے عناصر کی غلامی پر
میں اس کو کردگارِ باد و باراں کر کے چھوڑوں گا

قسم کھاتا ہوں اے کوہِ الم! دستِ زلیخا کی
کہ داماں کو ترے یوسف کا داماں کر کے چھوڑوں گا

پکاروں گا کلیمِ نو کو طورِ عصرِ حاضر سے
جو کچھ کہہ دوں گا اُس کو دین و ایماں کر کے چھوڑوں گا

مری ہمت بشر کو دعوتِ نو دے کے دم لے گی
میں اس بھٹکے ہوئے انساں کو انساں کر کے چھوڑوں گا

اگر یہ کفر ہے جو کچھ زباں پہ میری جاری ہے
تو میں اس کفر کو گلبانگِ عرفاں کر کے چھوڑوں گا

اگر عصیاں ہی پر موقوف ہے انساں کی بیداری
تو میں دنیا کو غرقِ بحرِ عصیاں کر کے چھوڑوں گا

☆☆

شاعرِ ہندوستاں

زندہ مُردوں کی ہے بستی، کون سنتا ہے یہاں
تابہ کے چیخا کروں "ہندوستاں ہندوستاں"

اک نظر بھی قدردانِ جوہرِ قابل نہیں
ہند کے اجڑے ہوئے سینے کے اندر دل نہیں

آئیں یوسف بھی اگر لپٹے ہوئے بازار میں
ایک گاہک بھی نہ پائیں ہند کے بازار میں

سچ کہا ہے جزو میں اندازِ کُل ہوتا نہیں
اس چمن کی بلبلوں کو عشقِ گُل ہوتا نہیں

ہند ہے وہ ملک جس میں کشمکش سے دھوکے ہات
سو رہی ہے موت کے زانو پہ لیلائے حیات

وہ جماعت، شرم سے نام اپنا لے سکتی نہیں
ایڈریس سی چیز جو شاعر کو دے سکتی نہیں

آہ اے "ٹیگور" تو کیوں ہند میں پیدا ہوا؟
سچ بتا تو کس ادائے ملک پہ شیدا ہوا؟

اس جگہ تو کانپتی ہیں قہر کی پرچھائیاں
زندگی غائب ہے مردے سانس لیتے ہیں یہاں

شعر کو بہروں میں ممکن ہی نہیں حُسنِ قبول
شاعر ہندوستاں ہے اصل میں جنگل کا پھول

جس کے گرد و پیش رہتا ہے بہائم کا ہجوم
روندتے ہیں جس کو چوپائے جھلستی ہے سموم

جہل کا دریا ہے، اور ناقدریوں کی لہر ہے
شاعر ہندوستاں ہونا خدا کا قہر ہے

☆☆

غرورِ ادب

میرے جلسے سے اُٹھ آنے پر خفا ہے ہمنشیں
شاعروں کی فطرتِ عالی سے تو واقف نہیں

جوہرِ ذاتی کا جب افسردہ ہوتا ہے وقار
کفر سے بدتر ہے اس موقع پہ وضعِ انکسار

ناشناسانِ ادب بھولے ہوئے ہوں جب شعور
ان مواقع پر عبادت کے برابر ہے غرور

دل ہمارا جذبۂ غیرت کو کھو سکتا نہیں
ہم کسی کے سامنے جھک جائیں، ہو سکتا نہیں

راہِ خودداری سے مر کر بھی بھٹک سکتے نہیں
ٹوٹ تو سکتے ہیں ہم لیکن لچک سکتے نہیں

حشر میں بھی خسروانہ شان سے جائیں گے ہم
اور اگر پرسش نہ ہوگی تو پلٹ آئیں گے ہم

اہلِ دنیا کیا ہیں اور اُن کا اثر کیا چیز ہے
ہم خدا سے ناز کرتے ہیں بشر کیا چیز ہے

☆☆

دردِ مشترک

سنتے ہیں طوفان میں ڈوبا ہوا تھا اک درخت
جس کی چوٹی پر ڈرے بیٹھے تھے دو آشفتہ بخت

ایک ان میں سانپ تھا، اور ایک سہا نو جواں
دو ضدوں کا ایک بھیگی شاخ پر تھا آشیاں

سچ ہے دردِ مشترک میں ہے وہ روحِ اتحاد
عشق میں جس سے بدل جاتے ہیں آئینِ عناد

لیکن اے عاقل مسلمانو، مدبر ہندوو!
ہند کے سیلاب میں اک شاخ پر تم بھی تو ہو

☆☆

رنگ و بو

دریں زمانہ نشد کس حریفِ فریادم
بہ بلبلانِ چمن ہم گلے فرستادم

(حافظ)

.............☆.............

ہم ایسے اہلِ نظر کو ثبوتِ حق کے لیے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

(جوش)

نغمۂ سحر

نسیم ہوتی ہے محو راحت سکوت ہوتا ہے جب چمن میں
میں پیش کرتا ہوں اپنے آنسو خنک ستاروں کی انجمن میں

مرے گلستان شاعری میں چٹکنے لگتی ہیں نرم شاخیں
نسیم رقاصۂ گلستاں ہنوز چلتی نہیں چمن میں

مجھے سنگھاتی ہیں روح پرور ہوائیں اس وقت بوئے قدرت
شمیم گلشن ہنوز ہوتی ہے بند غنچوں کے پیرہن میں

سفید ہلکی سی چاندنی میں بلند ہوتے ہیں میرے نغمے
چٹکنے والی تمام کلیاں خموش ہوتی ہیں جب چمن میں

مرا دماغِ سحر پرستی ہمیشہ اُس وقت جاگتا ہے
فلک پہ جس وقت چاند ہوتا ہے غلطیے خواب پیرہن میں

ہنوز نغموں کی خوابگاہوں کے گرد ہوتے ہیں سرخ پردے
رباب دل کا میں چھیڑتا ہوں حریم دوشیزۂ سخن میں

ادھر چھلکتے ہیں اشکِ سوزاں مری جھپکتی ہوئی مژہ سے
اُدھر دمکتی ہے کچھ کچھ افشاں اُفق کے گیسوئے پرشکن میں

فضا میں ہوتی نہیں ہے لرزش خموش ہوتا ہے نطقِ عالم
یکایک اُس وقت جاگتی ہے زبانِ فطرت مرے ذہن میں

یہ اب تو دستور ہوگیا ہے کہ جوش! کچھ رات بھیگتے ہی!
سلگنے لگتی ہے سوزِ دل سے اک آگ سی میرے تن بدن میں

☆☆

صبوحی

اُٹھ بربط و صراحی و مینا لیے ہوئے
رنگِ طلوعِ صبح ہے صہبا لیے ہوئے

ہر خار و خس ہے آئینہ دارِ عروسِ گل
ہر برگِ گل ہے عارضِ سلمیٰ لیے ہوئے

غنچے ہیں رنگِ نرگسِ خوباں سے بہرہ یاب
جھونکے ہیں بوئے کاکلِ زیبا لیے ہوئے

شبنم کا رس نسیم کی خنکی کلی کا رنگ
آئے ہیں طائرانِ دل آرا لیے ہوئے

کہتے ہیں جس کو روئے صنم کی ملاحتیں
وہ شے ہے اپنی چھاؤں میں صحرا لیے ہوئے

رُسوائیوں کا خوف ہے کیفِ شبینہ کو
انگڑائیوں کا جوش ہے دریا لیے ہوئے

پھولوں کے دل ہیں شرحِ محبت سے چاک چاک
کلیوں کے لب ہیں حرفِ تمنا لیے ہوئے

شبنم ہے برگِ تازہ پہ شبنم میں سرخیاں
آ بوستاں میں دیدۂ موسیٰ لیے ہوئے

اے چشمِ جوش! مژدہ کہ لیلائے رنگ و بو
چٹکی میں ہے نقاب کا گوشا لیے ہوئے

☆☆

رُبودگی

ہو چکا ہے غروب مہرِ منیر
سامنے اب نہیں کوئی تصویر

ہو چلا ہے اُداس ہر منظر
کیوں میں بیٹھا ہوں اب پہاڑی پر؟

سامنے کا ہرا بھرا جنگل
ہو چکا ہے نگاہ سے اوجھل

کھوئی جاتی ہے ظلمتوں میں نظر
بیکسی ہے گھنی کھجوروں پر

بھرنے والے ہیں پل میں اب جل تھل
گڑگڑاتے ہیں چرخ پر بادل

گونج ہے بادلوں کی وادی میں
پڑ رہی ہیں بڑی بڑی بوندیں

بڑھتا جاتا ہے ابر و باد کا جوش
پھر بھی بیٹھا ہوا ہوں میں خاموش

اور یہ راز بھی نہیں کھلتا
کہ مجھے انتظار ہے کس کا

☆☆

گم شدگی

دن نے ٹھنڈی سانس لی خورشید اوجھل ہوگیا
رنگ اڑا، صحرا ہوا خاموش، دریا سوگیا

نور سمٹا تیرگی پھیلی ہوائیں رُک گئیں
پھول کملائے چمن سنولائے شاخیں جھک گئیں

رنگِ گل شورِ چمن، جوشِ صبا کچھ بھی نہیں
ایک غم انگیز وحشت کے سوا کچھ بھی نہیں

اُڑ گیا رنگِ شفق دل چرخ کا تھرا گیا
رفتہ رفتہ روئے عالم پر دھواں سا چھا گیا

اُس دھوئیں میں اپنی زرّیں روشنی کھوتے ہوئے
میں نے دیکھا روحِ انسانی کو گم ہوتے ہوئے

☆☆

برسات کی شفق

یہ شفق ہے؟ یا فرازِ چرخ پر عکسِ چمن
یا تصور میں کسی گل پیرہن کا بانکپن
یا غریبِ خستہ جاں کے قلب میں، یادِ وطن

یہ شفق ہے، عارضِ جاناں پہ یا موجِ شباب
خواب گاہِ خسروِ خاور کا یا زرّیں حجاب
روحِ انسانی کا یا بھولا ہوا جنت کا خواب

یہ سنہری دھاریاں، نیلم کے یہ نقش و نگار
یہ زمرّد کی چٹانیں، یہ طلائی آبشار
دیدنی ہے منتہائے صنعتِ پروردگار

آہ ان جلوؤں سے، دل کے زخم دیتے ہیں لہو
قلب میں انگڑائی لیتی ہے کسی کی آرزو
روح کے پردوں میں جل اٹھتی ہے شمعِ آرزو

ان مناظر میں الجھی ہے ندی جذبات کی
تیز ہو جاتی ہے دل میں آنچ محسوسات کی
خون کے چھینٹے اڑاتی ہے شفق برسات کی

مل رہا ہے سرخیوں میں ایک ہلکا سا دھواں
جھک رہا ہے رفتہ رفتہ آفتاب زر فشاں
پستیوں میں سر بہ سجدہ ہے غرور آسماں

یاد آتی ہے کسی کی کم نگاہی کیا کروں
چھائی جاتی ہے ہر اک شے پر سیاہی کیا کروں
یہ مناظر کھائے جاتے ہیں، الٰہی کیا کروں؟

☆☆

مغموم درخت

سڑک، غلغلہ ، شور، ہلچل، غبار
دو رویہ درختوں کی سیدھی قطار

کوئی ہے؟ کہ از راہِ سوز و گداز
سُنے ان درختوں کی کلیوں کے ساز

اسی طرح اس مادّی عہد میں
کہاں دل ، کہ شاعر کے نغمے سنیں

☆☆

آدھی رات

(اور ربودگی کا ایک لمحہ)

رات آدھی آ چکی ہے خلق ہے مصروفِ خواب
نصف شب کے فاصلے پر جا چکا ہے آفتاب

جھک چکا ہے پائے خاموشی پہ کھو کر جی کا زور
گرسنہ شیروں کی صورت، چونکتی سڑکوں کا شور

اب نہیں ان کارخانوں کی کلاہِ فخر کج
جن میں تھی بپھرے ہوئے بادل کی طوفانی گرج

ہو چکا ہے خامشی کی بزم میں خواب و خیال
گرمیِ کل پرزوں کی پیہم گھڑگھڑاہٹ کا جلال

رکھ چکی ہے لیلائے امن و اماں بالائے طاق
اسلحہ کی کھڑکھڑاہٹ قوتوں کا طمطراق

شاہ راہوں پر نظر آتا نہیں، نزدیک و دور
مرکبِ شاہی کا کروفر حکومت کا غرور

دفن ہے تکیوں میں اہلِ کبر کا ہر اک بناؤ
گردنوں کا خم لبوں کی مہر، چہروں کا کھچاؤ

زر کے پیچھے دن کو پھرتے تھے جو گھبرائے ہوئے
سو رہے ہیں بستروں پر، ٹھوکریں کھائے ہوئے

کہہ رہے ہیں کتنی اُلجھی حسرتوں کی داستاں
راستوں پر گاڑیوں کے پیچ و خم کھاتے نشاں

دن کو برپا تھی جو ہلچل کوچہ و بازار میں
ہو چکی ہے جذب گلیوں کے در و دیوار میں

زیست کے ماتھے پہ ہے لیلائے شب کا سرو ہات
سرنگوں ہے دبدبہ انگیز طوفانِ حیات

لڑنے والے سرد ہیں سنسان ہیں میدانِ جنگ
اڑ چکا ہے فکر کی ماری ہوئی دنیا کا رنگ

گھٹ چلا ہے مضمحل گیتی کے دل کا ارتعاش
مٹ چلی ہے نیم جاں راہوں کے سینوں کی خراش

چاندنی سے پا چکا ہے اک بڑی حد تک سکوں
دھوپ سے کھولا ہوا خاشاک کی نبضوں کا خوں

پھر بھی اب تک کرب سے ذرات کے چہرے ہیں زرد
لے رہی ہے سسکیاں روندی ہوئی سڑکوں کی گرد

ضوفگن ہے چاند عالم پر بصد لطف و نیاز
جس طرح بیمار کی بالینِ غم پر چارہ ساز

سو رہے ہیں برق پا جھونکے ہوائے سرد کے
مفلسی کی تلخ فریادوں کو دامن میں لیے

سہہ کے فاقے سو چکے ہیں بندگانِ سوگوار
رزق کے وعدے کو ایفا کر چکا ہے کردگار

بن چکی ہے سینۂ رحمت میں ایک ہلکی سی آہ
مُنعموں کی چین پیشانی، غریبوں کی نگاہ

ہو چکی ہے سست، گرم انفاس سے بوجھل ہوا
وقت کا پہیا نظر آتا ہے کچھ رکتا ہوا

سرنگوں ہے خاک پر سعی و عمل کی بارگاہ
خفتہ ہے عالم، مگر بیدار ہے "عشق و گناہ"

لے کے انگڑائی اُٹھی ہیں خواب سے خونخواریاں
جرم کے سینے میں ہیں شب خون کی تیاریاں

شحنۂ سلطاں کے دل میں گرم ہے داغِ سراغ
جل رہے ہیں دھندلے دھندلے طاقِ سازش میں چراغ

پھر رہی ہے موت کا گویا مزا چکھتی ہوئی
شب روی، دہشت کے سینے پر قدم رکھتی ہوئی

شب کی تاریکی سے ہیں اچھے برے سب بہرہ مند
شانۂ عاشق پہ کاکل، دوشِ سارق پر کمند

اک طرف ہیں گرمِ شیون عاشقانِ نامراد
چاندنی میں ڈس رہی ہے اور بھی جاناں کی یاد

ہجر کی ماری جوانی کو سلانے کے لیے
کروٹوں پر کروٹیں ہیں نیند آنے کے لیے

کروٹوں میں چبھ رہی ہیں بے مزا لمحوں کی دھار
جنبشِ مژگاں سے دامن رات کا ہے تار تار

خوش نصیبوں کا اُدھر ہے دعوتِ کام و دہن
زینتِ آغوش ہیں شیریں عذار و سیم تن

میکدوں کی مسندوں پر مطربوں کی بزم میں
ہیں گلوں میں نقرئی بانہوں کی ہلکی ہیکلیں

خلوتوں میں راگنی کی طرح ہے گونجی ہوئی
اک ملائم سرسراہٹ ، ریشمی ملبوس کی

لعلِ عطر افشاں پہ رقصاں ہے تبسم کی پھبن
ماہِ نو کے سامنے جس طرح برگِ یاسمن

گوشے گوشے میں ہے بزم ناز کے ہنستی ہوئی
کنگنوں کی جگمگاہٹ ساعدوں کی چاندنی

تیز تیز انفاس کی خوشبو گلے کے ہار میں
خلوتیں ڈوبی ہوئی رنگِ لب و رخسار میں

اک طرف ساقی کی آنکھیں اک طرف جامِ شراب
کھیل میں مصروف ہے اربابِ عشرت کا شباب

اور میں ہوں اس طرف زلفِ تخیل کا اسیر
ذہن یوں ضو ریز ہے جس طرح صانع کا ضمیر

چھو رہی ہے میری پیشانی کو ان جذبوں کی سانس
جن کی ہر کروٹ دلِ شاعر میں بن جاتی ہے پھانس

عود کر آیا ہے گویا اوّلیں دورِ شباب
گرد ہیں گزری ہوئی راتوں کے صدہا ماہتاب

دل پہ ہے اس پُرفشاں لمحے کی ازخود رفتگی
اک کڑی ہوتا ہے جو مابینِ مرگ و زندگی

جس کے سناٹے میں کھو جاتا ہے غوغائے حیات
راگنی میں جو بدل دیتا ہے شورِ کائنات

خار سے دامن نہیں جس کا اُلجھتا راہ میں
اور جو مستقبل و ماضی کی طوفاں گاہ میں

حال کے اس لمحۂ نازک پہ کرتا ہے نظر
نوکِ مژگاں سے ہوا کرتا ہے جو باریک تر

اور پھر اس لمحۂ مبہم سے بے حد و قیاس
کھینچ لیتا ہے حیاتِ جاودانی کی مٹھاس

اور اُڑ جاتا ہے پھر بے خود بنا چکنے کے بعد
وقفۂ حاضر کو تاجِ زر پنہا چکنے کے بعد

☆☆

برسات کی پہلی گھٹا

کیا جوانی ہے فضا میں، مرحبا صد مرحبا
چل رہی ہے روح کو چھوتی ہوئی ٹھنڈی ہوا
آ رہی ہے دور سے کافر پپیہے کی صدا
حسن اٹھا ہے خاک سے انگڑائیاں لیتا ہوا
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

آرزو میں ہے تلاطم، جوش ارمانوں میں ہے
حسرتوں میں ولولے ہیں، تازگی جانوں میں ہے
نوجوانی کا تبسم سرد میدانوں میں ہے
روشنی ہے دشت میں خوشبو بیابانوں میں ہے
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

مطربوں نے ساحلوں پر جا لے چھیڑے ہیں ستار
ہل دھرے کاندھوں پہ ہنستے جا رہے ہیں کاشتکار
مست ہے جنگل میں چرواہا چمن میں جوئے بار
گا رہا ہے ناخدا دریا کے سینے پر ملار
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

بستیوں میں نے ہے گرم زمزمہ جنگل میں بانس
جی اٹھی ہے دھوپ کے مارے ہوئے میداں کی گھانس
لے رہے ہیں پھول اطمینان سے باغوں میں سانس
ابر کے ناخن نے دل سے کھینچ لی گرمی کی پھانس
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

ماہ پیکر لڑکیاں رنگینیوں پر تل گئیں
رنگ کی پڑیاں ہزاروں ایک دن میں گھل گئیں
لی جو گہری سانس دل کی کلفتیں سب ڈھل گئیں
گرد کچھ اس طرح سے بیٹھی کہ آنکھیں کھل گئیں
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

بھر دیے پانی نے جل تھل ندیاں بہنے لگیں
چھوڑ کر شانوں پہ زلفیں مسکرائے نازنیں
آج ہے غرقِ سفیدی سرخ تھی کل جو زمیں
سرد پانی چوس کر ذرّوں نے آنکھیں بند کیں
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

چھا گئی لو ، دفعتاً آموں کے باغوں پر بہار
اُٹھ رہی ہے سوندھی سوندھی سی شمیمِ خوشگوار
شاخ پر کوئل غزل خواں ہے لب جو ے کسار
گا رہے ہیں رکھ کے ڈولی نیم کے نیچے کہار
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

بڑھ رہا ہے تیز پانی، پک رہی ہیں پوریاں
رقص کرتا جا رہا ہے موجِ باراں میں دھواں
مہوشوں کی زیب و زینت الحفیظ و الاماں
ہر کلائی میں نظر آتی ہیں دھانی چوڑیاں
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

ابر کے سیلاب میں ڈوبا ہوا ہے جزو کل
خار کی نبضوں میں بھی دوڑا ہوا ہے خونِ گل
صحن میں پانی ہے اور پانی میں ہے بچوں کا غل
اک طرف لکڑی کی کشتی اک طرف مٹی کا پل
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

باہمی آویزشیں غم خواریاں سی بن گئیں
بے زری کی کلفتیں زرواریاں سی بن گئیں
بھر گیا پانی زمیں پر دھاریاں سی بن گئیں
جا بجا مٹی جو کٹی کیاریاں سی بن گئیں
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

زندگی کی سرد نبضوں میں حرارت آگئی
معموں میں خُلق کانٹوں میں نزاکت آ گئی
ہجر کے افسردہ چہروں پر بشاشت آگئی
حد ہے خوش چشموں کی آنکھوں میں مروّت آگئی
جھوم کر برسی ہے کیا برسات کی پہلی گھٹا

☆☆

پیغمبرِ فطرت

تاروں نے جھلملا کے جو چھیڑا ستارِ صبح
گانے لگی چمن میں نسیمِ بہارِ صبح
غنچوں کی چشمِ ناز سے ٹپکا خمارِ صبح
ابھرا اُفق سے جامِ زمرّد نگارِ صبح
شاعر کی روح ، عشق کی ہمراز ہوگئی
دنیا تمام جلوہ گہِ ناز ہوگئی

شمعیں ہوئیں خموش، چہکنے لگے طیور
اُلٹی نقاب چرخ نے جھلکا زمیں پہ طور
سینوں میں اہلِ دل کے ہوئے قلب چور چور
آنکھوں سے رُخ پہ دوڑ گیا آنسوؤں کا نور
دریا بہے چٹک گئیں کلیاں گلاب کی

سبزے پہ لہر آئی ، جنوں خیز ہوگیا
جھونکا ہر اک نسیم کا گل ریز ہوگیا
شب کا سکوت لحنِ دل آویز ہوگیا
رنگِ حیات، ولولہ انگیز ہوگیا
تنویر خندہ زن ہوئی تاریک رات پر
حسنِ ازل کی چھوٹ پڑی کائنات پر

بادِ سحر کے جام پہ قرباں ہزار جسم
دامن تمام شبنم تازہ سے جس کا نم
جھونکے نہیں یہ چرخ سے ہے بارشِ کرم
ہر سانس غسل دیتی ہے سینے کو دم بہ دم
تھی روح میں جو شب کی کثافت وہ دھل گئی
گہری جو سانس لی تو گرہ دل کی کھل گئی

وارفتگی کی سینۂ مشرق میں ہے اُمنگ
ہر چیز میں حیات کی پیدا ہے اک ترنگ
گردوں کی آب و تاب سے ہوتی ہے عقل دنگ
ہلکا سا ابر، ابر میں یہ چمپئی سا رنگ
جامِ زمردیں میں ہیں موجیں شراب کی
شبنم میں چبھ رہی ہے کرن آفتاب کی

دولہا بنے ہوئے ہیں شگوفوں سے بوستاں
کندن بنی ہوئی ہیں پہاڑوں کی چوٹیاں
تاروں کا بزمِ چرخ پہ باقی نہیں نشاں
آنکھیں ہیں بند ساکت و صامت ہے آسماں
ہاتھوں پہ آفتاب درخشاں لیے ہوئے
حسنِ ازل کا دل میں تصور کیے ہوئے

رقصاں ہے بحر انجمن آفتاب میں
جس طرح روحِ شکر ہو موجِ شراب میں
لہریں ہیں یا ہے زلف دوتا پیچ و تاب میں
غلطاں ہے روحِ بادِ صبا کی حباب میں
موجیں رواں ہوئی ہیں کچھ اس سوز و ساز میں
جس طرح کوئی چونک پڑے خوابِ ناز میں

شمعیں بجھاتی آئی ہے ٹھنڈی ہوا کی زد
پروانے سرنگوں ہیں دھواں دے رہی ہے لو
یہ وادیوں میں پھیل رہی ہے سحر کی ضو
یا آ رہی ہے سر کو جھکائے عروسِ نو
آنکھوں میں دلفریب تبسم لیے ہوئے
کاکل ہے چشم سرخ پہ سایہ کیے ہوئے

اے جوش! دیکھ غور سے رقصِ رنگ و بو
تھی کب سے تجھ کو پرتوِ جاناں کی آرزو
ہاں دیکھ ، یہ تبسمِ گل نازِ آب و جو
کو کو کی یہ صدائے دل افروز کو بہ کو
آنکھیں اُٹھا، علاجِ دلِ درد مند کر
پیہم صدائیں صلِ علیٰ کی بلند کر

یہ صحنِ گلستاں میں ہری دوب کی ردا
یہ وادیوں کی اوس میں ڈوبی ہوئی ہوا
یہ کوئلوں کی کوک ، پپیہے کی یہ صدا
رخسارِ گل پہ رنگ ، یہ ہلکا سا دھوپ کا
رنگینیاں یہ سلسلۂ کوہسار کی
یہ تنگ گھاٹیوں میں صدا آبشار کی

یہ آب و تابِ چادرِ آبِ رواں یہ نور
نزہت کا یہ ہجوم، لطافت کا یہ وفور
یہ دامنِ نسیم میں سرمایۂ سرور
بکھرے ہوئے زمیں پہ موتی یہ دور دور
یہ جھلکیاں سی پردۂ ظلمت میں نور کی
یہ معرفت میں غرق، صدائیں طیور کی

کچھ کہہ کے جھم صبح سے یہ الوداع ماہ
یہ کنج کی نسیم خنک، یہ ہری گیاہ
یہ نہر کی تڑپ کہ ٹھہرتی نہیں نگاہ
یہ پنکھڑی کا ناز کہ اللہ کی پناہ
صحن زمیں پہ شب کی سیاہی لیے ہوئے
یہ آسمان افسر شاہی لیے ہوئے

کندن سے یہ کلس یہ دل آویز کوہسار
یہ دل کشا چمن یہ فرح بخش لالہ زار
شاخوں کا دلبری سے لچکنا یہ بار بار
یہ مہر کا جمال، نہ پنہاں، نہ آشکار
یہ آسمان، جلوہ گری پر تلا ہوا
یہ حسن لازوال کا پرچم کھلا ہوا

اے شیخ! تو نہیں ہے حقائق سے بہرہ یاب
فطرت پرست جوش پر اور اس قدر عتاب
فطرت بھی تیری طرح سے ہے صاحب کتاب
اس دین کا صحیفۂ زرّیں ہے آفتاب
خاشاک کہہ رہا ہے جسے تو وہ پھول ہے
ناداں! صبا ح غنچہ کشا بھی رسول ہے

☆☆

شام کی بزم آرائیاں

جھٹپٹا ہونے لگا، تاریکیاں چھانے لگیں
بدلیاں جنگل میں اک وحشت سی برسانے لگیں

صبح کی رنگینیاں، خواب پریشاں ہوگئیں
ظلمتیں غمگیں فضا میں بال بکھرانے لگیں

پھول کمھلائے چراگاہوں کا رنگ اڑنے لگا
ساحل خاموش پر مایوسیاں چھانے لگیں

تیرگی پھیلی، درخت اک دوسرے سے مل گئے
وحشتیں صحرا کے دل میں پیچ و خم کھانے لگیں

کروٹیں یوں لیں شفق نے آسماں پر جلد جلد
ناگنیں سی سبزۂ خود رو پہ لہرانے لگیں

طائروں نے پر سمیٹے، جھک گئیں شاخیں تمام
سو گئے ذرّے ہوائیں آنکھ جھپکانے لگیں

رک کے دریا رُوح سے سرگوشیاں کرنے لگا
تھم کے موجیں چرخ کو آئینہ دکھلانے لگیں

پھر گھنے جنگل میں چھیڑا، غم کی دیوی نے ستار
پھر خنک تاروں کی۔ آنکھیں اشک برسانے لگیں

پھر خوشی کی حدیثِ غم نے بسمل کردیا
پھر شفق کی داستانیں خون رُلوانے لگیں

جتنی چوٹیں دل پہ کھائی تھیں اُبھر آئیں تمام
جتنی شکلیں دل میں پنہاں تھیں نظر آنے لگیں

پھر کسی عشوے کا پرتو، روح میں غلطاں ہوا
پھر کسی محفل کی شمعیں دل میں تھرانے لگیں

پھر تخیل کو اندھیرے نے سُجھایا راستہ
پھر تصور میں گھٹائیں برق چمکانے لگیں

تیرگی نے پھر منور کر دیا قصرِ دماغ
ظلمتیں پھر حافظے میں نور دوڑانے لگیں

میٹھا میٹھا درد پھر سینے میں پیدا ہو گیا
صحبتیں بچھڑی ہوئی پھر ہائے یاد آنے لگیں

تا کجا تاریک جنگل میں یہ بزم آرائیاں
جوشؔ اب گھر چل کہ گہری بدلیاں چھانے لگیں

☆☆

حسرت

خورشیدِ جہاں تاب جب آنکھوں سے ہو اوجھل
آوارہ نظر آتے ہوں جب چرخ پہ بادل

سینے میں خیالات ہوں جب لامتناہی
چھائی ہو تر و خشک پہ ہلکی سی سیاہی

جب چرخ پہ دوچار ستارے نظر آئیں
پرتول کے جب نہر پہ طائر اتر آئیں

جب خونِ شفق گرم ہو اور سرد ہو صحرا
بہتا ہو جب آہستہ مچلتا ہوا دریا

جب چراغ پہ فانوس مہہ نو کا ہو روشن
جیسے کسی نو عمر کا ٹوٹا ہوا کنگن

ہمراہ مرے جب کوئی ہمدم ہو نہ ہمراز
کچھ دور سے جب بانسری کی آتی ہو آواز

کھنچ آئیں جب اس نقطۂ اسرار پہ جذبات
پیدا ہوں خوشی سے الم انگیز خیالات

جب دردِ جگر اتنی لطافت سے ہو پیدا
دل کو خلش غم پہ بشاشت کا ہو دھوکا

ہو دل میں سمویا ہوا احساس کا جوہر
آنکھوں میں ہوں اشک اور تبسم ہو لبوں پر

جب شورشیں ادراک کی خاموش ہوں دل میں
جب شادی و غم دونوں ہم آغوش ہوں دل میں

جب موجِ ہوا میں نفسِ شام کی بو ہو
حسرت ہے کہ اس وقت میرے سامنے تو ہو!

☆☆

بھری برسات کی روح

تیرگی پُرہول صحرا بے اماں بادل سیاہ
ایک میں اور یہ اندھیری رات کی خونی سپاہ

گھاٹیاں تاریک ، راہیں گم ہوائیں ناصبور
روح فرسا طاقتوں کی حکمرانی دور دور

ابر پیچ و تاب میں ہیجان میں آبِ رواں
آسماں بپھرا ہوا، بھیگی زمیں کف در دہاں

جھینگروں کی تان، بادل کی گرج، پانی کا شور
مینڈکوں کے راگ بجلی کی کڑک، نالوں کا زور

کون ہے اُلجھی ہوئی شاخوں کے اندر بیقرار؟
کون مجھ کو گھورتا ہے جھاڑیوں سے بار بار

بجلیاں سی کنج میں رہ رہ کے چمکاتا ہے کون؟
روئے ظلمت کو یہ بالتفصیل دکھلاتا ہے کون

کون یہ آواز دیتا ہے کہ آتا کیوں نہیں؟
جوش ان ظلمت کے پردوں کو اُٹھاتا کیوں نہیں

ہاں، لپک اُٹھا وہ کوندا سا دلِ سرشار میں
اب میں سمجھا، کون ہے ان پردہ ہائے تار میں

مجھ سے ملنے آئی ہے رتھ میں اندھیری رات کی
ہو نہ ہو، یہ روح مضطر ہے بھری برسات کی

☆☆

پیا بن ناگن کالی رات

ایک دکھیا، حزیں پریشاں حال
پی کی دوری سے جس کا جی نڈھال

روتی رہتی ہے ساری ساری رات
اک قیامت ہے جان پر برسات

سوئے گردوں نظر اٹھاتی ہے
دردِ دل اس طرح سناتی ہے

دیکھنے کی نہیں مری حالت
زرد ہوں، اے مناظرِ قدرت

بادلوں سے ہلال کو ڈھانکو
اپنا خنجر نیام میں رکھ لو

اے تروتازہ حسرتو! بن کی
اے گلابی گھٹاؤ ساون کی

جلدی اس دیس سے گزر جاؤ
واری، اک بوند بھی نہ ٹپکاؤ

ورنہ مہکیں گے پھول گلشن میں
آگ لگ جائے گی مرے تن میں

یوں نہ پاپی پپیہے تان لگا!
جس نگر میں ہیں پی، وہیں اُڑ جا

دیکھ پروائی! دل نہ کھلا جائے
کوئی جھونکا اِدھر نہ آنے پائے

زلفِ ماضی سنوارنے والی
تو ہے چوٹیں ابھارنے والی

پی کی نگری میں جا کے بھر جل تھل
میرے سر پہ گرج نہ او بادل

ہائے کیوں کر نہ اختلاج رہے
پی ہیں پردیس میں براج رہے

سوجھتا ہی نہیں بات کو بات
ڈس رہی ہے گھوڑی کالی رات

کھائے جاتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
دل میں چبھتی ہے بوندیوں کی صدا

کیا ہوا تجھ کو ہائے جی کے زور
مور جنگل میں کر رہے ہیں شور!

سوندھی سوندھی زمین کی خوشبو
آنکھ میں بن رہی ہے کیوں آنسو؟

یوں ہی چھاتی جو دھڑکے جائے گی
ہائے کس طرح نیند آئے گی

گھر اکیلا ہے پڑ رہی ہے پھوار
کیسا مورکھ ہے، اے سکھی! سنسار!

اے سہیلی! بجا نہیں اوسان
یہ تو مجھ کو بتا، ترے قربان

سیج سونی ہے اور برستی رات
باؤلی ہو گئی ہے کیا برسات؟

☆☆

بہار کی ایک دوپہر

بے چین ہیں ہوائیں، بادل ہے ہلکا ہلکا
بھیڑیں چرا رہی ہیں دوشیزگانِ صحرا

کچھ لڑکیاں چنے کے کھیتوں میں گا رہی ہیں
کچھ پھول چن رہی ہیں، کچھ ساگ کھا رہی ہیں

بوڑھا کسان اپنی گاڑی پہ جا رہا ہے
کھیتوں کو دیکھتا ہے اور سر ہلا رہا ہے

زیرِ قدم جو برگِ پژمردہ آ رہے ہیں
ہر گام پر کچل کر نغمے سنا رہے ہیں

خورشید، بادلوں میں کشتی جو کھے رہا ہے
کوؤں کا بولنا تک اک لطف دے رہا ہے

کھیتوں پہ دھندلی دھندلی کرنیں چمک رہی ہیں
سر سبز جھاڑیوں میں چڑیاں پھدک رہی ہیں

سورج ہے سر پہ، بادل سایہ کیے ہوئے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے جھونکے گرمی لیے ہوئے ہیں

غنچے چٹک رہے ہیں گلزارِ زندگی کے
در کھل رہے ہیں دل پر اسرارِ زندگی کے

خود اپنے حافظے میں جلوے دکھا رہا ہوں
کھویا گیا ہوں ایسا، اپنے کو پا رہا ہوں

☆☆

شبِ ماہ

الاماں کیا چاندنی چھٹکی ہوئی ہے دور تک
گر رہے ہیں خاک پر چاندی کے لاکھوں آبشار

کہہ رہی ہے قلبِ سوزاں سے یہ ٹھنڈی چاندنی
جوش میں آتی نہ کب تک رحمتِ پروردگار

یہ شگوفوں کا تبسم، یہ ستاروں کا جمال
موجِ رنگیں کے یہ ہلکورے، یہ دریا کا نکھار

اُجلی اُجلی چوٹیوں پر یہ روپہلی چاندنی
یہ ہوا کی نغمہ ریزی، یہ سکوتِ کوہسار

جا بہ جا یہ ابر کے ٹکڑوں میں تاروں کی جھمک
دور تک یہ جھاڑیوں میں جگنوؤں کا انتشار

یہ سنکتے سرد جھونکے کارواں در کارواں
یہ ہمکتی چلبلی موجیں قطار اندر قطار

یہ بساطِ نہر پر چاندی کی نازک دھاریاں
یہ جبینِ آب پر الماس کے نقش و نگار

چادرِ آبِ رواں پر، یہ ضیائے مرتعش
صفحۂ موجِ خنک پر یہ نقوشِ بیقرار

تیرتا پھرتا ہے یہ بادل کے ٹکڑوں میں ہلال
یا زمرد کا سفینہ درمیانِ جوئبار

یہ کلی پر قطرۂ شبنم میں ہے نورِ قمر
آنکھ کی پتلی میں یا غلطاں ہے عکسِ روئے یار

یہ گھنی شاخوں سے چھن کر آ رہی ہے چاندنی
قلبِ شب میں، یا تصورِ صبح کا ہے بیقرار

مدحِ فطرت میں نہیں اشعار یہ وردِ زباں
یہ جبینِ نطق کے سجدے ہیں اے پروردگار

ہاں مگر ماتم کے قابل ہے یہ احساسِ شکست
قامتِ فطرت پہ ملبوسِ زباں ہے تار تار

آہ اے فطرت! تری برنائیوں کے سامنے
بہترین الفاظ ہو جاتے ہیں میرے شرمسار

حسن تیرا، ذوقِ گویائی کے سی دیتا ہے لب
راگنی تیری، زباں کا توڑ دیتی ہے ستار

تیری محرابِ تجلی میں وفورِ شرم سے
سر جھکاتا ہے مرے زورِ بیاں کا افتخار

تیرا دریا نطق کی وادی میں بہہ سکتا نہیں
آدمی محسوس کر سکتا ہے، کہہ سکتا نہیں

☆☆

منہ اندھیرے

منہ اندھیرے میں اُٹھا ہوں شعر کہنے کے لیے
تیرگی میں، نور کے دریا میں بہنے کے لیے

بوئے گل، رنگِ اُفق، نازِ صبا، بانگِ ہزار
واہ ، کیا سامان ہیں بشاش رہنے کے لیے

مسکراتی آ رہی ہے ، صبح کی مشعل لیے
حورِ فطرت، مجھ سے اپنے راز کہنے کے لیے

وہ کلی چٹکی ، وہ برسا رنگ ، وہ پھوٹی کرن
ہنس کے وہ انگڑائی لی دریا نے ، بہنے کے لیے

☆☆

روحِ شام

مغرب کی وادیوں میں خورشید اُتر رہا ہے
تصویرِ بے خودی کا ہر نقش ابھر رہا ہے

پامال و خشک پتے، بکھرے ہوئے پڑے ہیں
سرسوں کے کھیت سارے پھولے ہوئے کھڑے ہیں

چرواہے جھٹپٹے کی تانیں سنا رہے ہیں
چوپائے سر جھکائے میداں سے جا رہے ہیں

روحیں لرز رہی ہیں فرقت کے دل جلوں کی
ظلمت میں بج رہی ہیں یا گھنٹیاں گلوں کی

گلّے گزر چکے ہیں سبزہ پڑا ہے روندا
کیا کیا مہک رہا ہے پھولا ہوا کروندا

اک سمت چھوٹی چھوٹی رنگیں پہاڑیاں ہیں
اک سمت گل بداماں ڈھاکے کی جھاڑیاں ہیں

کیا دلکشی بیاں ہو، گلرنگ جھاڑیوں کی
ترشی ہوئی ہیں راہیں جن میں سے گاڑیوں کی

ان جھاڑیوں کے اندر میری نظر لڑی ہے
دوشیزہ اک کمر تک ڈوبی ہوئی کھڑی ہے

سرشار جھاڑیوں کے نغمے سنا رہی ہے
محرابِ رنگ و بو میں شمعیں جلا رہی ہے

ٹیکا نہیں جبیں پر نیلم جڑا ہوا ہے
اک ہار سا گلے میں ترچھا پڑا ہوا ہے

رُخ پر اثر شفق کے آغوشِ تربیت کا
زلفِ سیہ پہ جنباں پرچم اُلوہیت کا

آنچل پڑا ہوا ہے زلفِ سیہ پہ دھانی
غمگیں سروں میں گم ہے اُٹھتی ہوئی جوانی

اے جوشؔ ادب سے جھک جا، تو جانتا نہیں ہے
دربار میں ہے کس کے؟ پہچانتا نہیں ہے

اس بھیس میں جو مست و بیخود بنا رہی ہے
یہ روحِ شام تجھ کو جلوے دکھا رہی ہے

☆☆

مبہم پیام

قلبِ صحرا میں چھپنے کے وقت
دل میں غلطاں ہے ایک طرفہ اُمنگ
مجھ سے کہتا ہے، کیا، خدا جانے؟
دھان کے کھیت پہ شفق کا رنگ!

☆☆

بہار آنے لگی

پھر بہار آئی ، ہوا سے بوئے یار آنے لگی
پھر پپیہے کی صدا دیوانہ وار آنے لگی

پی کہاں کا شور اُٹھا ، حق سرّہٗ کا غلغلہ
کوئلیں کوکیں، صدائے آبشار آنے لگی

کھیت، جھومے، ابر مچلا پھول مہکے، دل کھلے
کونپلیں پھوٹیں، ہوائے مشکبار آنے لگی

قمریاں چہکیں، ہلے پودے، چلی ٹھنڈی ہوا
جام کھنکے، روئے مینا پر بہار آنے لگے

پھر نسیم دل رُبا چلنے لگی مستانہ وار
پھر شمیم طرۂ گیسوئے یار آنے لگی

پھر سماعت سے نوائے کیف نے کی چھیڑ چھاڑ
سامنے پھر لیلائے نقش و نگار آنے لگی

پھر شگوفے مسکرائے، پھر چھپی سینے میں سانس
جوشؔ! یادِ یار پھر بے اختیار آنے لگی

☆☆

سیرِ گردوں

صحرائے دل نشیں ہے اور شام کا سماں ہے
پنجاب میل سینہ تانے ہوئے رواں ہے

اُٹھ اُٹھ کے سرخیوں کے پردے سے گر رہے ہیں
بادل کے چند ٹکڑے آوارہ پھر رہے ہیں

آوارہ پھر رہے ہیں یوں بے رفیق و ناصر
جس طرح جھٹپٹے کے بھٹکے ہوئے مسافر

رنگینیوں کا دریا طوفاں اُٹھا رہا ہے
اک رنگ آ رہا ہے، اک رنگ جا رہا ہے

اُف، دامنِ شفق کا انداز دلستانی
کلیاں تو ہیں گلابی اور گوٹ آسمانی

تا دور اک سنہرا دریا بھرا ہوا ہے
خونِ سخن رگوں میں لہریں سی لے رہا ہے

جی چاہتا ہے ہوتی ہیرے کی ایک کشتی
کشتی پہ ساتھ ہوتا اک مستِ ناز ساقی

جوئے شفق کے اندر کشتی کو ڈال دیتا
ارض و سما کو اپنے دل سے نکال دیتا

مجھ سے قریب ہوتا گردوں کا بامِ رنگیں
ساقی کی بانسری پر سنتا کلامِ رنگیں

صحت کا میری ساغر، اک لالہ فام پیتا
پہروں خُمِ شفق سے بھر بھر کے جام پیتا

تصویرِ آرزو میں رنگِ نشاط بھرتا
اُس وقت تک برابر گردوں کی سیر کرتا

جب فرطِ دلبری سے ہلکی سی تیرگی میں
منہ دیکھتے ہیں تارے شبنم کی آرسی میں

☆☆

نیچر کی خواب گاہ

رحم کر بللہ اے انجن کی سیٹی، رحم کر
شام کا ہے وقت، ویرانے کا سناٹا نہ چھین
ذرہ ذرہ ہے یہاں، روٹھا ہوا، تھکا ہوا
دو گھڑی نیچر کو سو رہنے دے اے اندھی مشین

☆☆

البیلی صبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت، جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں، اُفق کی لو تھرتھرا رہی ہے

روش روش نغمۂ طرب ہے، چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں، کلی کلی گنگنا رہی ہے

ستارۂ صبح کی رسیلی، جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگارِ مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

طیور، بزمِ سحر کے مطرب لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیمِ فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے، کوئی پری مسکرا رہی ہے

سحر کو مد نظر ہیں کتنی رعایتیں چشم خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی لہو میں سرخی بڑھا رہی ہے

شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلو سکھا رہی ہے

فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے

کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں، یہ کس کی آواز آ رہی ہے

☆☆

لُو کی آمد آمد

طے صبح کی راہ کر چکی ہے
دیواروں سے دھوپ اُتر چکی ہے

خنکی کی اُلٹ پلٹ ہے مسند
میداں میں ہے لُو کی آمد آمد

آتی ہیں ہوائیں سنسناتی
پودوں کی دھڑک رہی ہے چھاتی

دوزخ میں بہشت ہے غزل خواں
شاخوں پہ چہک رہی ہیں چڑیاں

چوپائے ابھی سے ہانپتے ہیں
ہیبت سے درخت کانپتے ہیں

ہر سو ہیں رواں دواں ہوائیں
لرزاں ہیں طیور کی صدائیں

تھم تھم کے نکل رہے ہیں شعلے
انبار سے خشک پتیوں کے

تیزی سے ہوائیں آ رہی ہیں
سن سن کے صدائیں آ رہی ہیں

یوں گرد و غبار چھا رہا ہے
میداں کے حواس اُڑا رہا ہے

ہلکی سی فلک پہ کچھ گھٹا ہے
خورشید ذرا سا چھپ گیا ہے

میدان بدل رہا ہے کیا روپ
سایہ تھا ابھی ، ابھی کڑی دھوپ

پُرہول ہوا کے ارغنوں ہیں
آموں کے درخت سرنگوں ہیں

گھبرائے ہوئے ہیں باغ والے
ہو جائیں کہیں نہ خشک تھالے

پھرتے ہیں اِدھر اُدھر کھلے سر
کاندھوں پہ گھڑے، نظر فلک پر

سوکھی ہوئی گھاس ہے فسردہ
افسردہ نہ کہیے بلکہ مُردہ

دوزخ کی نظر ہے بزمِ جاں پر
وحشت ہے زمین و آسماں پر

پہلو سے زمیں بدل رہی ہے
ذرّوں سے ڈنک نکل رہی ہے

گرمی کی ہے باڑھ پر جوانی
ہر ذرّہ پکارتا ہے "پانی"

☆☆

برباد لمحوں سے خطاب

رات آدھی آ چکی ہے خلق ہے مصروفِ خواب
ابر کی ہلکی سی چادر میں ہے نورِ ماہتاب

اپنے شانوں پر اُٹھائے ہے پہاڑوں کا وقار
حاشیے پر شہر کے لانبے درختوں کی قطار

دل پہ ہے کچھ اس طرح کی بیخودی چھائی ہوئی
بیشتر جس سے اُچٹ جاتی ہے نیند آئی ہوئی

ملگجی سی چاندنی، کہرے کا ہلکا سا غبار
عرش سے تا فرش ہر ذرّہ ہے گویا سوگوار

ابر کے ٹکڑوں میں ہے اس طرح زہرہ کا جمال
یاس میں اُمید کا جس طرح مبہم سا خیال

دل میں پیدا ہو رہا ہے یوں خیال اندر خیال
جس طرح مطرب کی تانوں میں ہو ربط و اتصال

دل پہ طاری ہو چلا ہے جوشِ بیداری کا خواب
اُٹھ رہی ہے رفتہ رفتہ روئے ماضی سے نقاب

دور افتادہ رفیقوں کو ملا ہے اذنِ عام
ہو رہی ہے روح بچھڑے دوستوں سے ہم کلام

آہ وہ برباد لمحے زندگی کے گلستاں
ہائے وہ گم کردہ جلوے نازشِ کون و مکاں

وائے وہ رنگینیاں، نوخیز احساسات کی
ہائے وہ مست و جواں راتیں بھری برسات کی

وہ مذاقِ عشق و ذوقِ آشنائی ہائے ہائے
ہم زباں یاروں کی وہ رنگیں نوائی ہائے ہائے

آہ اے برباد لمحو! اے گزشتہ صحبتو
چھوڑ دو للہ اب، شاعر کا دامن چھوڑ دو

تم دلِ ناشاد کو اب شاد کر سکتے نہیں
زخم جو ناسور بن جاتے ہیں بھر سکتے نہیں

مفت میں بیٹھے بٹھائے خون رُلواتے ہو کیوں
اب اُن اجڑی صحبتوں کو یاد دلواتے ہو کیوں

مہربانی کے عوض بیداد کرنے آئے ہو
چارہ سازی وقت کی برباد کرنے آئے ہو

جاؤ ورنہ صبر کی بنیاد تک ہل جائے گی
سعیِ ماہ و سال دیکھو، خاک میں مل جائے گی

☆☆

آواز کی سیڑھیاں

کل جھٹپٹے کے وقت کہ تھا زرد آفتاب
چھایا ہوا تھا عرصۂ ہستی پہ رنگِ خواب

ظلمت کی بڑھ رہی تھی لگاوٹ فضا کے ساتھ
اک راگنی سی کھیل رہی تھی ہوا کے ساتھ

ہر سانس پر شفق کا گریباں تھا چاک چاک
تھا اک خلا سا وقت کے سینے میں ہولناک

اتنے میں آئی مل کے صدائے طیور سے
بن کے کسی نگار کی ایک تان دور سے

بے صرفہ جستجو کی کہانی لیے ہوئے
اک نو اسیرِ غم کی جوانی لیے ہوئے

نا آزمودہ غم کی جبیں چومتی ہوئی
تپتی ہوئی لرزتی ہوئی ، جھومتی ہوئی

بیگانہ رسمِ عیش کی فکرِ فضول سے
ملتی ہوئی غروب کی یادِ ملول سے

روتا ہوا سکوتِ لبِ جو لیے ہوئے
دوشِ صدا پہ عشق کے آنسو لیے ہوئے

کچھ سرخیٔ شفق میں سیاہی سی آگئی
میداں پر اک اُداس خموشی سی چھا گئی

دیوانہ فرطِ درد سے غمناک ہوگیا
اتنے میں کچھ ٹھہر کے پھر آئی وہی صدا

نغمے کی نبض سرد مکرر تپاں ہوئی
گویا ٹھہر کے موج دوبارہ رواں ہوئی

پھر اس کے بعد تیز ہوئی تان دفعتاً
اللہ رے زور، گونج اُٹھا گنبدِ کہن

اور اُس کے بعد لحن کا دامن سمٹ گیا
اور یوں صدا کا زور بتدریج گھٹ گیا

گویا سفید دودھ سی پتھر کی سیڑھیاں
نپی سبک خنک متناسب گہر فشاں

تیشے سے زیر و بم کے تراش کر سنور گئیں
ساحل سے تابہ نہر، مچلتی اُتر گئیں

☆☆

کلیوں کی بیداری

ہر اک کلی پھول بن رہی ہے ہر ایک خوشہ جھلک رہا ہے
مچل رہی ہے نسیم بستاں، تمام صحرا مہک رہا ہے

کلاہِ نو کج کیے ہوئے ہے ہلال، تاروں کی انجمن میں
کھلا ہوا ہے فلک کا سینہ، زمیں کا غنچہ چٹک رہا ہے

ٹپک رہی ہے گلوں سے شبنم، لچک رہی ہیں ادا سے شاخیں
ہر اک کلی، تال دے رہی ہیں، ہر ایک طائر چہک رہا ہے

لپیٹے منہ سو رہی تھیں کلیاں، صبا نے آکر جو گدگدایا
سرک گئے ہیں سروں سے آنچل تمام گلشن مہک رہا ہے

☆☆

بچھڑے ہوؤں کی یاد

آ رہی ہے جھومتی کالی گھٹا مستانہ وار
مست ہے بادل کے پرتو سے کھجوروں کی قطار

سنبل و نسرین و سرو و یاسمن کے درمیاں
ہو رہی ہیں بادلوں کو دیکھ کر خوش فعلیاں

متصل ہونٹوں کے جامِ زندگانی آ گیا
رقص میں ہیں دوب کے ریشے کہ پانی آ گیا

لیکن اے یارانِ شہر! اس بے دلی کا کیا علاج
ہو رہا ہے ابر کے پرتو سے مجھ کو اختلاج

اُٹھ رہی ہے ہوک سی پیہم دلِ برباد میں
آؤ رولیں، بیٹھ کر بچھڑے ہوؤں کی یاد میں

☆☆
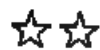
فاختہ کی آواز

آج تو فاختہ کی نرم آواز
ہے کچھ اس طرح غرقِ سوز و گداز

جیسے پیری میں یاد طفلی آئے
جیسے جل جل کے شمع بجھ بجھ جائے

جیسے یعقوب غرقِ شیون میں
جیسے سیتا کی جستجو بن میں

شب کو جس طرح دل میں صدا اُٹھے
بیوگی نو عروس کی جیسے

شام کو زیرِ سایۂ کہسار
جیسے وادیؔ میں دھیمی دھیمی پھوار

جیسے جو بر نہ آئی ہو وہ مُراد
جیسے بچھڑے ہوؤں کی دل میں یاد

جیسے اشکوں کی لہر سینے میں
پانی آنے لگے سفینے میں

جیسے سسرال میں کوئی لڑکی
دیکھ کر بدلیوں کو ساون کی

صبح پنگھٹ کی نیم کے نیچے
مائکے کی گھٹائیں یاد کرے!

☆☆

بجھا ہوا دل

جھٹپٹے کا وقت ہے آہستہ ہے موجِ ہوا
جھاڑیوں پہ ایک سناٹا سا ہے چھایا ہوا

سامنے پل، راہ میں اڑتی ہوئی بھیگی سی خاک
پل کے نیچے مست، چشمے کی صدائے خوابناک

سامنے پامال سا اک مقبرہ شاداب گھاس
رات کے قدموں کی آہٹ شام کی مرطوب سانس

جھاڑیوں پہ سرخیاں، قبروں پہ بوجھل سا غبار
سر بہ زانو کوہ و صحرا، آہ بر لب سبزہ زار

گھانس کی خوشبو میں جنگل کی ہوا کا امتزاج
در ہوا کی موج میں رفتارِ نبضِ اختلاج

ست ویرانے میں آبادی کی دھیمی سی صدا
خواب جیسے ذہن میں آئے کوئی بھولا ہوا

یا فسوں بھرنے کی خاطر والہانہ میر میں
کہہ رہا ہو کوئی افسانہ زبانِ غیر میں

کروٹیں سی پے بہ پے دل میں بدلتا ہے کوئی
سینۂ موزاں کے ویرانے میں چلتا ہے کوئی

کچھ نہیں کھلتا کہ آخر دل بجھا جاتا ہے کیوں؟
اور اس بجھنے کی حالت میں مزا آتا ہے کیوں؟

☆☆

حور کے اشارے

بھری برسات میں جس وقت بادل گھر کے آتے ہیں
بجھا کر چاند کی مشعل سیہ پرچم اُڑاتے ہیں

مکاں کے بام و در بجلی کی رو میں جب جھلکتے ہیں
سبک بوندوں سے دروازوں کے شیشے جب کھنکتے ہیں

سیاہی اتنی چھا جاتی ہے جب ہستی کی محفل میں
تصور تک نہیں رہتا سحر کا، رات کے دل میں

اُمنگیں، روح میں اُٹھتی ہیں جب یادِ الٰہی کی
فضا میں پیچ و خم کھاتی ہیں زُلفیں جب سیاہی کی

ستارے دفن ہو جاتے ہیں جب آغوشِ ظلمت میں
لپک اُٹھتا ہے اک کوندا سا جب شاعر کی فطرت میں

کڑک سے آنکھ کھل جاتی ہے جب کمسن حسینوں کی
جھلک اُٹھتی ہے موجِ برق سے افشاں جبینوں کی

ہوائے دلستاں جب راگ ساون کے سناتی ہے
کسی کافر کی جب رہ رہ کے دل میں یاد آتی ہے

لبِ فطرت جب اتنے متصل ہوتے ہیں کانوں سے
کہ گونج اُٹھتا ہے دل عشق و محبت کے فسانوں سے

سمٹ جاتی ہے جب بجلی، دکھا کر ابر سے جھلکی
فلک پر دفعتاً جب سانس رُک جاتی ہے بادل کی

فلک پر نور کی جس وقت بن جاتی ہیں تصویریں
شگافِ ابر میں جب کانپنے لگتی ہیں تنویریں

نظر آتے ہیں کچھ شعلے سے جب ظلمت کے دامن میں
شکن بجلی کی جب تبدیل ہو جاتی ہے روزن میں

معاً اک حور اس روزن میں آکر مسکراتی ہے
اشاروں سے مجھے اپنی گھٹاؤں میں بلاتی ہے

☆☆

بن باسی بابو

جنگلوں کے سرد گوشے، ریل بل کھاتی ہوئی
جہل کے سینے پہ زلفِ علم لہراتی ہوئی

بزمِ وحشت میں تمدن ناز فرماتا ہوا
تند انجن کا دھواں، میداں پہ بل کھاتا ہوا

فطرتِ خاموش میں ابھرتا ہوا سوز و گداز
صنعتِ پُرکار کے چلتے ہوئے جادو کا ناز

الاماں دنیائے نادانی میں دانائی کا زور
بھاپ کی پھنکار، لوہے کی گرج پانی کا شور

متصل جھنکار سے، گونجی ہوئی خاموشیاں
پانگل ویرانیوں میں نغمۂ شہر رواں

پھول گھبرائے ہوئے سے پتیاں ڈرتی ہوئی
گرم پرزوں کی صدائیں شوخیاں کرتی ہوئی

ایک اسٹیشن، فسردہ، مضمحل، تنہا، اُداس
جھٹپٹے کی بدلیاں، پُر ہول جنگل آس پاس

گنگناتے نالے، اندھیری، وادیاں ہلکی پھوار
بن کے گرد و پیش کوسوں تک کھجوروں کی قطار

قدِ آدم گھانس، گہری ندیاں اونچے پہاڑ
ایک اسٹیشن فقط لے دے کے باقی سب اُجاڑ

کاش جا کر بابوؤں سے، جوش یہ پوچھے کوئی
جنگلوں میں کٹ رہی ہے کس طرح سے زندگی

پائی تھی کس شہر میں تعلیم؟ رہتے تھے کہاں
ساتھ کے کھیلے ہوؤں کا یاد ہے نام و نشاں؟

کس جگہ طالع ہوئی تھی، نوجوانی کی سحر؟
روز و شب کن صحبتوں میں عمر ہوتی تھی بسر؟

رات دن رہتا تھا جن کی رونقوں سے دل کو کام
یاد ہیں کیا اب بھی ان مڑتی ہوئی گلیوں کے نام

سچ کہو، اُٹھتے ہیں جب بادل اندھیری رات میں
جب پپیہا کوک اُٹھتا ہے بھری برسات میں

شب کو ہوتا ہے گھنے جنگل میں جب بارش کا زور
سائباں بھیگی ہوئی راتوں میں جب کرتا ہے شور

روح تو اس وقت فرطِ غم سے گھبراتی نہیں؟
تم کو اپنے عہدِ ماضی کی تو یاد آتی نہیں؟

☆☆

پیش گوئی

جھٹپٹے وقت کا ہے سناٹا
ابر چھایا ہوا ہے ہلکا سا

شام کی تیرگی سے ہیں مدھم
دشت میں رہروؤں کے نقش قدم

کس تکلف سے چل رہی ہے ہوا
جیسے کوئل کی وادیوں میں صدا

دھیمی دھیمی ہواؤں کا ہے اثر
گھاس کے نرم نرم ریشوں پر

نور ، ظلمت پہ ہو رہا ہے فدا
کیا سلونی ہے جھٹپٹے کی فضا

دیر سے ایک گاؤں کی لڑکی
بھولی بھالی حسین چھوٹی سی

عمر ابھی جس کی دس برس کی ہے
ایک لکڑی کے پل پہ بیٹھی ہے

سر پہ آنچل پڑا ہے ساری کا
داہنے ہاتھ میں ہے جس کا سرا

نرم گردن میں خم کلائی میں بَل
ناک میں کیل آنکھ میں کاجل

رُخ پہ زُلفیں نگاہ میں بچپن
جیسے دھیمی پھوار میں گلشن

رُخ پہ موجیں سی زندگانی کی
جھلکیاں طفلی و جوانی کی

کیوں میں گم ہوں اسے نہیں معلوم
یہ فراغت ہے کس قدر معصوم

ڈھیر ہیں زرد زرد پھولوں کے
سامنے جھنڈ ہیں ہیولوں کے

شمع سی اک جلائے دیتی ہے
خود بخود مسکرائے دیتی ہے

کوئی دنیا میں کہہ نہیں سکتا
کیوں کر اس کا شباب گزرے گا

اس کے حالاتِ شیب کیا ہوں گے؟
ہم تصور میں لا نہیں سکتے

اب بھی کہہ سکتے ہیں مگر اتنا
کہ اُسے جب یہ یاد آئے گا

کہ مرے مائیکے کے ویرانے
لوا، سناتے تھے شب کو افسانے

کتنی دھومیں مچائی جاتی تھیں
کھیتیاں جب لگائی جاتی تھیں

شام ہوتی تھی کتنی خوش منظر
بیٹھتی تھی میں جاکے جب ٹیلے پر

صبح یوں روز مسکراتی تھی
شام اس طرح گنگناتی تھی

ہوک سی اک اُٹھے گی سینے میں
دل سے ٹپکیں گی خون کی بوندیں

نہ تو جاگے گی اور نہ سوئے گی
دیر تک سر جھکاکے روئے گی

☆☆

بدلی کا چاند

خورشید وہ دیکھو ڈوب گیا، ظلمت کا نشاں لہرانے لگا
مہتاب وہ ہلکے بادل سے، چاندی کے ورق برسانے لگا

وہ سانولے پن پر میداں کے ہلکی سی صباحت دوڑ چلی
تھوڑا سا اُبھر کر بادل سے، وہ چاند جبیں جھلکانے لگا

لو ڈوب گیا پھر بادل میں بادل میں وہ خط سے دوڑ گئے
لو پھر وہ گھٹائیں چاک ہوئیں ظلمت کا قدم تھرانے لگا

بادل میں چھپا تو کھول دیے بادل میں دریچے ہیرے کے
گردوں پہ جو آیا تو گردوں دریا کی طرح لہرانے لگا

سمٹی جو گھٹا، تاریکی میں چاندی کے سفینے لے کے چلا
سنگی جو ہوا تو بادل کے گرداب میں غوطے کھانے لگا

غرفوں سے جھانکا گردوں کے، امواج کی نبضیں تیز ہوئیں
حلقوں میں جو دوڑا بادل کے، کہسار کا سر چکرانے لگا

پردہ جو اُٹھایا بادل کا، دریا پہ تبسم دوڑ گیا
چلمن جو گرائی بدلی کی، میدان کا دل گھبرانے لگا

اُبھرا تو تجلی دوڑ گئی، ڈوبا تو فلک بے نور ہوا
اُلجھا تو سیاہی دوڑا دی، سلجھا تو ضیا برسانے لگا

کیا کاوشِ نور و ظلمت ہے کیا قید ہے کیا آزادی ہے
انساں کی تڑپتی فطرت کا مفہوم سمجھ میں آنے لگا

☆☆

موجِ عرفاں

ہوائے سرد سے سرشار ہے یمین و یسار
فضائے چرخ پہ چھایا ہوا ہے ابرِ بہار

کھڑا ہوا ہوں میں خاموش اک پہاڑی پہ
مچل رہی ہے تمنا کہ پڑ رہی ہے پھوار

غرورِ اہلِ دول جیسے چشمِ شاعر میں
پہاڑیوں سے نظر آ رہے ہیں یوں مینار

نہیں چمکتی ہے رہ رہ کے ابر میں بجلی
تڑپ رہی ہے یہ تھم تھم کے روحِ ابرِ بہار

بلند و پست چمکتی ہوئی چٹانوں پر
کھنک رہی ہیں یہ بوندیں کہ بج رہا ہے ستار

ہوائے نم کے تھپیڑے ارے معاذ اللہ
دماغ گُنگ ہے اور ہو رہا ہے دل بیدار

بساطِ منظرِ ہستی لپٹتی جاتی ہے
کہ اُٹھ رہا ہے بتدریج پردۂ اسرار

زباں ہو جن کے تصور سے رعشہ براندام
تڑپ رہے ہیں مناظر میں وہ لطیف اشعار

بس اے ندیم! کچھ اب جوش کہہ نہیں سکتا
کہ حُسن شاہدِ معنی سے ہے نگہہ دوچار

☆☆

گاتی ہوئی راہیں

چھاؤں میں تاروں کی ملتی ہیں مجھے گاتی ہوئی
راہیں کھیتوں کے کنارے پیچ و خم کھاتی ہوئی

کوہ و صحرا کو سناتی ہیں حدیثِ رنگ و بو
پتلی پتلی ٹہنیوں پہ قمریاں گاتی ہوئی

اوس میں ڈوبی ہوئی چلتی ہے متوالی ہوا
کنج میں چھپتی ہوئی غنچوں کو چٹکاتی ہوئی

پھوٹتی ہے عشوۂ ترکانہ سے پہلی کرن
نبضِ خار و خس میں خونِ گرم دوڑاتی ہوئی

چرخ سے آتی ہے رہ رہ کر صدا "روشن نگاہ"
خواب سے اٹھتی ہیں کلیاں ناز فرماتی ہوئی

پھوٹتی ہے یوں کرن جیسے کوئی کمسن عروس
آ رہی ہو کھیلتی کنگن سے شرماتی ہوئی

☆☆

دعائے سحری

علی الصباح کہ سنولا چلا تھا چہرۂ ماہ
بساطِ ارض و فضائے سما تھی نرم و رقیق

رواقِ منظرِ گُل تھا نشیمنِ فردوس
جبینِ ذرۂ خاکی تھی جلوہ گاہِ عقیق

صبا کے رقص میں تھا لحنِ مطربانِ چمن
چمن کے صحن میں تھی بوئے دوستانِ رفیق

اُفق پہ ساقیٔ فطرت کی جاں فروز شراب
چمن میں لالۂ احمر کا زر فشاں ابریق

صدائے نے سے پریشاں تھے شب روانِ جہاں
لوائے مہر سے لرزاں تھے قاطعانِ طریق

تجلیات میں تھی دفن، شورشِ حکمت
تخیلات میں تھا مردہ فتنۂ تحقیق

ہجومِ نور سے سوزاں تھا دیدۂ تکذیب
نسیمِ صبح سے روشن تھی مشعلِ تصدیق

بلند و پست کا ہر زیر و بم تھا ہم آہنگ
حیات و موت کے ہر مسئلے میں تھی تطبیق

تڑپ رہی تھی فضاؤں میں کاوشِ ایجاد
رواں دواں تھا ہواؤں میں جذبۂ تخلیق

فلک کے دوش پہ خوابیدہ تھے رموزِ خفی
صبا کی موج میں رقصاں تھے نکتہ ہائے دقیق

یہ رنگ دیکھ کے بے ساختہ پکارا دل
کہ کاش جلوۂ جاناں میں ہو نہ اب تعویق

نزاکتِ دلِ اہلِ جنوں کا پاس کریں
قتالِ زہرہ جبیں کو خدا یہ دے توفیق

☆☆

گرمی اور دیہاتی بازار

دوپہر، بازار کا دن، گاؤں کی خلقت کا شور
خون کی پیاسی شعاعیں، روح فرسا لو کا زور

آگ کی رو ، کاروبار زندگی کا پیچ و تاب
تند شعلے ، سُرخ ذرّے، گرم جھونکے، آفتاب

شور، اچھل، غلغلہ، ہیجان، لُو، گرمی، غبار
بیل، گھوڑے، بکریاں، بھیڑیں، قطار اندر قطار

مکھیوں کی جھنجھناہٹ، گڑ کی بُو مرچوں کی دھانس
خربزے، آلو، کھلی، گیہوں، کدو، تربوز، گھانس

دھوپ کی شدت ہوا کی یورشیں، گرمی کی زد
کملیوں پر سُرخ چاول ، ٹاٹ کے ٹکڑوں پہ بُو

گرم ذروں کے شدائد، جھلکوں کی سختیاں
جھلکوں میں کھانستے بوڑھوں کی چلموں کا دھواں

ماؤں کے کاندھوں پہ بچے، گردنیں ڈالے ہوئے
بھوک کی آنکھوں کے تارے، پیاس کے پالے ہوئے

بام و در لرزے ہوئے ، خورشید کے آفات سے
ہر نفس اک آنچ سی اُٹھتی ہوئی ذرّات سے

مرد و زن گردش میں چیلوں کی صدا سنتے ہوئے
چلچلاتی دھوپ کی زد میں چنے بھُنتے ہوئے

میان سے موسم کی تیغ بے اماں نکلی ہوئی
پیاس سے انسان و حیواں کی زباں نکلی ہوئی

لُو کے مارے بام و در کی رُوح گھبرائی ہوئی
دوستوں کی شکل پر بیگانگی چھائی ہوئی

یوں شعاعیں سایۂ اشجار سے چھنتی ہوئی
بے مروّت کی سپاٹ آنکھوں کی جیسے روشنی

آسماں پر ابر کے بھٹکے ہوئے ٹکڑوں کا رم
نشے میں ممسک کا جیسے وعدۂ جود و کرم

ہر روش پر چڑ چڑاپن، ہر صدا میں بے رُخی
ہر جگر کھلتا ہوا، ہر کھوپڑی پکتی ہوئی

سر پہ کافر دھوپ، جیسے روح پر عکسِ گناہ
تیز کرنیں جیسے بوڑھے سود خواروں کی نگاہ

☆☆

اِکتارے کا جادو

برق پرور زندگی وابستۂ صد پیچ و تاب
ابر کی باریک چادر دوپہر کا آفتاب

حاشیے پر شہر کے اک باغ ویران و تباہ
باغ کے دامن میں اک اُجڑی ہوئی سی شاہراہ

گامزن اُس راستے پر ایک پیرِ ناتواں
ہات میں "اکتارہ" لب پر راگنی کی سسکیاں

تند زد جھونکوں کے شانے پر حرارت کا دباؤ
جن میں اکتارے کی آوازوں کا بے پروا بہاؤ

لرزشوں سے تار کی پھیکی فضا میں اک کسک
ابتدائے عشق میں جس طرح نبضوں کی دھمک

دے تو دوں تشبیہ لیکن کس کو آئے گا یقیں
آنسوؤں کی راگنی سے انجمن واقف نہیں

اس مزے کے ساتھ جاں افروز تانیں مضمحل
کروٹیں سینے میں لے جس کرب سے شاعر کا دل

یوں لرزتے ساز کے بے چین شعبے دلنشیں
پینگ لے جس طرح کوئی فتنۂ دنیا و دیں

انتروں میں جھٹپٹے کے وقت کی سی آ بجو
زیر و بم کے لوچ میں رفتارِ نبضِ آرزو

راگنی کی نرم لہریں جاگتی سوتی ہوئی
بہہ رہی ہیں پردہ ہائے دل سے مس ہوتی ہوئی

ذرہ ذرہ اک نئے سانچے میں ڈھلنے کے قریب
عالمِ اسباب ہے گویا پگھلنے کے قریب

☆☆

رقیب فرشتے

صبح کے تارے سے تھی گلرنگ گردوں کی جبیں
مست تھی موجِ صبا، کلیاں ابھی چٹکی نہ تھیں

آسماں پر کیف طاری تھا زمیں پر بے خودی
جھک چلا تھا چاند پھیکی پڑ چکی تھی چاندنی

ایک ہلکا سا تبسم تھا در و دیوار پر!
جیسے میٹھی نیند کا جادو رُخِ گلنار پر

گر رہے تھے گنبدِ افلاک سے بے اختیار
خاک پر سیّال چاندی کے ہزاروں آبشار

آ رہی تھی نرم قدموں سے نسیمِ دل نواز
سرنگوں تھے بوستاں، کلیاں تھیں محوِ خوابِ ناز

صبح کے چہرے پہ تھی ہلکے دھندلکے کی نقاب
گا رہا تھا بھیرویں، بیٹھے سروں میں ماہتاب

آ رہی تھی آسمانوں سے فرشتوں کی صدا
" کیا سہانا وقت ہے صلی علیٰ صلی علیٰ"

ان صداؤں سے مگر میں کھا رہا تھا پیچ و تاب
اور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ابھرا آفتاب

شکر کے سجدے کیے میں نے کہ دشمن بہہ گئے
خیریت گزری کہ قصے بڑھتے بڑھتے رہ گئے

میری معشوقہ پہ یہ بے عقل مرنے آئے تھے
کیا سمجھ کر صبح کی تعریف کرنے آئے تھے؟

میں تھا جب موجود، پھر یہ گانے والے کون تھے؟
میری سرحد میں فرشتے آنے والے کون تھے؟

☆☆

آثارِ جمال

ابر کے ٹکڑے نہیں، سبزے کی زیبائی؟ نہیں
وہ مناظر خوش ہو جس سے عام بینائی؟ نہیں

خشک، چٹیل کھردرا میدان ، تاحدِ نگاہ
سرد محزوں، مضمحل، لب خشک، بے رونق، تباہ

ہر طرف اک منظرِ افسردگی، کلیاں نہ پھول
چند سوکھی جھاڑیاں اک آدھ بے پروا ببول

جا بہ جا اُجڑے ہوئے پامال کھیتوں کے نشاں
کھپ چکی ہیں عارضِ عالم میں جن کی سرخیاں

خون تھا جن کا نقوشِ مدعا کے واسطے
مٹ چکے تھے جو تمدن کی بقا کے واسطے

گاؤں کے کھیتوں سے اُڑ کر جن کی جلوؤں کی شراب
بن چکی ہے دخترانِ شہر کے چہروں پہ آب

ہو چکی ہیں ختم گو اس خاک کی رنگینیاں
چشمِ شاعر پر مگر اب بھی ہیں کچھ جلوے عیاں

اب بھی غلطاں ہے یہاں دیکھ اے نگاہِ نکتہ یاب
پھول چننے والیوں کا تند، متوالا شباب

گیت کھیتوں کی منڈیروں پر کبھی گائے ہوئے
پھر رہے ہیں صحنِ خاموشی میں گھبرائے ہوئے

جذب ہے اس خار و خس میں موسمِ گل کا گداز
دفن ان ذرّوں میں ہیں نوخیز چرواہوں کے راز

کتنی تانوں کے یہاں منڈلا رہے ہیں زیر و بم
سو رہے ہیں کس قدر اس خاک میں نقشِ قدم

دخترانِ دشت کی رنگینیاں ہیں جلوہ گر
کھیتیوں کے، آنکھ جھپکاتے ہوئے آثار پر

اس فضا میں، ابر کی ہے جس کو یاد آئی ہوئی
پھر رہی ہے تشنگی کی روح گھبرائی ہوئی

رنگ و بو ہے عہدِ رنگیں کے گزر جانے کے بعد
کہہ رہے ہیں خار و خس، افسانہ، افسانے کے بعد

☆☆

ذی حیات مناظر

خامشی دشت پہ جس وقت کہ چھا جاتی ہے
عمر بھر جو نہ سنی ہو وہ صدا آتی ہے

بھینی بھینی سی مچلتی ہے فضا میں خوشبو
ٹھنڈی ٹھنڈی لب ساحل سے ہوا آتی ہے

دشتِ خاموش کی اُجڑی ہوئی راہوں سے مجھے
جادہ پیماؤں کے قدموں کی صدا آتی ہے

پاس آکر مرے گاتی ہے کوئی زہرہ جمال
اور گاتی ہوئی پھر دور نکل جاتی ہے

آنکھ اُٹھاتا ہوں تو خوش چشم نظر آتے ہیں
سانس لیتا ہوں تو احباب کی بو آتی ہے

دُشنہ رکھ دیتا ہے گھبرا کے رگِ جاں پہ کوئی
جب کلی خاک پہ دم توڑ کے گر جاتی ہے

مسکراتی ہے جو رہ رہ کے گھٹا میں بجلی
آنکھ سی کوہ و بیاباں کی جھپک جاتی ہے

کرنے لگتے ہیں نظارے سے جو بادل مایوس
برق آہستہ سے کچھ کان میں کہہ جاتی ہے

جھاڑیوں کو جو ہلاتے ہیں ہوا کے جھونکے
دلِ شبنم کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

مجھ سے کرتے ہیں گھنے باغ کے سائے باتیں
ایسی باتیں کہ مری جان پہ بن جاتی ہے

گنگناتے ہوئے میدان کے سناٹے میں
آپ ہی آپ طبیعت مری بھر آتی ہے

یوں نباتات کو چھوتی ہوئی آتی ہے ہوا
دل میں ہر سانس سے اک پھانس سی چبھ جاتی ہے

جب ہری دوب کے مڑ جاتے ہیں نازک ریشے
شیشۂ قلب میں اک ٹھیس سی لگ جاتی ہے

بانسری جیسے بجاتا ہو کہیں دور کوئی
یوں دبے پاؤں بیاباں سے ہوا آتی ہے

حسرتیں خاک کی غنچوں سے اُبل پڑتی ہیں
روح میدان کی پھولوں سے نکل آتی ہے

طبعِ شاعر کو روانی کا اشارہ کر کے
نہر شاخوں کے گھنے سائے میں سو جاتی ہے

ان مناظر کو میں بے جان سمجھ لوں کیوں کر؟
جوشؔ! کچھ عقل میں یہ بات نہیں آتی ہے

☆☆

گھٹا

اٹھی گھٹا وہ رنگ و بو کا کارواں لیے ہوئے
جلو میں کائنات کی جوانیاں لیے ہوئے

لیے ہوئے پیامِ جاں ہر ایک رس کی بوند میں
ہر ایک رس کی بوند میں پیامِ جاں لیے ہوئے

لیے ہوئے ہوا کے نرم بازوؤں پہ بوستاں
بلندیوں پہ چرخ کی دھواں دھواں لیے ہوئے

زمین تشنہ کام کی جماہیوں کے سامنے
شراب لالہ رنگ کی گلابیاں لیے ہوئے

وفورِ سوز و ساز میں ہجومِ پیچ و تاب سے
رقیق و نرم دامنوں میں بجلیاں لیے ہوئے

ہر ایک سو رواں دواں، کبھی یہاں کبھی وہاں
بتانِ شوخ و شنگ کی سی شوخیاں لیے ہوئے

صدائے برق و رعد میں ہوائے تند و تیز میں
نوائے عشق و ہوش کی کہانیاں لیے ہوئے

ہوا میں اینڈتی ہوئی فضا میں جھومتی ہوئی
تحمل و شکیب کی تباہیاں لیے ہوئے

بہشتِ حسن و عشق کو جہانِ رقص و کیف کو
فضائے آب و رنگ میں کشاں کشاں لیے ہوئے

حریمِ کیف و سرخوشی میں پردہ ہائے رنگ میں
سبوُ بدوش نغموں کی مستیاں لیے ہوئے

ادا و ناز و دلبری کی رنگ ریز چھاؤں میں
نئی نئی جوانیوں کی جھلکیاں لیے ہوئے

لیے ہوئے بلندیوں پہ ولولے حیات کے
حیات بخش ولولے بلندیاں لیے ہوئے

سیاہیوں کے سلسلے میں تیرگی کی موج میں
جنوں فروش کاکلوں کی داستاں لیے ہوئے

کدھر ہے جوش بادلیاں رواں ہیں سوئے میکدہ
سیاہیوں کے حاشیے پہ سرخیاں لیے ہوئے

☆☆

موہوم آواز

فلک پر رات کو چھائی ہوئی تھیں بدلیاں ہمدم
ہوا نمناک تھی، میداں تھا غمگیں ، چاندنی مدھم

مہ تاباں کی کشتی آسماں تھم تھم کے کھیتا تھا
ہجومِ درد سے رُک رُک کے میداں سانس لیتا تھا

گھٹائیں چاند کو پیہم جلاتی تھیں ، بجھاتی تھیں
تمناؤں کی شمعیں طاقِ دل میں جھلملاتی تھیں

بلا کی اُلجھنیں تھیں مضمحل میدان پر طاری
تجلی سے کبھی ہلکا سیاہی سے کبھی بھاری

رواں مشرق سے مغرب کی طرف اُمڈے ہوئے بادل
ہوا کی سنسناہٹ، دل کی جنبش چاند کی ہلچل

ہجوم تیرگی سے تھی وہ حالت ماہ پردیں کی
رُخِ رنگیں پہ جیسے جھلکیاں سی خواب نوشیں کی

گھٹاؤں میں تھے شرمائے ہوئے یوں چاند کے عشوے
دلِ توبہ شکن میں ذوقِ استغفار ہو جیسے

نظر آتا تھا گھبرایا ہوا یوں چاند بادل میں
کوئی سہمی ہوئی دوشیزہ جیسے شب کو جنگل میں

ہجومِ ابر سے مجروح تھی یوں چاند کی شوخی
کہ جیسے مطلبِ شاعر کے حق میں زندگی اُس کی

گھٹائیں اور گھٹاؤں کے شگافوں سے صنم کاری
تلاطم نیند کا اور نیند میں ہلکی سی بیداری

تک و دو کا ہوا جب حکم دیتی تھی اشاروں سے
گھٹا شانہ لڑا دیتی تھی جھک کر کوہساروں سے

جنوں انگیز و نامعلوم ، ان لمحوں کی طغیانی
نہ پوچھ اے ہم نشیں! اس وقت کی آشفتہ سامانی

قیامت خیز سناٹا کسی کا نام لیتا تھا
کوئی رہ رہ کے دل کو دور سے آواز دیتا تھا

☆☆

جذباتِ فطرت

پہاڑ کی صدا

مری وادی میں ہے پھولوں کی دنیا
اُبلتا ہے مرے پہلو سے چشمہ
مرے دامن میں ہے شفاف دریا
مری چوٹی پہ قدرت کا تماشا
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

☆☆

دریا کی صدا

مری لہروں میں بجلی کا خزانہ
مری رَو میں محبت کا فسانہ
مرے دھارے میں عظمت کا ترانہ
مرے گرداب میں چنگ و چغانہ
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

☆☆

طلوعِ سحر کی صدا

مرے آئینہ میں تصویرِ جاناں
مرے دربار میں حوریں غزل خواں
مرے رخسار میں انوارِ ایماں
مرے اوراق میں اسرارِ عرفاں
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

... ☆☆ ....

غروبِ آفتاب کی صدا

مری تاریکیوں میں یاس و حرماں
گداز دل کے مجھ میں ساز و ساماں
مری سرخی میں سوزِ برق پنہاں
خموشی سے مری سنسان میداں
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

. . ... ☆☆. . .

ستارۂ سحری کی صدا

پجاری ہیں مرے فطرت کے عاشق
مری ضو، وقتِ نازک کے مطابق
مرا ہلکا سا پر تو جانِ مشرق
حسیں مجھ سے جبینِ صبح صادق
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

..☆☆..........

شفق کی صدا

مرے عارض میں کندن کی دمک ہے
مری چادر میں کوندے کی لپک ہے
مرے سینے میں عرفاں کی جھلک ہے
مرے آغوش میں تاجِ فلک ہے
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

..........☆☆..... .....

چاند کی صدا

زمین و آسماں مجھ سے منوّر
بچھی ہے نور کی ہلکی سی چادر
خنک مجھ سے گل اندامُوں کے بستر
مری ضَو سے جھلکتا ہے سمندر
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

☆☆

آفتاب کی صدا

فلک پر دائرہ میرا مزّین
سحر کے ہاتھ میں سونے کا کنگن
کرن مری نگاہِ شوق و پُرفن
مرے آتے ہی جاگ اُٹھتے ہیں گلشن
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

☆☆

آدھی رات کی صدا

مرے تاروں کی گردش ساز عشرت
مری خاموشیوں میں عقل و حکمت
تصور دوست کا میری بدولت
قلمرو سے مری خارج ہے محنت
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

.......☆☆

فصلِ گُل کی صدا

مری محفل میں بلبل کا ترانہ
دلوں کی زندگی، میرا فسانہ
ہوائیں میری، خوشبو کا خزانہ
محبت خیز ہے میرا زمانہ
ادھر آ، اے مرے شاعر ادھر آ

.... ☆☆ ....

سمندر کی صدا

ں موجوں میں مضطر روحِ طوفاں
ے سینے میں جوشِ ابرِ باراں
ا تہہ میں ہزاروں راز پنہاں
ا تشریح میں ہر عقل حیراں
ر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

..........☆☆..........

پھول کی صدا

من کا حُسن ہوں گلشن کا زیور
را عاشق ہے جوشِ روح پرور
مری ہر پنکھڑی نرم و معطر
مرے کانوں میں ہیں شبنم کے گوہر
اِدھر آ، اے مرے شاعر اِدھر آ

☆☆

گریۂ مسرت

آج تڑکے، الحفیظ و الاماں
دوستو! شان ساگر کا سماں

دیدنی تھی نرم پودوں کی لچک
بدلیاں چھائی ہوئی تھیں دور تک

ظلمتیں تھیں نور سے گرم ستیز
ولولوں پر تھی ہوائے تند و تیز

سامنے تھیں چھردوں کی حسرتیں
نرم و نازک جھاڑیوں کی شکل میں

جزر و مد میں تھیں بفرطِ اضطراب
ساغرِ عثمان ساگر کی شراب

موج طوفاں در بغل، کف در دہاں
لو سنو، کس طرح تھیں موجیں رواں

جھاگ اڑاتی، پھاندتی، اُڑتی ہوئی
کپکپاتی ، لوٹتی ، مڑتی ہوئی

چلبلی، ابھری ہوئی، نکھری ہوئی
چیختی، سر پھوڑتی، بپھری ہوئی

بجلیاں دامن میں چمکاتی ہوئی
دم بہ دم آتی ہوئی جاتی ہوئی

اس طرف سے اُس طرف ہوتی ہوئی
پتھروں کو پھانٹتی دھوتی ہوئی

گرتی پڑتی ، مست سر دھنتی ہوئی
مرتعش قالین سا بنتی ہوئی

زیر و بم کا تار دکھلاتی ہوئی
اُٹھ کے بڑھتی گر کے چکراتی ہوئی

گنگناتی صف بہ صف آتی ہوئی
لوٹتی بھڑتی ، گونجتی گاتی ہوئی

مچھلیوں کو درسِ غم دیتی ہوئی
ہچکیوں پر ہچکیاں لیتی ہوئی

ساحلِ رنگیں سے ٹکراتی ہوئی
اینڈتی، اٹھلاتی، بل کھاتی ہوئی

دم بہ دم ہنستی ہوئی روتی ہوئی
ملتی، کتراتی، جدا ہوتی ہوئی

جا بہ جا دلدل میں کاجل پارتی
چوکڑی بھرتی چھلانگیں مارتی

پے بہ پے نظاروں کے اندر گھومتی
ناچتی حلقے بناتی جھومتی

جھلملاتی، بھاگتی منھ موڑتی
تُو کے پھر ساحل پہ موتی توڑتی

گاتی، لہراتی، گرجتی، ہانپتی
دوڑتی، بڑھتی، سمٹتی، کانپتی

تو کہے دریا میں تھا غرقِ نمو
یار کی کڑیل جوانی کا لہو

یہ سماں تھا اور اک رنگیں پرند
روحِ شاعر کی طرح بے قید و بند

بے خودی کے جام چھلکاتا ہوا
گزرا مرے پاس سے گاتا ہوا

نغمہ سن کر اس قدر جی خوش ہوا
ہچکیاں لے لے کے میں رونے لگا

☆☆

اسلامیات

کفر چو منے، گزاف آساں نہ شود
محکم از ایمان من ایماں نہ شود
در دہر چو من یکے و آنہم کافر
پس در دو جہان یکے مسلماں نہ شود

(خیام)

.... ☆☆............

ہاں، خود و زرہ بھی تو ہے اسلام کا زیور
باندھے گا فقط جامۂ احرام کہاں تک

(جوش)

اے خدا

اے خدا سینۂ مسلم کو عطا ہو وہ گداز
تھا کبھی حمزہؓ و حیدرؓ کا جو سرمایۂ ناز
پھر فضا میں تری تکبیر کی گونجے آواز
پھر اس انجام کو دے گرمیِ روحِ آغاز
نقشِ اسلام ابھر جائے، جلی ہو جائے
ہر مسلمان حسینؓ ابن علیؓ ہو جائے

دشتِ اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کر دے
پھر ہمیں شیفتۂ جلوۂ ایماں کر دے
دل میں پیدا تپشِ بوذرؓ و سلماںؓ کر دے
اپنے محبوب کی سوگند "مسلماں" کر دے
رونقِ صبح، شبِ تار کا سینہ ہو جائے
آبگینے کو وہ چمکا کہ نگینہ ہو جائے

دے ہمیں بارِ خدا! جرأت و ہمت کے صفات
دل کو یوں چھیڑ کہ پھر جاگ اُٹھیں احساسات
پھر نئے ہوں تازہ رسولؐ عربی کے غزوات
درسِ مومن کو یہ دے موت ہے تکمیلِ حیات
جادہ پیماؤں کو چھوٹا ہوا صحرا دیدے
قیس کو پھر خلشِ تازۂ لیلیٰ دیدے

پھر بہار آئے، مئے ناب پری ہو جائے
پھر جہاں منظرِ صد جلوہ گری ہو جائے
دے وہ چھینٹے کہ ہر اک شاخ ہری ہو جائے
زورِ آندھی کا نسیمِ سحری ہو جائے
طبعِ افسردہ کو پھر ذوقِ روانی دے دے
اس زلیخا کو بھی معبود جوانی دے دے

ہم کو سمجھا کہ تلاطم میں ٹھہرنا کیسا؟
نشۂ بادۂ جرأت کا اُترنا کیسا؟
موت کیا شے ہے بھلا موت سے ڈرنا کیسا؟
کوئی اس راہ میں مرتا بھی ہے، مرنا کیسا؟
مر کے بھی خون میں یوں موج بقا آتی ہے
کہ اجل سامنے آتے ہوئے شرماتی ہے

صبح اسلام پہ ہے تیرہ شبی کا پرتو
لب مسلم سے ہٹا تشنہ لبی کا پرتو
کانپ کر ماند ہو راحت طلبی کا پرتو
ڈال سینوں پہ رسولؐ عربی کا پرتو
غل ہو وہ حوصلۂ شوق دوبارا نکلا
وہ چمکتا ہوا اسلام کا تارا نکلا

زندہ کس طور سے رہتے ہیں بتادے ہم کو
عقل حیراں ہو وہ دیوانہ بنا دے ہم کو
سوئے میخانۂ توحید صدا دے ہم کو
عشق کا ساغرِ لب ریز پلا دے ہم کو
کج ہوں اُس وقت سرِ حشر کلاہیں اپنی
جب ملیں ساقیِ کوثر سے نگاہیں اپنی

☆☆

ذاکر سے خطاب

ہوشیار اے ذاکر افسردہ فطرت! ہوشیار
مرد حق اندیشہ، اور باطل سے ہو زار و نزار
ضعف کا احساس، اور مومن کو، یہ کیا خلفشار
لافتیٰ الاّ علی، لا سیف الاّ ذوالفقار
جو حسینی ہے، کسی قوت سے ڈر سکتا نہیں
موت سے ٹکرا کے بھی ساداتِ مر سکتا نہیں

تو نہیں روحِ شہیدِ کربلا سے بہرہ مند
تیرے شانوں پر تو زلفِ بزدلی کی ہے کمند
سخت استعجاب ہے اے پیشہ ور ماتم پسند
یُروشلیم کے سینے میں ہو قلبِ گوسفند
ننگ کا موجب ہے یہ اہلِ دعا کے واسطے
یوں نہ ماتم کر شہیدِ کربلا کے واسطے

مانع شیون نہیں میرا پیام مستقل
گریہ فطری شے ہے، دشمن پر بھی بھر آتا ہے دل
دل نہیں پتھر ہے مولیٰ پر نہ ہو جو مضمحل
گریۂ مومن سے ہے تزئینِ بزمِ آب و گل
کون کہتا ہے کہ دل کے حق میں غم اچھا نہیں
پھر بھی شغلِ گریہ نصب العین بن سکتا نہیں

ہاں میں واقف ہوں کہ آنسو ہے وہ تیغِ آبدار
سنگ و آہن میں اتر جاتی ہے جس کی نرم دھار
ہے مگر مردانگی کو ان خنک اشکوں سے عار
جن کے شیشوں میں نہ غلطاں ہوں شجاعت کے شرار
اشک، بے سوزِ دروں پانی ہے، ایماں کی قسم
قلبِ شبنم پر شعاعِ مہرِ تاباں کی قسم

سوچ تو اے ذاکرِ افسردہ طبع و نرم خو
آہ تو نیلام کرتا ہے شہیدوں کا لہو
تاجرانہ مشق ہے مجلس میں تیری ہاؤ ہو
فیس کا دریوزہ ہے منبر پہ تیری گفتگو
عالمِ اخلاق کو زیر و زبر کرتا ہے تو
خونِ اہلِ بیت میں لقمے کو تر کرتا ہے تو

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دنائت کا سبق
کربلا کے ذکر میں لیتا نہیں کیوں نامِ حق
چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشک بے قلق
خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق
خانۂ برباد ہے دولت سرا تیرے لیے
اک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لیے

کیا بتاؤں کیا تصور تو نے پیدا کر دیا
غیرتِ حق کو بھلا کر ، حق کو رُسوا کر دیا
کربلا و خونِ مولاؑ کو تماشا کر دیا
"آبِ رکنا باذ" و بستانِ مصلیٰ کر دیا
مشقِ گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرۂ ماہِ محرم، عید ہے تیرے لیے

سوچ تو کچھ جی میں اے مشتاقِ راہِ مستقیم
مومنوں کے دل ہوں اور واماندۂ امید و بیم
شدتِ آہ و بکا سے دل ہوں سینوں میں دونیم
کیوں، یہی لے دے کے تھا کیا مقصدِ ذبحِ عظیم؟
خوف ہے قربانیٔ اعظم نظر سے گر نہ جائے
ابنِ حیدرؑ کے لہو پر، دیکھ، پانی پھر نہ جائے

سازِ عشرت ہے تجھے ذکرِ امامِ مشرقین
ڈھالتا ہے تیرے سکّے، بستگانِ غم کا بین
تیری دارالضرب ہے اہلِ عزا کا شور و شین
سر جھکالے شرم سے اے تاجرِ خونِ حسین

ذہن میں آتا ہو جس کا نام تلواروں کے ساتھ
اس کا ماتم اور ہو سکّوں کی جھنکاروں کے ساتھ

غم کے سکّے ہو زرِ تا کے بٹھائے جائیں گے
کب تک آخر ہم بے عشرت رلائے جائیں گے
دام پر تا چند یوں دانے گرائے جائیں گے
آنسوؤں سے تا کجا 'موتی' بنائے جائیں گے

بہرِ لقمہ تابہ کے منبر پہ منہ کھولے گا تو؟
تا کجا پانی کے کانٹے پر لہو تولے گا تو؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بُعد المشرقین
اُس طرف شورِ رجز خوانی، اِدھر لے دے کے بین
اُس طرف تکبیر، اِدھر ہنگا مہائے شور و شین
اُس طرف اشکوں کا پانی، اس طرف خونِ حسین

وہ تھی کس منزل میں، اور تو کون سی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

کربلا سے واقفیت بھی ہے مردِ منفعل؟
کربلا در پردہ بشاش، اور بہ ظاہر مضمحل
جس کی رفعت سے بلندی آسمانوں کی خجل
جس کے ذرّوں میں دھڑکتے ہیں جواں مردوں کے دل
خندہ زن ہے جس کی رفعت گنبدِ افلاک پر
مُہرِ تکمیلِ نبوت ثبت ہے جس خاک پر

جس کے ہر ذرّے میں غلطاں ہیں ہزاروں آفتاب
خار کی نبضوں میں جاری ہے جہاں خونِ گلاب
جس کے خار و خس میں ہے خوشبوئے آلِ بوتراب
کربلا! تاریخِ عالم میں نہیں تیرا جواب
کربلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
مہر اب بھی سجدہ کرتا ہے ترے ذرّات پر

اے چراغِ دودمانِ مصطفےٰ کی خواب گاہ
تیرے خار و خس پہ ہے تابندہ خونِ بے گناہ
تیری جانب اُٹھ رہی ہے اب بھی یزداں کی نگاہ
آ رہی ہے ذرّے ذرّے سے صدائے لا الٰہ
اے زمیں! خوش ہو کہ تیری زیب و زینت ہے حسینؑ
تیرے سناٹے میں محوِ خواب راحت ہے حسینؑ

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا، وہ حسین
جس نے اپنے خون سے عالم کو دھویا، وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے، پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دوعالم میں اُجالا کر دیا

نطق جس کا نغمۂ سازِ پیمبر، وہ حسین
تھا جو شرحِ مصطفےٰ، تفسیرِ حیدر، وہ حسین
تشنگی جس کی جوابِ موجِ کوثر، وہ حسین
لاکھ پر بھاری رہے جس کے بہتر، وہ حسین

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

ہنس کے جس نے پی لیا جامِ شہادت وہ حسین
مرگیا لیکن نہ کی فاسق کی بیعت وہ حسین
ہے رسالت کی سپر جس کی امامت وہ حسین
جس نے رکھ لی نوعِ انسانی کی عزت وہ حسین

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اے حسین! اب تک گُل افشاں ہے تری ہمت کا باغ
آندھیوں سے لڑ رہا ہے آج بھی تیرا چراغ
تو نے دھو ڈالے جبینِ ملتِ بیضا کے داغ
تیرے دل کے سامنے لرزاں ہے باطل کا دماغ
فخر کا دل میں دریچہ باز کرنا چاہیے
جس کا تو آقا ہو، اس کو ناز کرنا چاہیے

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکلِ زشت و نکو
آہ کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو
ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو
اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو
ہات ہے ماتم میں تیرا سینۂ افکار پر
اور حسین ابنِ علیؓ کا ہات تھا تلوار پر

تھیں بھنور خوں چکاں تیغیں حسینی فوج کی
اور صرف اک سیدِ سجادؑ کی زنجیر تھی
اتنی تیغوں کی رہی دل میں نہ تیرے یاد بھی
حافظے میں صرف اک زنجیر باقی رہ گئی
ذہن کو بیچارگی سے اُنس پیدا ہو گیا
اشجعِ عالم کے پیرو! یہ تجھے کیا ہو گیا

آہ تو اور سازِ برگِ عافیت کا اہتمام
کیوں نہیں کہتا کہ باطل کی حکومت ہے حرام
تجھ کو اور زنداں کا ڈر، کیوں اے غلامِ ننگ و نام؟
جانتا ہے رہ چکے ہیں قید میں کتنے امام؟
تو مثالِ اہلِ بیتِ پاک مر سکتا نہیں
عشق کا دعویٰ ہے ،اور تقلید کر سکتا نہیں

دیکھ، مجھ کو دیکھ، میں ہوں ایک رندِ بادہ خوار
رسمِ تقویٰ ہی سے واقف ہوں نہ طاعت سے دوچار
سر پہ ہے شملہ ، نہ کاندھے پر عبائے زرنگار
موت کو لیکن سمجھتا ہوں، حیاتِ پائدار
رسم و راہِ زہد و تقویٰ کو سبک کرتا ہے تو
قتل سے ڈرتا نہیں میں، قید سے ڈرتا ہے تو

خوف جن کا ہے زمانے سے ترے سر پہ سوار
خوف ہے اک نا مبارک طائرِ مردار خوار
باغ و بستاں سے نہیں ہوتی نظر جس کی دوچار
روز و شب لاشوں پہ منڈلاتا ہے جو دیوانہ وار
تیرے سر پہ اس کا منڈلانا تماشا تو نہیں؟
غور کر تو اک عفونت خیز لاشا تو نہیں؟

خلق میں محشر بپا ہے اور تو مصروفِ خواب
خون میں ذلت کی موجیں کھا رہی ہیں پیچ و تاب
تیری غیرت کو خبر بھی ہے کہ دشمن کا عتاب
تیری ماں بہنوں کی راہوں میں اُلٹتا ہے نقاب
اب تو زخمی شیر کی صورت بپھرنا چاہیے
یہ اگر ہمت نہیں، تو ڈوب مرنا چاہیے

دیکھ تو کتنی مکدر ہے فضائے روزگار
کس طرح چھایا ہوا ہے حق پہ باطل کا غبار
بزمِ یزدانی میں روحِ اہرمن ہے گرم کار
میان سے باہر اُبل پڑ، اے علیؑ کی ذوالفقار
نقشِ حق کو اب بھی او غافل! جلی کرتا نہیں
اب بھی تقلیدِ حسینؑ ابنِ علیؑ کرتا نہیں

☆☆

اے مرتضیٰ

اے مرتضیٰ! مدینۂ علم خدا کے باب
اسرارِ حق ہیں تیری نگاہوں پہ بے نقاب
اے تیری چشمِ فیض سے اسلام کامیاب
ہر سانس ہے مکارمِ اخلاق کا شباب
نقشِ سجود میں وہ ترے سوز و ساز ہے
فرشِ حرم کو جس کی تجلی پہ ناز ہے

اے نورِ سرمدی سے درخشاں ترا چراغ
مہکے ہوئے ہیں تیرے نفس سے دلوں کے باغ
حاصل ہے ماسویٰ سے تجھے کس قدر فراغ
تو معرفت کا دل ہے تو حکمت کا ہے دماغ
تیرے حضور دفترِ قدرت لیے ہوئے
قدسی کھڑے ہیں شمعِ امامت لیے ہوئے

آئین رزم و بزم کی ہے تجھ سے آبرو
ہر بات برمحل ہے مناسب ہر ایک خو
سختی کہیں رجز کی کہیں نرم گفتگو
برسا رہا ہے پھول کہیں اور کہیں لہو
لوحِ ادب پہ کلکِ نسیم بہار ہے
میدان میں جھلکتی ہوئی ذوالفقار ہے

اے تیری شان قلعۂ خیبر سے آشکار
رحلت کی شب رسولؐ کے بستر سے آشکار
خونِ گلوئے مرحب و عنتر سے آشکار
گردوں پہ جبرائیل کے شہپر سے آشکار
چرچا یہاں بھی تیغ کا تیری وہاں بھی ہے
رطب اللساں زمیں ہی نہیں آسماں بھی ہے

اے مرتضیٰ! امامِ زماں شیر کردگار
عرفاں کی سلطنت میں نہیں تجھ سا تاجدار
تیری ادائے حرب کا اللہ رے وقار
اک ضرب پہ عبادت ثقلین ہو نثار
تو خندہ زن ہے فتنۂ بدر و حنین پر
پیغمبری کو ناز ہے تیرے حسینؑ پر

اے تیری فکر روحِ دو عالم سے ہم کلام
اے تیری ذات، قوتِ پیغمبرؐ اسلام
اے فلسفیِ پاک دل، اے اولیں امام
تیرے قدم کا دوشِ نبوت پہ ہے مقام
اُڑتا ہے تجھ کو دیکھ کے رنگ آفتاب کا
روشن ہے تجھ سے طور رسالتؐ مآب کا

خطروں سے ہو سکا نہ کبھی دل میں تو ملول
کانٹوں کو تیرے عزم نے سمجھا ہمیشہ پھول
ہجرت کی شب ملا جو تجھے بسترِ رسولؐ
کیا نفس مطمئن تھا کہ ہنس کر کیا قبول
ایمائے ایزدی کی ادا بھا گئی تجھے
پُر ہول خواب گاہ میں نیند آ گئی تجھے

اے جوشؔ دیکھ سیرتِ مولائے شیخ و شاب
ہر فعل بے نظیر ہے ہر قول لا جواب
یاں جنبشِ نظر سے ہے گردش میں آفتاب
سن گوشِ حق نیوش سے اک قولِ بوتراب
یہ قول ہے کلیدِ درِ کائنات کی
یعنی اجل ہے خود ہی محافظ حیات کی

دنیا کنیز اس کی ہے سمجھا یہ جس نے راز
کس نیند میں ہے اُمتِ شاہنشہِ حجاز
ٹھنڈی پڑی ہے روح میں کیوں آتشِ گداز
کیوں مضمحل ہے دل میں شجاعت کا سوز و ساز
جب مرگ زندگی کی حفاظت کا نام ہے
اے اہلِ دہر موت سے ڈرنا حرام ہے

☆☆

سلام

کرچکا سیر، اصل مرکز پر اب آنا چاہیے
اس زمیں پر اک نئی بستی بسانا چاہیے

پڑ چکے ہیں سیکڑوں روحِ شہادت پر حجاب
مومنو! اب ان حجابوں کو اٹھانا چاہیے

استعاروں میں بیاں کرنے کے دن باقی نہیں
داستاں اب صاف لفظوں میں سنانا چاہیے

یہ جھجک اچھی نہیں اے سوگوارانِ حسین!
باندھ کر سر سے کفن میداں میں آنا چاہیے

آنچ جب آنے لگے حق پر تو بہرِ زندگی
موت کو بڑھ کر کلیجے سے لگانا چاہیے

تیغ کے دامن کی جب آنے لگے رن سے ہوا
مرد کو انگڑائی لے کر مسکرانا چاہیے

غور سے سن، غور سے اے نازبردارِ حیات
مرد کو جینے کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے

تیری پابوسی کو خم ہے کب سے پشتِ آسماں
اے مسلماں! خاک سے اب سر اُٹھانا چاہیے

یوں ابھرنے سے رہا نقشِ حیاتِ جاوداں
زندگی پر خون کی مہریں لگانا چاہیے

آفریں اے ہمتِ مردانۂ ابنِ رسولؐ
صاحبِ غیرت کو یوں ہی موت آنا چاہیے

غیر سطحِ مہر و مہ تک تو گوارا ہے زوال
اس سے نیچے مردِ مومن کو نہ جانا چاہیے

بسترِ احمدؐ شبِ ہجرت، یہ دیتا ہے صدا
اے علیؑ! مردوں کو یوں ہی نیند آنا چاہیے

کچھ سنا کیا کہہ رہا ہے جوش! اکبر کا شباب؟
مینھ میں تیروں کے جوانی کو نہانا چاہیے

☆☆

شمعِ ہدایت

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزمِ کافری
رعشۂ خوف بن گیا رقصِ بتانِ آزری

خشک عرب کی ریگ سے بہہ اُٹھی نیاز کی
قلزمِ نازِ حُسن میں اُف ری تری شناوری

اے کہ ترا غبارِ راہ تابشِ روئے ماہتاب
اے کہ ترے سکوت میں نعرۂ بندہ پروری

اے کہ ترے دماغ پہ جنبشِ پرِ تو صفا
اے کہ ترے ضمیر میں کاوشِ نور گستری

چھین لیں تو نے مجلسِ شرک وخودی سے گرمیاں
ڈال دی تو نے پیکرِ لات وہبل میں تھرتھری

تیرے قدم پہ جبہ سا روم و عجم کی نخوتیں
تیرے حضور سجدہ ریز چین و عرب کی خودسری

تیرے کرم نے ڈال دی طرحِ خلوص و بندگی
تیرے غضب نے بند کی رسم و رہِ ستمگری

تیرے سخن سے دب گئے لاف و گزاف کفر کے
تیرے نفس سے بجھ گئی آتشِ سحرِ سامری

لحن سے تیرے منتظم پست و بلند کائنات
ساز سے تیرے منضبط گردشِ چرخِ چنبری

چین ستم سے بے خبر تیری جبینِ دل کشی
حرفِ وفا سے تابناک تیری بیاضِ دلبری

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
بخشا گدائے راہ کو تو نے شکوہِ قیصری

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشکِ خضر بنا دیا
راہزنوں کو دی دعا بن گئے شمعِ رہبری

سلجھا ہوا تھا کس قدر تیرا دماغ حق رسی
نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتحِ خیبری

زمزمہ تیرے ساز کا لحنِ بلالؓ حق نوا
صاعقہ تیرے ابر کا لرزشِ روحِ بوذریؓ

آئینہ تیرے خلق کا طبعِ حسن کی سادگی
رنگ ترے نیاز کا گردشِ چشمِ جعفری

شان ترے ثبات کی عزمِ شہیدِ کربلا
شرح ترے جلال کی ضربتِ دستِ حیدری

رنگ ترے شباب کا جلوۂ اکبرِ قتیل
نقش ترے شکیب کا خونِ گلوئے اصغری

تیرا لباسِ فاخرہ چادرِ کہنۂ بتول
تیری غذائے خوش مزا نانِ شعیرِ حیدری

تجھ پہ نثار جان و دل مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے
دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری

تیرے گدائے بے نوا تیرے حضور آئے ہیں
چہروں پہ رنگِ خستگی سینوں میں دردِ بے پری

آج ہوائے دہر سے اُن کے سروں پہ خاک ہے
رکھی تھی جن کے فرق پہ تو نے کلاہِ سروری

تیرے فقیر اور دیں کوچۂ کفر میں صدا
تیرے غلام اور کریں اہلِ جفا کی چاکری

طرفِ کلاہ میں جن کے تھے لعل و گہر لگے ہوئے
حیف اب ان سروں میں ہے دردِ شکستہ خاطری

جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں
اب نہ وہ تیغِ غزنوی اب نہ وہ تاجِ اکبری

اٹھ کہ ترے دیار میں پرچمِ کفر کھل گیا
بیں نہ کر کہ پڑ گئی صحنِ حرم میں ابتری

خیز و دلِ شکستہ را، دولتِ سوز و ساز دہ
مسلمِ خستہ حال را رخصتِ ترکتاز دہ

☆☆

آفتاب سے خطاب

آفتاب، اے تو عروسِ صبح کے آئینہ دار
اے کہ قبضے میں ترے سر رشتۂ لیل و نہار
اے کہ تیری ہر نظر، اطرافِ عالم سے دوچار
اے کہ تیرے ساز پر ہستی کے نغموں کا مدار
ذرّے ذرّے کو تجلّی کا پتا دیتا ہے تو
پتھروں کو چوم کر ہیرا بنا دیتا ہے

دور سے آتا ہے تو ہم کو جگانے کے لیے
نام غفلت کا زمانے سے مٹانے کے لیے
گدگداتا ہے شگوفوں کو ہنسانے کے لیے
خاک سے شبنم کے قطروں کو اٹھانے کے لیے
دیکھ کر پھولوں کی ناداری تڑپ جاتا ہے تو
رنگ بن کر عارضِ گلشن میں کھپ جاتا ہے تو

اے کہ تو ہے جملہ موجوداتِ عالم کی مراد
ہات میں تیری شعاعوں کے ہے نبضِ ابر و باد
دشمنانِ زندگی سے تو ہے مصروفِ جہاد
تیری کرنیں ہیں عناصر میں نظامِ اتحاد
حُسنِ لیلائے جہاں پرور تری محفل میں ہے
تیرے دم سے ولولہ نشو و نما کے دل میں ہے

وجد کرتی ہے زمیں تیری ادائے ناز پہ
بحر سر دھنتے ہیں تیرے شعلۂ آواز پہ
ثابت و سیار مفتوں ہیں ترے انداز پہ
رقص کرتا ہے نظامِ دہر تیرے ساز پہ
سوز ، بیداریٔ عالم کا تری تانوں میں ہے
زمزمہ روئیدگی کا تیرے افسانوں میں ہے

ہاں دیے جا تال یونہی، مطربِ بزمِ حیات!
وجد میں دن ہے ترے نغموں سے اور رقص میں ہے رات
مایۂ صد فخر ہے فانی جہاں کو تیری ذات
سرخ رُو رہ تا قیامت اے غرورِ کائنات
گرم تیرے جام سے ہستی کا میخانہ رہے
جب، دنیا تک ترا گردش میں پیمانہ رہے

چھیڑ کچھ باتیں ہمارے نامور اجداد کی
تو تو ہے چھانے ہوئے گلیاں جہان آباد کی
کچھ تو کیفیت بیاں کر ملت برباد کی
تیری نظروں میں تو ہوں گی رونقیں بغداد کی
کتنے سکے تو نے دیکھے ہیں ہمارے نام کے
اے مورخ سطوت پارینۂ اسلام کے

اپنے نقش پا میں تھی شان کلامِ قیصری
خانہ زادوں میں تھی اپنے صولتِ اسکندری
اپنی آنکھوں سے برستا تھا جلالِ حیدری
ٹھوکروں کی زد پہ رہتا تھا مذاقِ آذری
دنگ تھا ہر زمزمہ بانگِ اذاں کے سامنے
کوہ جھک جاتے تھے اپنے کارواں کے سامنے

یاد تو ہوں گے تجھے وہ دن بھی اے گردوں حشم
اہل حق جس دور میں تھے صاحبِ تاج و علم
سادگی پر کس قدر مفتوں تھے خدامِ حرم
بستۂ نانِ جویں تھا خوانِ اربابِ کرم
چتر شاہی تھے سروں پر دلق زیبِ دوش تھے
آہ جب "فقر و امارت" دونوں ہم آغوش تھے

آفتاب! اے نیلگوں دریا کے رخشندہ گہر
اے کہ اُڑ جاتا ہے تجھ سے خوابِ غفلت کا اثر
سچ بتا، پھر بھی کبھی آئے گی کیا ایسی سحر
جگمگاتا ہوگا تاج زر جب اپنے فرق پر
آنکھ کھل جائے گی غفلت سے جہان آباد کی ؟
جاگ اُٹھے گی سلطنت غرناطہ و بغداد کی ؟

مسلمِ خوابیدہ اب بیدار بھی ہوگا کبھی؟
کھا رہا ہے ٹھوکریں خود دار بھی ہوگا کبھی؟
بزدلی کے نام سے بیزار بھی ہوگا کبھی؟
جان دینے کے لیے تیار بھی ہوگا کبھی؟
طور سے کیا پھر صدائے لن ترانی آئے گی؟
سچ بتا کیا پھر زلیخا پر جوانی آئے گی؟

مرحبا اے آفتابِ روح پرور! مرحبا
کیا دیا تو نے جواب اُمید میں ڈوبا ہوا
تو نے پھر سے مردہ ارمانوں کو زندہ کر دیا
تیرے قرباں، پھر تو دہرا دے یہ تو نے کیا کہا؟
چھٹ رہی ہیں ظلمتیں شب کی سحر ہونے کو ہے
آفتابِ تاج مسلم جلوہ گر ہونے کو ہے

مژدہ اے مسلم! کہ تو ہر رنگ میں پائندہ ہے
زندگی کے گو نہیں آثار پھر بھی زندہ ہے
اک تبسم سا لب تقدیر پر رخشندہ ہے
ایک چنگاری ضمیر حق میں پھر تابندہ ہے
زندگانی کی سر تربت ہوا آنے کو ہے
چرخ سے پھر "قم بہ اذنی" کی صدا آنے کو ہے

تجھ کو کیا پروا ہوائے دہر اگر ناساز ہے
تجھ کو اوج لامکاں تک رخصتِ پرواز ہے
اٹھ کہ سینے میں ترے ارض و سما کا راز ہے
بربط جبریل کی تو آخری آواز ہے
ہو چکا ہے ختم تجھ پر سلسلہ الہام کا
فقرۂ آخر ہے تو اللہ کے پیغام کا

سبزۂ خوابیدہ وہ انگڑائیاں لے کر اٹھا
صبح ہونے کو ہے تہہ کر غفلتیں بستر اٹھا
بحر ہے بے چین کشتی ڈال دے، لنگر اٹھا
تاج شاہی منتظر ہے، اے مسلماں! سر اٹھا
دیکھ رحمت کی گھٹائیں ماہیٔ بے آب ہیں
تیری کھیتی پر برسنے کے لیے بیتاب ہیں

☆☆

فتحِ سمرنا

اے قوم! مبارک ہو کہ ساحل نظر آیا
غربت میں چراغِ سرِ منزل نظر آیا
گردوں پہ جمالِ مہہ کامل نظر آیا
محفل میں کوئی رونقِ محفل نظر آیا
یہ دن بھی بڑے فخر و مباہات کا دن ہے
معشوق سے عاشق کی ملاقات کا دن ہے

اعجاز ہے اسلام کی جادو نظری کا
زائل ہے اثر روح سے بے بال و پری کا
صد شکر کہ وہ دور گیا بے خبری کا
بیدار ہے پھر عزمِ جوانانِ جری کا
شب ختم ہوئی انجمن آرا نکل آیا
وہ صبح کا گردوں پہ ستارا نکل آیا

دشوار تھا اُلجھی ہوئی زلفوں کا سنورنا
کچھ کھیل نہ تھا راہِ صعوبت سے گزرنا
اعجاز ہے ڈوبی ہوئی نبضوں کا اُبھرنا
اسلام! مبارک ہو تجھے فتح سمرنا
جب تک کہ طلسمِ سحر و شام رہے گا
واللہ زمانے میں ترا نام رہے گا

احرار نے کیا فوجِ سیہ کار کو روکا
شیرانہ بڑھے، لشکرِ کفار کو روکا
اسلام کی گرتی ہوئی دیوار کو روکا
کس شان سے تلوار پہ تلوار کو روکا
ہنگامِ دعا ہو تو دم سرد ہوں ایسے
جب جنگ ہو ایسی تو جواں مرد ہوں ایسے

ہاں، یوں ہی ترقی پہ رہے ہمتِ عالی
ہر خطۂ اسلام ہو اغیار سے خالی
تکمیل کرے قوتِ بازوئے کمالی
دشمن پہ چمکتی رہے شمشیرِ ہلالی
کھل جائے کہ اس زر میں کوئی میل نہیں ہے
اسلام ہے اسلام، ہنسی کھیل نہیں ہے

☆☆

رحلتِ محمد علی

اے متاعِ بُردۂ ہندوستان و ایشیا!
اے کہ تھا ناخن پہ تیرے عقدۂ حق کا مدار

نقش تھا کاوش پہ تری اندازۂ صبح و مسا
خم تھی قدموں پہ ترے نیرنگیٔ لیل و نہار

اے غرورِ ملک و ملت! تو وہاں لیتا تھا سانس
موت جس منزل پہ بنتی ہے حیاتِ پائیدار

وقت کے سیلاب سے تیرا سفینہ ہے بلند
سیرتِ مطہرِ اسلام کے آئینہ دار!

تجھ کو بخشی تھی مشیت نے اک ایسی زندگی
جس بہادر زندگی کو موت پر آتا ہے پیار

تیرے آگے لرزہ بر اندام تھی روحِ فرنگ
اے دلِ ہندوستاں کے عزمِ تند و استوار

طنطنے سے تیری ہیبت آفریں آواز کے
تھی حسینؓ ابنِ علیؓ کی استقامت آشکار

ڈوب جاتی تھی دلِ باطل میں لہراتی ہوئی
تیرے لہجے میں چمکتی تھی وہ تیغِ آب دار

موڑ کر رکھ دی تھی تو نے جنگ کے میدان میں
اہلِ بدعت کی کلائی، خنجرِ باطل کی دھار

تجھ سے آتا تھا پسینہ افسر و اورنگ کو
اے کرامت تھی تری قوت شکنِ سلطاں شکار

خون میں تیرے نہاں تھی جنبشِ تیغِ علیؓ
خاک میں تیری ودیعت تھا مزاجِ ذوالفقار

تیری سیرت میں تھی مضمر صولتِ پیغمبریؐ
تیری فطرت میں تھی پنہاں سطوتِ پروردگار

قوم کو بخشا ہے تیری موت نے وہ بانکپن
کج ہوئی جاتی ہے ماتھے پر کلاہِ افتخار

شاہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ

اے شہنشاہ ہمایوں کی مقدس خواب گاہ!
دیکھتی ہے تجھ میں اک دنیائے غم میری نگاہ

آنسوؤں سے تیرے سقف و بام دھونے کے لیے
تجھ میں آیا تھا کوئی پوشیدہ ہونے کے لیے

جھلملائی تھی تری محراب میں قندیلِ شاہ
موت کے دامن میں لی تھی زندگانی نے پناہ

اُس طرف اغیار کی فوجیں قطار اندر قطار
اِس طرف گنبد میں اک بیمار بوڑھا تاجدار

باز ادھر فرق جہانبانی پہ تاج سروری
چست ادھر ٹھوکر لگانے کے لیے "سوداگری"

آسماں تھا زلزلے میں اور تلاطم میں زمیں
اس کے آگے کیا ہوا؟ مجھ سے کہا جاتا نہیں

اس ترے گنبد کے نیچے اے جہان اضطراب
ایسی دو قبریں ہیں دنیا میں نہیں جن کا جواب

اک مزار کج کلہ، اک کج کلاہی کا مزار
شاہ کی تربت کے پہلو میں ہے شاہی کا مزار

اف بھرے آتے ہیں آنسو دیدۂ نمناک میں
دفن ہے تاتاریوں کا تاج تیری خاک میں

☆☆

متولیانِ وقف "حسین آباد" سے خطاب

سن سکو تو چند نالے ہیں، دلِ غمناک کے
اے گرامی ممبرو! وقف حسین آباد کے

مشعلوں کی جگمگاہٹ کی ہوا کرتی ہے "شو"
ہر محرم کی نویں اور آٹھویں تاریخ کو

وہ اداس اور تشنہ دو راتیں سر جوئے فرات
جن کے سناٹے کے اندر گم تھی روحِ کائنات

جن کی رو میں درہم و برہم تھا دنیا کا نظام
جن کی خاموشی میں غلطاں تھا شہادت کا پیام

جن کی ہلچل سے تلاطم تھا دلِ آفاق میں
جھلملائی تھی وفا کی شمع جن کے طاق میں

جن کی ظلمت کو منور کر رہے تھے دل کے داغ
گل ہوا تھا جن کی آندھی میں مدینے کا چراغ

پرفشاں تھے جن کے سناٹے جرس کے واسطے
تم نے ان راتوں کو چھانا ہے ہوس کے واسطے

مشعلوں میں جس جگہ خونِ شہیداں کا ہو رنگ
سیر کرنے کو بلائے جائیں واں اہلِ فرنگ

کیا حمیت ہے کہ اپنوں کے لیے ہو روک تھام
روپ میں بھی غیر کے آئے کوئی تو اذنِ عام

یہ تملق، یہ خوشامد، یہ زبوں اندیشیاں
غم کدہ مسلم کا ہو لعبرانیوں کا بوستاں!

دیدۂ ناہید ہو جس بزم میں افسانہ گو
اس جگہ دی جائے دعوت چشمکِ مریخ کو

داغہائے دل میں کھولا جائے میخانے کا باب
قہقہے ہوں آنسوؤں کی انجمن میں باریاب

بزمِ عصمت میں، سر آنکھوں پر لیا جائے گناہ
مقبرے کو اور بنائے آسماں تفریح گاہ

دعوتِ حرف و حکایت، زلزلے کی رات میں
منعقد ہو جشن، اشکوں کی بھری برسات میں

بامِ شیون پر کھلے موجِ تبسم کا علم
خون کے قطروں پہ اور اربابِ عشرت کے قدم

کشتیِ صہبا چلے اہلِ وفا کے خون میں
آخری ہچکی بھری جائے گراموفون میں

لشکرِ شادی سے روندی جائے غم خانے کی خاک
غازۂ خوباں بنائی جائے پروانے کی خاک

چنگ و بربط کا تسلط ہو دیارِ آہ میں
اہلِ ماتم لاش کو رکھیں نمائش گاہ میں

دیدۂ عشرت اُٹھے صد پارہ لاشا دیکھنے
ہنسنے والے آئیں رونے کا تماشا دیکھنے

جوئے خوں، اور اس پہ تیراکی کا میلا الحذر
غیرتِ اسلام! تجھ کو کھا گئی کس کی نظر؟

روحِ مومن کو عطا، یارب خدا! ادراک ہو
یہ نہیں تو صُور پھنک جائے کہ قصہ پاک ہو

☆☆

آنسو اور تلوار

کربلا کا گرم میداں، تمتماتا آفتاب
کشمکش، ہلچل، تلاطم، شور، غوغا، اضطراب

صورِ اسرافیل سے ملتا ہوا غوغائے جنگ
برچھیاں نیزے کٹاریں تیر تلواریں تفنگ

غازیوں کا طنطنہ، بانگِ رجز کا دبدبہ
طبل کی دوں دوں، کمانوں کے کڑکنے کی صدا

آگ کی لپٹیں، شعاعوں کی تپش، گرمی کا زور
اسلحے کی کھڑکھڑاہٹ لو کی رو قرنا کا شور

جنگجو میدان میں تیغ دو دم تولے ہوئے
اہلِ ہمت دھوپ میں کالے علم کھولے ہوئے

کُلبۂ باطل میں حق کی داستاں کہتا ہوا
سرخ ذروں پر جوانوں کا لہو بہتا ہوا

قلبِ اعدا پر حسینؑ ابن علی کا رُعب و داب
قطرۂ بے مایۂ شبنم پہ گویا آفتاب

رسم و راہِ حق سے ربط، آئینِ باطل سے عناد
عہدِ جاں بازی، سر مرادنگی، عزمِ جہاد

شوقِ آزادی ، خیالِ سرفروشی، ذوقِ مرگ
یہ تھے انصارِ حسینؑ ابن علیؑ کے ساز و برگ

تم بھی ہو منجملۂ انصارِ شاہِ کربلا
سچ کہو ان میں سے تم کو کیا وراثت میں ملا؟

چند اشکوں کے لطائف چند شیون کے نکات
کیوں یہی لے دے کے ہے یارو! تمھاری کائنات

اے عزیزو! اس بلا کی بے حسی کا کیا علاج
چند آہیں اور وہ بھی بستۂ رسم و رواج

ہاں ازل سے ہے یہ تقسیمِ وراثت کا اصول
مرد کو دیتے ہیں شعلوں کی لپک عورت کو پھول

مرد کو ملتی ہے ترکے میں جھلکتی ذوالفقار
عورتوں کو شاخِ گل کا لوچ شبنم کا نکھار

مرد کو ہوتا ہے حاصل فاتحانہ قہقہہ
عورتوں کو ہچکیوں کی گونج، شیون کی صدا

اے کہ تم پوشاکِ حربی کے عوض پہنے ہو "کون"
دل میں خود سوچو، تم اس تقسیم سے ہوتے ہو کون؟

خیر اب تک جو بھی ہونا تھا عزیزو ہو چکا
لیکن اب حق اہلِ جرأت کو یہ دیتا ہے صدا!

جذبۂ مردانگی سے روٹھ کر بنتا ہے کون؟
حاملِ عزمِ شہیدِ کربلا بنتا ہے کون؟

ناؤ اپنی خون کے دریا میں کھینے کے لیے
کون بڑھتا ہے علی کی تیغ لینے کے لیے

آج وہ ساونت آئے سامنے جس کا شباب
دے سکے شیبِ حبیب ابنِ مظاہر کا جواب

کون ہے تم میں سے عبدِ خاصِ ربِ مشرقین
کس کی نبضوں کو عطا ہو آتشِ خونِ حسین؟

کون خون اپنا بہا سکتا ہے پانی کی طرح؟
کون مٹ سکتا ہے اکبر کی جوانی کی طرح؟

کون سینے میں جلاتا ہے چراغ احساس کا!
کون کاندھے پر اُٹھاتا ہے علم عباس کا ؟

آئے ، تقلیدِ حسینؑ ابنِ علیؑ کرتا ہے کون
کامل آزادی سے جینے کے لیے مرتا ہے کون؟

کون میداں میں سنبھالے گا بصد شانِ وقار
سورما عباسؑ کا پرچم، علی کی ذوالفقار

مومنو! حق کی تمھیں سوگند ایماں کی قسم
یہ صدا سن کر بڑھو کہتے ہوئے "حاضر ہیں ہم"

حکم دو تاریخ کو دہرائے اپنی داستاں
یہ نہیں ہمت تو ہاتھوں میں پہن لو چوڑیاں

مرد وہ کب ہے بھنور سے جو ابھر سکتا نہیں
حق ہی جینے کا نہیں اس کو جو مر سکتا نہیں

☆☆

مسلمان کو کیا ہوا

اے دل! جنونِ عشق کے ساماں کو کیا ہوا؟
ہوتا نہیں ہے چاک، گریباں کو کیا ہوا؟

فکرِ سخن کا نور کہاں جا کے چھپ گیا؟
تخیل کے تبسمِ پنہاں کو کیا ہوا؟ ۔

رسمِ وفا کی کاہشِ پیہم کدھر گئی؟
ذوقِ نظر کی کاوشِ پنہاں کو کیا ہوا؟

گلشن ہیں زرد، پھول کہاں جا کے بس گئے؟
کانیں ہیں سرد لعلِ بدخشاں کو کیا ہوا؟

ہے خاکِ نجد برف میں گویا چھپی ہوئی
اے قیسِ عامری! دلِ سوزاں کو کیا ہوا؟

چھائی ہوئی ہے چہرۂ ہستی پہ مردنی
الطافِ خضر و چشمۂ حیواں کو کیا ہوا؟

وہ جوہری رہے نہ وہ گوہر نظر فریب
بازارِ مصر و یوسفِ کنعاں کو کیا ہوا؟

شاخوں میں وہ لچک ہے، نہ غنچوں میں تازگی
طبعِ نسیم و فطرتِ بُستاں کو کیا ہوا؟

اگلی سی وہ چمک نہیں اب آشیاں کے گرد
کنجِ قفس میں مرغِ پر افشاں کو کیا ہوا؟

کب سے ہیں بے نواؤں کے دستِ طلب دراز
اے روحِ فیض ہمتِ سلطاں کو کیا ہوا؟

ہر اک صدف ہے آنکھ میں آنسو بھرے ہوئے
یارب! نزولِ قطرۂ نیساں کو کیا ہوا؟

آنکھیں ہیں بند دید کی حسرت پہ کیا بنی؟
دل ہے خجل، تصورِ جاناں کو کیا ہوا؟

موجِ صبا میں اب نہیں انفاسِ عیسوی
گوہر فشانیِ لبِ خوباں کو کیا ہوا؟

سوئی ہیں ایک عمر سے راتیں شباب کی
بزم آفرینیٔ مہِ تاباں کو کیا ہوا؟

ناخن سے اپنے چھیڑ رہا ہے کوئی ستار
اس پر بھی سُن پڑی ہے رگِ جاں کو کیا ہوا

کعبے میں بار پا گئے اصنامِ آذری
کاشانۂ خلیل کے درباں کو کیا ہوا؟

اس آستانِ کفر پہ ہیں سجدہ ریزیاں
اے کردگار، مردِ مسلماں کو کیا ہوا؟

سینے میں اس گروہ کے کیوں اڑ رہی ہے خاک
گنجِ حدیث و دولتِ قرآں کو کیا ہوا؟

قبضوں پہ ہاتھ ہیں نہ جبینیں ہیں خاک پر
ذوقِ جہاد و جذبۂ عرفاں کو کیا ہوا؟

شانِ وغائے حمزہؓ و حیدرؓ کدھر گئی
روحِ دعائے بوذرؓ و سلماںؓ کو کیا ہوا؟

عزمِ حسینؑ ہے نہ ثباتِ ابوتراب
صبرِ جمیل و ضبطِ فراواں کو کیا ہوا؟

ڈنکے بجا رہے ہیں شجاعت کے گوسفند
کوئی بتاؤ شیرِ نیستاں کو کیا ہوا؟

تن کر مقامِ صدر پہ بیٹھے ہیں زشت رُو
اے بزمِ ناز! خسروِ خوباں کو کیا ہوا؟

پھر ابرِ سامری سے برستے ہیں اژدہے
یارو! عصائے موسیٰؑ عمراں کو کیا ہوا؟

آنکھیں دکھا رہے ہیں ستارے خدا کی شان
اے آسمان! مہرِ درخشاں کو کیا ہوا؟

اے جوشؔ! دیکھ منھ تو گریباں میں ڈال کر
کیا پوچھتا ہے مردِ مسلماں کو کیا ہوا؟

☆☆

سوگوارانِ حسینؑ سے خطاب

انقلاب تند و خو جس وقت اٹھائے گا نظر
کروٹیں لے گی زمیں، ہوگا فلک زیر و زبر
کانپ کر ہونٹوں پر آ جائے گی روحِ بحر و بر
وقت کا پیرانہ سالی سے بھڑک اُٹھے گا سر
موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائے گا
ہاں مگر نامِ حسینؑ ابنِ علیؑ رہ جائے گا

کون جو ہستی کے دھوکے میں نہ آیا وہ حسین
سرکٹا کر بھی نہ جس نے سر جھکایا وہ حسین
جس نے مر کر غیرتِ حق کو جلایا وہ حسین
موت کا منھ دیکھ کر جو مسکرایا وہ حسین
کانپتی ہے جس کی پیری کو جوانی دیکھ کر
ہنس دیا جو تیغِ قاتل کی روانی دیکھ کر

ہاں نگاہ غور سے دیکھ اے گروہ مومنیں!
جا رہا ہے کربلا خیر البشر کا جانشیں
آسماں ہے لرزہ براندام، جنبش میں زمیں
فرق پر ہے سایہ افگن شہپر روح الامیں
اے شگوفہ، السلام، اے خفتہ کلیو الوداع
اے مدینے کی نظر افروز گلیو الوداع

ہوشیار، اے ساکت و خاموش کوفے! ہوشیار
آ رہے ہیں دیکھ وہ اعدا قطار اندر قطار
ہونے والی ہے کشاکش درمیان نور و نار
اپنے وعدوں پر پہاڑوں کی طرح رہ استوار
صبح قبضہ کرکے رہتی ہے اندھیری رات پر
جو بہادر ہیں اڑے رہتے ہیں اپنی بات پر

لو کے جھکڑ چل رہے ہیں غیظ میں ہے آفتاب
سرخ ذرّوں کا سمندر کھا رہا ہے پیچ و تاب
تشنگی، گرمی، تلاطم، آگ ، دہشت اضطراب
کیوں مسلمانو! یہ منزل اور آل بوترابؑ؟
کس خطا پر تم نے بدلے ان سے گن گن کے لیے
فاطمہ نے ان کو پالا تھا اسی دن کے لیے؟

لو وہ مقتل کا سماں ہے، وہ حریفوں کی قطار
بہہ رہی ہے نہر لو وہ سامنے بیگانہ وار
وہ ہوا اسلام کا سرتاج مرکب پہ سوار
دھوپ میں وہ برق سی چمکی، وہ نکلی ذوالفقار
آگئی رن میں اجل، تیغ دو دم تو لے ہوئے
جانب اعدا بڑھا دوزخ وہ منہ کھولے ہوئے

دور تک ہلنے لگی گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمیں
کوہ تھرانے لگے، تیورا گئی فوج لعیں
زد پہ آکر کوئی بچ جائے، نہیں ممکن نہیں
لو حسینؑ ابن علی نے وہ چڑھالی آستیں
آستیں چڑھتے ہی خون ہاشمی گرما گیا
نا خدا! ہشیار، دریا میں تلاطم آگیا

ظہر کے ہنگام کچھ جھکنے لگا جب آفتاب
ذوقِ طاعت نے دل مولیٰ میں کھایا پیچ وتاب
آ کے خیمے سے کسی نے دوڑ کر تھامی رکاب
ہوگئی بزم رسالت میں امامت باریاب
تشنہ لب ذرّوں پہ خونِ مشک بو بہنے لگا
خاک پر اسلام کے دل کا لہو بہنے لگا

آفریں چشم و چراغِ دودمانِ مصطفےٰ
آفریں صد آفریں و مرحبا صد مرحبا
مرتبہ انسان کا تونے دوبالا کر دیا
جان دے کر، اہلِ دل کو تو سبق یہ دے گیا
کشتیِ ایماں کو خونِ دل میں کھینا چاہیے
حق پہ جب آنچ آئے تو یوں جان دینا چاہیے

اے محیطِ کربلا! اے ارضِ بے آب و گیاہ
جرأتِ مردانہ شبیرؑ کی رہنا گواہ
حشر تک گونجیں گے تجھ میں نعرہ ہائے لا الٰہ
کج رہے گی فخر سے فرقِ رسالت پر کلاہ
یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے
اک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

تم سے کچھ کہنا ہے اب اے سوگوارانِ حسینؑ
یاد بھی ہے تم کو تعلیمِ امامِ مشرقین؟
تاکجا بھولے رہو گے غزوۂ بدر و حنین
کب تک آخر ذاکروں کے ناجزانہ شور و شین؟
ذاکروں نے موت کے سانچے میں دل ڈھالے نہیں
یہ شہیدِ کربلا کے چاہنے والے نہیں

کہہ چکا ہوں بار بار، اور اب بھی کہتا ہوں یہی
ماتمِ شیون نہیں میرا پیامِ زندگی
لیکن اتنی عرض ہے اے لو اسیرِ بزدلی
اپنی نبضوں میں رواں کر خونِ سر جوشِ علی
ابنِ کوثر! پہلے اپنی تیغ کامی کو تو دیکھ
اپنے ماتھے کی ذرا مُہرِ غلامی کو تو دیکھ

جس کو ذلت کا نہ ہو احساس وہ نامرد ہے
ننگِ پہلو ہے وہ دل جو بے نیازِ درد ہے
حق نہیں جینے کا اس کو جس کا چہرہ زرد ہے
خودکشی ہے فرض اس پر خون، جس کا سرد ہے
ہیبتِ بیداری نہ غالب ہو سکے جو قوم پر
لعنت ایسی خفتہ ملت پر، تُف ایسی قوم پر

زندہ رہنا ہے تو میرِ کارواں بن کر رہو
اس زمیں کی پستیوں میں آسماں بن کر رہو
دورِ حق ہو تو نسیمِ بوستاں بن کر رہو
عہدِ باطل ہو تو تیغِ بے اماں بن کر رہو
دوستوں کے پاس آؤ نور پھیلاتے ہوئے
دشمنوں کی صف سے گزرو آگ برساتے ہوئے

دورِ محکومی میں راحت کفر، عشرت، ہے حرام

مہوشوں کی چاہ ، ساقی کی محبت ہے حرام

علم ناجائز ہے دستارِ فضیلت ہے حرام

انتہا یہ ہے غلاموں کی عبادت ہے حرام

کوئے ذلت میں، ٹھہرنا کیا، گزرنا بھی حرام

صرف جینا ہی نہیں، اس طرح مرنا بھی حرام!

☆☆

کافرِ نعمت مسلمان

(یہ نظم حیدرآباد کی ایک محفلِ میلاد کے واسطے قلم برداشتہ لکھی گئی تھی)

تم نہ بگڑو تو میں پوچھوں ڈرتے ڈرتے ایک بات
سچ بتاؤ کون ہے اس وقت ننگِ کائنات

ہٹ گیا ہے کون ابرِ زندگی کی چھاؤں سے
کس نے اپنا تاج روندا ہے خود اپنے پاؤں سے

اس زمین و آسماں کی شہر یاری چھوڑ کر
کون بھاگا ہے غلامی کی طرف منہ موڑ کر

صاف کہتا کون ہے ان ذیل کے عیبوں میں طاق
کذب، غیبت، افترا، اسراف، بدبینی، نفاق

آج کتراتا ہوا وحدانیت کی راہ سے
یہ مرادیں مانگتا ہے کون غیر اللہ سے؟

جھومتا ہے کون قوالوں کے ہر اک بول پر
کون یہ عرسوں میں پہروں ناچتا ہے ڈھول پر

بن کے ذاکر سیم و زر کے ڈھیر پر کرتا ہے کون
خونِ اولادِ پیمبرؐ بیچتا پھرتا ہے کون؟

پشتِ مرکب چھوڑ کر تکیوں پہ ہے کس کا مدار؟
جنگ کے میداں میں کس نے پھینک دی ہے ذوالفقار

حجلۂ عشرت میں کی ہے یوں خدا کی کس نے یاد
فربہی کی کشمکش سے کر نہیں سکتا جہاد

کون چلّوں کی مشقت سے ہے یوں زار و حزیں
ضعف کی شدت سے جو تلوار اُٹھا سکتا نہیں

گر گیا ہے آسماں سے کس کا پرچم خاک پر
جم گئی ہے برف کس کے شعلۂ چالاک پر

بن چکا ہے کس کا خود آہنی رشکِ حباب
مل چکا ہے کس کے انگاروں کو شبنم کا خطاب

کون ہیں یہ لوگ کچھ سمجھے بھی اے اطفالِ دیں
مجھ کو تو یہ وہم ہوتا ہے کہیں تم تو نہیں

تم نہیں تو پھر یہ جینے کے عوض مرتا ہے کون؟
روز و شب آیاتِ حق سے دل لگی کرتا ہے کون

کب تلوّن کو پتا چلتا ہے استقلال کا
زاغ کو حق ہی نہیں بلبل کے استقبال کا

دل میں دم بھر کے لیے لللہ سوچو تو ذرا
حق نے تم سے کیا کیا؟ اور تم نے حق سے کیا کیا

حق نے چھیڑا تھا زمیں پر نغمۂ اُمّ الکتاب
تم نے برپا کر دیا ہنگامۂ چنگ و رباب

حق نے بخشا تھا تمھیں جوش و خروشِ جوئے آب
بن گئے تم رفتہ رفتہ صرف اک نقشِ سُراب

حق نے تم کو نوعِ انساں کا بنایا تھا امام
بن گئے تم لعبتِ کوتاہ بینی سے غلام

حق نے چھانٹا تھا تمھیں دنیا کی شاہی کے لیے
تم نے پیہم کوششیں بدلیں تباہی کے لیے

مومن و مسلم کا بخشا تھا تمھیں اس نے خطاب
شیعہ و سنّی کا نازل کر لیا تم نے عذاب

اُس نے رکھا تھا ہتھیلی پر تمھاری آفتاب
تم نے پنہاں کر دیا اُس کو نقاب اندر سحاب

بندگی اصنام کی ٹھہرائی تھی اس نے حرام
اور تم ہر مقبرے کو جھک کے کرتے ہو سلام

دل میں شرماؤ ذرا یہ کیا غضب کرتے ہو تم
زندگی کا زور مُردوں سے طلب کرتے ہو تم

مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ تو اسیرانِ نفاق؟
اس مہینے کو سمجھ رکھا ہے تم نے کیا مذاق؟

یہ تو ہے اے ناشناسانِ عیارِ کفر و دیں
روحِ انسانی کی آزادی کا یوم اوّلیں

ہاں اسی دن کام لے کر قوتِ ادراک سے
اک انوکھی بات قدرت نے کہی تھی خاک سے

ہاں اسی دن ہو گیا تھا سنگِ حق سے چور چور
آبگینے کی طرح جھوٹے خداؤں کا غرور

ہاں اسی دن قلبِ انسانی کی جانب دور سے
سر ہوا تھا آخری ناوک کمانِ نور سے

ہاں اسی دن حق نے بہرِ رفعتِ نوعِ بشر
مہرِ آخر ثبت کی تھی سرمدی منشور پر

ہاں یہ وہ دن ہے کہ درسِ حریت دیتی ہوئی
چونک اٹھی تھی زندگی انگڑائیاں لیتی ہوئی

ہاں اسی دن خلقِ یزداں نے کیا تھا یوں کلام
آج سے منسوخ ہے قانونِ آقا و غلام

ہاں اسی دن نے سنایا تھا یہ روحانی پیام
ابنِ آدم! ماسوائے اللہ عبادت ہے حرام

ہاں نہ سجدے نوعِ انساں ما سوا کے سامنے
اب جھکے بندہ تو صرف اپنے خدا کے سامنے

آج بھی کیا تم اسی قانون کے پابند ہو
چپ ہو کیوں اپنے خداؤں کی مجھے فہرست دو

مومنو! اسلام کی تائید کی تم کو قسم
بت پرستی چھوڑ دو توحید کی تم کو قسم

صاحبِ قرآں ہو، تعلیمِ قرآں کی قسم
اہرمن سے توڑ دو تم عہد یزداں کی قسم

شاہِ بحر و بر ہو تخلیقِ آدم کی قسم
اپنے دل کی قوتِ تسخیرِ عالم کی قسم

باندھ لو سر سے کفن شمشیرِ عریاں کی قسم
موت کا دھڑکا مٹا دو آبِ حیواں کی قسم

اس کرّے کے آخری قانون کی تم کو قسم
چونک اٹھو سبطِ نبیؐ کے خون کی تم کو قسم

سر اٹھاؤ، کشتگانِ عشق کے سر کی قسم
رن میں آؤ قوتِ بازوئے حیدرؓ کی قسم

نیند سے بیدار ہو، حساسِ کامل کی قسم
جاگ اٹھو پیغمبرِ اسلام کے دل کی قسم

☆☆

ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(یہ نظم بھی حیدر آباد کی ایک محفلِ میلاد کے لیے نہایت عجلت میں عین وقت پر کہی گئی تھی)

اے مسلمانو! مبارک ہو نویدِ فتحِ باب
لو وہ نازل ہو رہی ہے چرخ سے اُمّ الکتاب
وہ اُٹھے تاریکیوں کے بامِ گردوں سے حجاب
وہ عرب کے مطلعِ روشن سے ابھرا آفتاب
گم ضیائے صبح میں شب کا اندھیرا ہوگیا
وہ کلی چٹکی، کرن پھوٹی، سویرا ہوگیا

زلف کا پیغام پھر بادِ صبا دینے لگی
پھر زبانِ گُل صدائے مرحبا دینے لگی
شہپرِ جبریل کی جنبش ہوا دینے لگی
صبح لہرا کر چلی، شب راستا دینے لگی
مہر کا زرّیں سفینہ آسماں کھینے لگا
چرخ پر دریائے نور انگڑائیاں لینے لگا

خسرو خاور نے پہنچا دیں شعاعیں دور دور
دل کھلے شاخیں ہلیں شبنم اڑی چھایا سُرور
آسماں روشن ہوا کانپی زمیں پر موج نور
بو پھیلی ، دریا بہے سنکی ہوا چہکے طیور
نورِ حق فاران کی چوٹی کو جھلکانے لگا
دلبری سے پرچم اسلام لہرانے لگا

گرد بیٹھی کفر کی اٹھی رسالت کی نگاہ
گر گئے طاقوں سے بُت خم ہوگئی پشتِ گناہ
چرخ سے آنے لگی پیہم صدائے لاالہٰ
ناز سے کج ہوگئی آدم کے ماتھے پر کلاہ
آتے ہی ساقی کے ساغر آگیا خم آگیا
رحمتِ یزداں کے ہونٹوں پر تبسم آ گیا

آ گیا جس کا نہیں ہے کوئی ثانی وہ رسولؐ
روحِ فطرت پر ہے جس کی حکمرانی وہ رسولؐ
جس کا ہر تیور ہے حکمِ آسمانی وہ رسولؐ
موت کو جس نے بنایا زندگانی وہ رسولؐ
خلقِ سفاکی و وحشت کو برہم کر دیا
جس نے خوں آشام تلواروں کو مرہم کر دیا

فقر کو جس کے تھی حاصل کج کلاہی وہ رسولؐ
گلہ بانوں کو عطا کی جس نے شاہی وہ رسولؐ
زندگی بھر جو رہا بن کر سپاہی وہ رسولؐ
جس کی ہر اک سانس قانونِ الٰہی وہ رسولؐ
جس نے بطنِ تیرگی سے نور پیدا کر دیا
جس کی جاں بخشی نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

واہ کیا کہنا ترا اے آخری پیغامبر
حشر تک طالع رہے گی تیرے جلوؤں کی سحر
تو نے ثابت کر دیا اے ہادیٔ نوعِ بشر
مرد یوں مہریں لگاتے ہیں جبینِ وقت پر
گردشیں دنیا کی تیرا قصر ڈھا سکتی نہیں
آندھیاں تیرے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

تیری پنہاں قوتوں سے آج بھی دنیا ہے دنگ
کس طرح تو نے مٹایا امتیازِ نسل و رنگ
ڈال دی تو نے بنائے ارتباطِ جام و سنگ
بن گیا دنیا میں تخئیلِ اخوت ذوقِ جنگ
تیرگی کو رونقِ مہرِ درخشاں کر دیا
تو نے جس کانٹے کو چمکایا گلستاں کر دیا

یہ مسرت کا محل ہے اے عزیزو کامگار!
تخلیٔ گفتار اس موقع پہ ہوگی ناگوار
قہر ہے بزمِ طرب میں نالۂ جانِ فگار
لیکن اس کو کیا کروں دل پر نہیں ہے اختیار
آگ سی روشن ہے اک قلب و جگر کے سامنے
لے کے دیتا ہوں جو کچھ ہے نظر کے سامنے

اس ترے انبوہ میں اے مسلمِ اندوہ گیں!
دیر سے موجود ہیں خود رحمۃ اللعالمیں
زیرِ لب فرما رہے ہیں وائے بر جانِ حزیں
کوئی بھی ان میں مرا چاہنے والا نہیں
ذکر دیں ہونٹوں پہ ہے دنیا کی گھاتیں دل میں ہیں
تمکنتیں چہروں پہ ہیں طامع اور راتیں دل میں ہیں

اے مرے محبوبو! انھیں محسوس ہو سکتا یہ کاش
شدتِ درماندگی سے کتنے دل ہیں پاش پاش
آہ کتنوں کو ہے اک روٹی کے ٹکڑے کی تلاش
کتنے معصوموں کے چہروں پر ہے اشکوں سے خراش
شمع کی حاجت نہیں ہے محفلوں کے واسطے
کچھ چراغوں کی ضرورت ہے دلوں کے واسطے

کاش میرے امتی قرآں کا ہنر دیکھتے
سیرتِ مقدادؓ و سلمانؓ و ابوذرؓ دیکھتے
قصۂ حسنینؓ سنتے، ضربِ حیدرؓ دیکھتے
کس طرح مرتے نہیں، یہ بات مر کر دیکھتے
کاش ان کی عقل میں آتا یہ آسانی کے ساتھ
نصبِ کونین کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ

علم سے نا آشنا محکوم، حاکم سرد و خام
روز و شب آویزشیں ہیں درمیانِ خاص و عام
ضابطہ جینے کا ہے ان میں نہ مرنے کا نظام
حیف تیرے چپقلش پہ اے گروہِ بے امام
جادہ ہے پُرپیچ منزل کا نشاں کوئی نہیں
کارواں ہے اور میرِ کارواں کوئی نہیں

☆☆

سلام

طبع میں کیا تیغِ بُرّاں میں روانی چاہیے
گل فشانی تا کجا اب خوں فشانی چاہیے

بستۂ زنجیر محکومی! خبر بھی ہے تجھے؟
مہر و مہ پر تجھکو عزمِ حکمرانی چاہیے

مرقدِ شہزادۂ اکبر سے آتی ہے صدا
حق پہ جو مٹ جائے ایسی تو جوانی چاہیے

شاہ فرماتے ہیں جا لے جا خدا کے نام پر
موت جب کہتی ہے اکبر کی جوانی چاہیے

سن کے جس کا نام نبضیں چھوٹ جائیں موت کی
دین کی سادت کو وہ زندگانی چاہیے

عمر فانی سے تو برگ کاہ تک ہے بہرہ مند
مرد کو ذوقِ حیاتِ جاودانی چاہیے

کون بڑھتا ہے لہو تھوڑا سا دینے کے لیے
اے عزیزو! دین کی کھیتی کو پانی چاہیے

جن کے سینوں میں ہو سوزِ تشنگانِ کربلا
اُن جواں مردوں کی تلواروں میں پانی چاہیے

جوش ذکرِ جرأتِ مولا پہ شیعون کے عوض
رُخ پہ شانِ فخر و نازِ کامرانی چاہیے

☆☆

آوازۂ حق

کیوں کر نہ کروں شکر خدائے دو جہاں کا
بخشا ہے مرے دل کو مزا سوز نہاں کا
یکساں ہے مسرت کا محل ہو کہ فغاں کا
ہو نار جہنم بھی تو لطف آئے جناں کا
ہوتی ہے خوشی صحت و آزار سے مجھ کو
خلعت یہ ملا ہے تری سرکار سے مجھ کو

سینے میں چھپائے ہوں جو انوار کسی کے
دل میں نہیں آتے ہیں خیالات دوئی کے
رونے کے ہوں اسباب کہ سامان ہنسی کے
جو چیز ہے ڈھل جاتی ہے سانچے میں خوشی کے
لیلائے شب تار ہے یا حور سحر ہے
جس حال میں ہوں حسن مرے پیش نظر ہے

اغیار کی فوجیں ہوں کہ احباب کی محفل
گرمی کے بگولے ہوں کہ لیلیٰ کی ہو محمل
راہوں کی صعوبت ہو کہ خوابِ سرِ منزل
ہوتا ہے ہر اک چیز سے بشاش مرا دل
صد شکر مرے دل پہ حقیقت یہ عیاں ہے
ہر آئینے میں دوست کی تصویر نہاں ہے

ہر بات میں اک حسن ہے ہر شے میں نفاست
بد شکل کوئی چیز نہیں ہو جو بصارت
رونا بھی ہے اک راگ جو کامل ہے سماعت
ہر اشک کے ساغر سے اُبلتی ہے بشاشت
آنکھیں ہوں اگر نار میں ہے نور کا جلوہ
ہر ذرۂ ناچیز میں ہے طور کا جلوہ

ہو ریگ کا انبار کہ برسات کا دریا
وہ جیٹھ کی ہو دھوپ کہ بادل کا ہو پردا
وہ لو کے تھپیڑے ہوں کہ ہو لوچ صبا کا
وہ خالِ سیہ ہو کہ چمکتا ہوا تارا
اے حسن کے صانع ترے اسرار نہاں ہیں
ہر شے میں کم و بیش کچھ انوار نہاں ہیں

شادی و الم رنج و خوشی مدح و مذمت
آشفتگی و عیش و طرب درد و مصیبت
آشوب جہاں، شام بلا صبح مسرت
سب ایک نظر آئیں جو ہو روح میں قوت
ہم دل کا اگر ساز ستاروں سے ملادیں
گو تار بہت سے ہیں مگر ایک صدا دیں

نالے میں ہے جو نغمۂ بلبل میں نہیں ہے
جو زلف پریشاں میں ہے سنبل میں نہیں ہے
اکثر جو ہے اجزا میں کشش کل میں نہیں ہے
کانٹے میں بھی اک شان ہے جو گل میں نہیں ہے
در پردہ یہ سب ایک ہیں ظاہر میں جدا ہیں
سب اپنے مقامات پہ تصویر خدا ہیں

پیشانیٔ تشویش میں ہے جلوۂ تمکیں
تلخی میں بھی پوشیدہ ہیں کچھ جوہر شیریں
ہر درد کی ایذا میں ہے اک پہلوئے تسکیں
جو داغ ہے وہ دل کے لیے تاج ہے زریں
یہ دل جو دھڑکتا ہے تو ایک قسم کی گت ہے
ہر زہر میں سنتے ہیں کہ تریاق کا ست ہے

جن کی یہ تمنا ہے کہ دائم رہیں مسرور
ہیں فلسفۂ طرزِ تمدن سے بہت دور
افراطِ خوشی غم ہے یہ فطرت کا ہے دستور
صدموں میں رُخِ راحت و آرام ہے مستور
ضو لطف کی ہے پردۂ آفات کے پیچھے
پنہاں ہے سپیدائے سحر رات کے پیچھے

دب جاتے ہیں غم سے جو خیالات ہیں اسفل
ہو جاتے ہیں انسان کے اخلاق مکمل
غم نفس کا قاتل ہے تو باطن کی ہے صیقل
مرجاتا ہے جب سانپ نکل جاتے ہیں سب بل
جی کھول کے رونا ہے علاج آنکھ کے حل کا
ہر آہ سے کچھ زہر نکل جاتا ہے دل کا

تکلیف کو تفریح بنا لینے کی صنعت
حاصل ہے انھیں جو ہیں پرستارِ حقیقت
آئینہ ہے اسرار کا ہر مظہرِ قدرت
وہ چاند کی خنکی ہو کہ سورج کی حرارت
مہمل ہیں یہ لفظیں "یہ برا ہے وہ بھلا ہے"
جو کچھ ہے وہ صرف ایک تغیر کی نیا ہے

ہو دوست کے پہلو میں نشیمن تو مسرّت
مل جائے اگر راہ میں دشمن تو مسرّت
ہو زیرِ قدم سبزۂ گلشن تو مسرّت
کانٹوں میں اُلجھ جائے جو دامن تو مسرّت
تدبیر اگر وصل کی ہو، رقص کی جا ہے
اور ہجر کی شب ہو تو تڑپنے کا مزا ہے

دنیا خس و خاشاک ہے دامن کو ہٹا لے
نازک ہے بہت دل غمِ ہستی سے بچا لے
اشکوں کے بخارات میں رہ دل کو سنبھالے
دانا ہے جو ہر غم میں خوشی ڈھونڈھ نکالے
کب شیشۂ دل گردِ تکدر کے لیے ہے
ہر رنج میں آرام بہادر کے لیے ہے

پردے کو تعیّن کے درِ دل سے اُٹھا دے
کثرت نہیں وحدت ہے یہ آنکھوں سے دکھا دے
ہاں بندہ کے حجابِ رُخِ جانانہ ہٹا دے
میداں کو حدیں توڑ کے ہموار بنا دے
چوٹی سے چلے کوہ کی خورشید کا جلوہ
ہستی کی رگ و پے میں ہو توحید کا جلوہ

جو سعی میں سرگرم ہے وہ اس کے ہیں انجام
سرسبز ہو یا شومیٔ قسمت سے ہو ناکام
سرسبز اگر ہو تو مسرّت کے چلیں جام
ناکام جو ہو تو بھی ہے بادۂ گل فام
یہ وہ دو دوائیں ہیں جو یکساں ہیں اثر میں
جو یاس میں لذت ہے وہی فتح و ظفر میں

اے دوست بتاتا ہوں تجھے روح کے اسرار
صدموں سے اگر چور ہے تیرا دل بیمار
آنکھیں تو اٹھا دیکھ ذرا حسن کے انوار
یہ چاند یہ سورج یہ نباتات یہ کہسار
کیوں تیرے خیالات پریشاں ہیں برادر
اک غم ہے، تو سو عیش کے ساماں ہیں برادر

غنچوں کی حیا گل کی ہنسی اوس کے گوہر
زرتار شفق، سرد ہوا، باغ معطر
رنگین گھٹا، قوسِ قزح، مہر منوّر
نغمے یہ پرندوں کے، پہاڑوں کے یہ منظر
ہے کون سی خوبی جو مہِ نو میں نہیں ہے
کیا باغِ ارم صبح کے پرتو میں نہیں ہے

یہ غم ہے وہ راحت ہے یہ عقبیٰ ہے یہ دنیا
ان تنگ خیالات کے سایے سے نکل آ
ہر فکر سے منھ پھیر لے ہر رنج کو ٹھکرا
اونچا ہو بلندی پہ جھلک روح کو چمکا
محفل میں تصوف کی تجھے بار ملے گا
ہر سانس میں اک مصر کا بازار ملے گا

اُترے گی ترے دل میں ضیائے رُخِ جاناں
کانٹوں میں بھی تجھ کو نظر آئیں گے گلستاں
آنکھیں ترے تلووں سے ملیں گے جن و انساں
جنت سے ہوا دے گا تجھے حور کا داماں
غل حشر میں ہوگا ہے یہ حیدر کا شرابی
آتا ہے وہ مے خانۂ کوثر کا شرابی

آزاد بھی ہو کشمکش سود و زیاں سے
ہاں دل کو بچا تیرگیِ آہ و فغاں سے
لمحے جو گزرتے ہیں پھر آئیں گے کہاں سے
باہر تو نکل وہم کے تاریک مکاں سے
پھیلی ہے جہاں میں رُخِ جاناں کی تجلی
وہ دیکھ بلندی پہ ہے عرفاں کی تجلی

اس راہِ مہمات میں آ، گر ہے جواں مرد
یہ راہ ہے جس میں نہیں اُڑتی ہے کبھی گرد
چہرے کبھی اس راہ میں ہوتے ہی نہیں زرد
پھولوں کی مہک آتی ہے چلتی ہے ہوا سرد
دنیا ہے یہ وہ جس میں فلک ہے نہ زمیں ہے
ذرّے میں یہاں وہ ہے جو سورج میں نہیں ہے

طے ہوتی ہے یاں دل کے دھڑکنے سے مسافت
سائے کی نہ حاجت ہے نہ ساماں کی ضرورت
اس راہ میں آنکھیں بھی اُٹھاؤ تو نحوست
اس بزم میں گر سانس بھی لیجے تو کثافت
نسبت کچھ اسے عالمِ ظاہر سے نہیں ہے
کچھ بحث یہاں مومن و کافر سے نہیں ہے

کیا خوب ہیں اس انجمنِ خاص کے دستور
بے قدر ہے جب تک کہ نہ ہو شیشۂ دل چور
آتا نہیں کچھ عقل میں ہوتے ہیں وہ مذکور
دوزخ میں وہی شے ہے جو چمکی تھی سرِ طور
ذرے میں جو ہے مہرِ درخشاں میں وہی ہے
جو کفر کے سینے میں ہے ایماں میں وہی ہے

اس بزم کے آداب میں سر چشمۂ حکمت
آرام سے وحشت ہے تو لذات سے نفرت
بکھر جائے جو ہستی سے نظر عین سعادت
دل پچھلے پہر رات سے دھڑکے تو عبادت
ہر دن جو گزرتا ہے یہاں ایک صدی ہے
اس دائرے میں "موت" حیاتِ ابدی ہے

صحت میں نہیں جس کی یہاں نقص وہ بیمار
کاموں میں جو دنیا کے ہے مشغول وہ بیکار
آنے نہیں پاتے کبھی اس بزم میں زردار
زردار کے معنی ہیں کہ محتاج ہے نادار
دولت کی حقیقت کوئی کبھی نہیں جاتی
منعم کی یہاں بات بھی پوچھی نہیں جاتی

اس راہ میں جو یاد کرے دوست کو ، غافل
اس سے یہ کھلا ہے ابھی دور ہے منزل
معشوق سے ہر وقت جنہیں قرب ہے حاصل
کس کو وہ کریں یاد؟ بتائے کوئی غافل
دل آہ کبھی وصل میں بھرتا ہو تو کہہ دو
اپنے کو کوئی یاد جو کرتا ہو تو کہہ دو

س بکا یہ عقیدہ ہے کہ میں ’’عبد‘‘، وہ ’’معبود‘‘
ل بزم کا قانون یہ کہتا ہے وہ ’’مردود‘‘
ب ایک حقیقت میں ہیں، ساجد ہو کہ مسجود
ہے کفر یہ کہنا یہ ’’ایاز‘‘ اور وہ ’’محمود‘‘
ہاں لفظ اناالحق میں اَنا باعثِ شر ہے
اس سے یہ ٹپکتا ہے خودی پیشِ نظر ہے

ہر دل کو یہاں کام ہے تسلیم و رضا سے
ہر لب کو یہاں عید ہے تسبیحِ خدا سے
کیا اس سے سروکار ہے بھوکے ہوں کہ پیاسے
پرہیز بڑا یہ ہے کہ نفرت ہو دوا سے
دعوت میں یہاں بھوک ہے خلعت میں کفن ہے
انعام یہاں سب سے بڑا، دار و رسن ہے

اک روز ہوا شوق مرے دل میں یہ پیدا
اس راہ سے گزرے ہیں جو نام آور و یکتا
حالات بھی کچھ ان کے میں دیکھوں کہ وہ تھے کیا
اس شوق میں تاریخ کے اوراق کو الٹا
فہرست میں اک نام تھا جو سب سے جلی تھا
مژدہ ہو کہ وہ نام حسینؑ ابنِ علی تھا

قربان ترے نام کے اے میرے بہادر
تو جانِ سیاست تھا تو ایمانِ تدبّر
معلوم تھا باطل کے مٹانے کا تجھے گر
کرتا ہے تری ذات پہ اسلام تفاخر
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ صداقت کا سبق تھا
تلوار کے نیچے بھی وہی نعرۂ حق تھا

شعلے کو سیاہی سے ملایا نہیں تو نے
سر کفر کی چوکھٹ پہ جھکایا نہیں تو نے
وہ کون سا غم تھا جو اُٹھایا نہیں تو نے
بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا نہیں تو نے
دامانِ وفا، گھر کے شریروں میں نہ چھوڑا
جو راستہ سیدھا تھا وہ تیروں میں نہ چھوڑا

ہر چند کہ ایوبؑ بھی اس فن میں تھے یکتا
یونسؑ نے بھی اک حد تک اسے خوب نبھایا
یعقوبؑ نے بھی زور تحمل کا دکھایا
پر سب سے رہا بڑھ کے محمدؐ کا نواسا
حیرت میں پیمبرؑ ہوئے وہ کر کے دکھایا
مرتے نہیں کس طرح اسے مر کے دکھایا

کرتا ہوں رقم معرکہ اب کرب و بلا کا
طوفان تھا، سیلاب تھا، ارباب جفا کا
سینوں میں تلاطم ہو وہ ساماں تھا دغا کا
بشاش مگر دل تھا امامِ دوسرا کا
ماتھے پہ شکن تھی نہ بدن غرق عرق تھا
رخ پر وہ صباحت تھی کہ سونے کا ورق تھا

فرماتے تھے سب قتل ہوئے صبر کے بانی
قاسم کہ تھا سَم خوردہ برادر کی نشانی
اور حسن میں اکبرؔ تھا مرا یوسفِ ثانی
عباس تھا اسلام کی بھر پور جوانی
سینے میں خلش لب پہ مرے آہ نہیں ہے
ہر چند اب ان میں کوئی ہمراہ نہیں ہے

لشکر کی طرف دیکھ کے کہتے تھے یہ ہر بار
یہ طبل و علم ہیچ یہ انبوہ ہے بے کار
انجام پہ کر غور ذرا شمرِ بد اطوار
کس شے نے کیا ہے تجھے اس جور پہ تیار
فاسق کے لیے جنگ امامِ دوسرا سے
بندہ کہیں منہ پھیر کے چلتا ہے خدا سے؟

اے شمر کوئی چیز ہے یہ فوج گنہگار
دنیا بھی اُمنڈ آئے تو پروا نہیں زنہار
مرعوب مجھے کر نہیں سکتے یہ سیہ کار
باطل سے بھی دبتے ہیں کہیں حق کے طرفدار
نازاں ہے کہ سردار ہوں میں فوج ستم کا
سر رشتہ مرے ہاتھ میں ہے لوح و قلم کا

اس باپ کا بیٹا ہوں جو تھا اشجع عالم
جس فرق پہ تھا سایہ فگن فتح کا پرچم
جس ذات سے اسلام کی بنیاد تھی محکم
تھا اصل میں جو قوت پیغمبر اکرم
طفلی میں بھی ساونت نے اژدر کو نہ چھوڑا
بے توڑے ہوئے قلعۂ خیبر کو نہ چھوڑا

جس روز مدینے کو سدھارے تھے پیمبرؐ
اس روز برادر کی جگہ پہ تھا برادر
ہرچند کہ تیغوں کی چمک تھی سر بستر
سوتا تھا بڑے لطف سے تانے ہوئے چادر
دنیا میں کوئی ایسا جری ہو نہیں سکتا
جس طرح وہ سوئے تھے کوئی سو نہیں سکتا

یوں سامنے آ آکے اکڑنا نہیں اچھا
ایمان سے اس طرح بگڑنا نہیں اچھا
نادان بُری بات پہ اَڑنا نہیں اچھا
دنیا کے لیے دین سے لڑنا نہیں اچھا
ناپاک نہ بن دولت ناپاک کے بدلے
اکسیر کو ٹھکراتا ہے کیوں خاک کے بدلے

ثروت جو زیادہ ہو تو ایماں نہیں رہتا
انسان یہ وہ شے ہے کہ انساں نہیں رہتا
آسودگیٔ روح کا ساماں نہیں رہتا
دل انجمنِ حسن کے شایاں نہیں رہتا
دولت کو بہت لوگ یہ کہتے ہیں خدا ہے
میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ زر ایک وبا ہے

ہوں خواہشیں محدود تو ایذا نہیں ہوتی
ارماں جو ہوں کم زر کی تمنا نہیں ہوتی
قانع کو کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی
مومن پہ مسلّط کبھی دنیا نہیں ہوتی
سلطاں بھی ہو جو صاحبِ حاجت تو گدا ہے
جس کو کوئی حاجت ہی نہیں ہے وہ خدا ہے

اے بندۂ زر چونک، مناسب نہیں غفلت
معلوم نہیں کیا تجھے دنیا کی حقیقت
کس نیند میں ہے؟ چھوڑ بھی باطل کی محبت
آ حق کی طرف، دیکھ یہ حوریں ہیں یہ جنت
حوریں ہوں کہ فردوس، یہ ادنیٰ سا صلا ہے
خود حق میں وہ لذت ہے جو ان سب سے سوا ہے

دنیا ہے دنی ہیچ ہے دنیا کا زر و مال
تذلیل کی بنیاد ہیں یہ حشمت و اجلال
ادبار کوئی کچھ ہے، دراصل نہ اقبال
وہ سر بھی کوئی سر ہے جو ہونے کو ہے پامال
بیدار ہیں دل جن کے وہ دنیا سے خفا ہیں
جو پھول کے طالب ہیں وہ کانٹوں سے جدا ہیں

تکلیف کے اسباب کو راحت نہیں کہتے
جو چند نفس ہو، اُسے لذت نہیں کہتے
طوفانِ مصائب کو مسرت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے
آرام کی خواہش نہ کرو موت ڈر سے
لبریز کرو روح کو اللہ کے بار سے

غدّار زمانے کی لگاوٹ سے خبردار
بیدار ہو، بیدار ہو، ہشیار ہو، ہشیار
جھوٹی یہ اُمیدیں ہیں پریشان ہیں افکار
کس نشے میں بدمست ہے دنیا کے طلبگار
یہ شاخ ہے وہ جو کبھی پھولی نہ پھلی ہے
دنیا تجھے نادان کدھر لے کے چلی ہے

کھینچے لیے جاتا ہے کہاں تجھ کو زمانہ
سننے کے سزاوار نہیں ہے یہ فسانہ
دولت ہی کوئی اصل میں شے ہے نہ خزانہ
دھوکا ہے یہ دھوکا ہے، بہانہ ہے بہانہ
واللہ کہ تو حرص کے سانچے میں ڈھلا ہے
حق چھوڑ کے باطل کی پرستش کو چلا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں کثافت کا ہے انبار
خنزیر کی ہڈی سے بھی کچھ بڑھ کے ہے مُردار
ناپاک ہے بد اصل ہے کم ظرف ہے بدکار
مردار شکم اس کا، تو پشت اس کی ہے بیمار
مبروص کے داغوں سے عفونت میں سوا ہے
ذلت کا یہ لقمہ ہے سگوں کی یہ غذا ہے۔

تو فخر سے کہتا ہے جسے عیش و تنعم
وہ خواب کی جنت ہے وہ فردوسِ توہم
نالے ہی کی روداد ہیں نغمہ کو ترنم
ہے بہرِ فغاں روشنئ ماہ و تبسم
تو جس کو سمجھتا ہے کہ فردوسِ بریں ہے
دھندلی سی مسرت کا وہ سایہ بھی نہیں ہے

جا، گورِ غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت
کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لیے ڈھونڈھ کسی شاہ کی تربت
اور پوچھ کدھر ہے وہ تری شانِ حکومت
کل تجھ میں بھرا تھا جو غرور آج کہاں ہے
اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے

یہ کہہ کے جو مولیٰ نے نظر کی سوئے کفار
تھا سر کو جھکائے ہوئے ہر ایک سیہ کار
ہر شخص کے چہرے پہ خجالت کے تھے آثار
یہ رنگ جو دیکھا تو کہا شمر نے بیدار
ہشیار! مراتب کے طلب گار جوانو!
ہو جاؤ بس اب جنگ پہ تیار جوانو!

تقریر میں کامل ہیں بہت حضرتِ شمرؔ
ہو جاؤ گے گمراہ اگر ہوگئی تاثیر
کیا دیر ہے؟ میداں میں بڑھو تول کے شمشیر
یہ زر ہے یہ دولت ہے یہ منصب ہے یہ جاگیر
ہو جاؤ گے بشاش وہ انعام ملے گا
کہتا ہوں کئی پشت تک آرام ملے گا

کفار کو یہ شمر نے لالچ جو دلائی
دنیا نے بصد ناز جھلک اپنی دکھائی
جھنکار میں تیغوں کی بڑے ناز سے آئی
سینوں میں در آئی تو کلیجوں میں سمائی
سب بھول کے دنیا کی طرف ہوگئے ظالم
کروٹ ابھی بدلی تھی کہ پھر سو گئے ظالم

دنیا کے تماشے سے ہوئے اہلِ جفا کور
تلواریں کھنچیں میان سے قرنا کا اُٹھا شور
گھوڑوں کو نچانے لگے میدان میں شہ زور
ڈھالیں جو اُٹھیں رن میں گھٹا چھا گئی گھنگھور
سایہ کیا پر کھول کے ہیبت نے فضا پر
چوٹیں وہ تواتر سے پڑیں طبلِ وغا پر

حضرت نے کہا شکر ہے کامل ہوئی حجت
ہو جائے گی اب امتِ بیمار کو صحت
اے خالقِ کونین یہ بندے پہ عنایت
بخشی ہے مجھے خدمتِ تکمیلِ نبوت
ڈرتا ہوں خوشی کی کہیں تکمیل نہ ہو جائے
اشکوں میں لہو جسم کا تبدیل نہ ہوجائے

ہر چند بظاہر یہ مصیبت کے ہیں ساماں
جب دیکھتا ہوں غور سے کچھ راز ہے پنہاں
ظاہر ہے جو کانٹے ہیں وہ در پردہ گلستاں
یہ گرد نہیں حضرت یوسف کا ہے داماں
ہاتھوں پہ لیے تاجِ صداقت نکل آئی
جب چاک ہوا جیش کی صورت نکل آئی

بس اتنے میں ناگاہ برسنے جو لگے تیر
خیمے کی طرف دیکھ کے چپ ہو گئے شبیرؑ
گھوڑے کو بڑھا کر یہ پکارے شہِ دلگیر
مجبور ہوں اب کھینچتا ہوں میاں سے شمشیر
ہنگام وغا برق ہوں طوفاں ہوں غضب ہوں
ہشیار کہ میں روحِ شجاعانِ عرب ہوں

وہ سامنے آئے جسے مرنا ہو گوارا
بہتا نظر آئے گا یہاں خون کا دھارا
گھٹ جائے گا دم بھر میں ابھی زور تمھارا
رہتا ہے سدا حق کا بلندی پہ ستارا
جنگاہ میں باطل کے قدم ٹک نہیں سکتے
دیکھو کہے دیتا ہوں کہ تم لڑ نہیں سکتے

جو سخت ہے جرأت کبھی اس دل میں نہیں ہے
حق، حق نہ رہے زور یہ باطل میں نہیں ہے
سطوت کی صفت فرقۂ غافل میں نہیں ہے
ہمت کا نشاں فطرتِ جاہل میں نہیں ہے
نامرد کبھی تابِ جفا لا نہیں سکتا
کافر کبھی مومن پہ ظفر پا نہیں سکتا

جس قلب میں ہے کفر وہ دوزخ کا دھواں ہے
جس دل میں معارف ہیں وہ اک برقِ تپاں ہے
باطل کا جو حامی ہے وہ بے نام و نشاں ہے
جو حق کا طرفدار ہے اک شیر ژیاں ہے
سچائی کے قدموں پہ سرِ فتح و ظفر ہے
جرأت بھی اسی سمت ہے ایمان جدھر ہے

جو لوگ کہ ڈر جاتے ہیں بادل کی صدا سے
کانپ اُٹھتے ہیں بچوں کی طرح ذکرِ وغا سے
جب ہوتی ہے مذہب کی کشش فضلِ خدا سے
لڑ جاتے ہیں دبتے نہیں اربابِ جفا سے
ہرگز نہ ڈرو کفر سے ایماں کا سبق ہے
ان کی یہ شجاعت نہیں یہ قوتِ حق ہے

بُزدل میں بھی جب قوتِ حق بھرتی ہے جرأت
اتنی بھی نہ حق کیا مجھے بخشے گا جلالت
دکھلادوں میں تم کو کہ یہ ہوتی ہے شجاعت
حاصل ہے مجھے قوتِ حق زورِ امامت
یہ جنگ کا طوفان ہے کچھ سیر نہیں ہے
میدان سے ہٹ جاؤ کہ اب خیر نہیں ہے

مولا کا مزاج اتنا جو برہم نظر آیا
لشکر پہ عجب خوف کا عالم نظر آیا
سامانِ جفا درہم و برہم نظر آیا
کہ جس سر خیرہ پہ نظر غم نظر آیا
خاموش صفیں یاس کے عالم میں کھڑی تھیں
مُردہ تھیں نگاہیں کہ زمینوں میں گڑی تھیں

لکھا ہے ادھر تھا بن قطبہ کوئی سردار
مرحب سے بھی کچھ بڑھ کے شجاعت میں نمودار
بدمست کئی من کا سجے جسم پہ ہتھیار
نعرہ تھا کہ خالی نہیں جاتا ہے مرا وار
دو سو تھے زرہ پوش ستم گار کے پیچھے
جس طرح کہ بل کھاتی ہے دُم مار کے پیچھے

آیا عجب انداز میں میداں میں ستم گر
ڈوبا ہوا فولاد کے ساماں میں سراسر
کف منھ میں لہو جوش میں غصے سے جبیں تر
ہتھیاروں کی آواز تو وہ زین کی چرمر
دل میں تھا غضب نشۂ پندار تھا سر میں
اک تیغ تو تھی ہاتھ میں اور ایک کمر میں

اس طرح جو آیا وہ قریب شہہ ابرار
مولا نے کہا نارِ جہنم کے طلب گار
اب دیر مناسب نہیں ہاں وار بس اب وار
جوہر جو دکھانا ہوں تو بڑھ تول کے تلوار
ہم وہ ہیں کہ دشمن پہ بھی شدت نہیں کرتے
جو حق کے پرستار ہیں سبقت نہیں کرتے

یہ سن کے بڑھا قول کے نیزہ جو وہ گمراہ
رستم کی صدا آئی کہ الحفیظ لِلّٰہ
نیزے کو ابھی اس نے گھمایا تھا کہ ناگاہ
ترچھی ہوئی اس شان سے شمشیر یداللہ
کم بخت کے نیزے کے لیے ضرب فنا تھی
اس حسن سے کاٹا تھا کہ ہر پور جدا تھی

غصے میں کماں لے کے بڑھا تب وہ ستم گار
بے رحم نے چلّے سے بڑھایا لب سوفار
شہزور نے یہ دیکھ کے چمکایا جو رہوار
نیزے پہ اڑا لائے کماں سرِ ابرار
ظالم نے کماں دیکھی جو نیزے کی انی پر
اک تیر سا گویا کہ لگا قلب شقی پر

شرمایا تو نامرد بڑھا تول کے تلوار
تا دیر شہ دیں پہ تواتر سے کیے وار
کتّے کی طرح ہانپ رہا تھا وہ بداطوار
حضرت نے کہا اب مری باری ہے خبردار
اتنی تو خبر تھی کہ چلی فرق لعیں پر
دیکھا تو اتر آئی تھی مرکب سے زمیں پر

خوں پونچھ کے حضرت نے کیا نعرۂ تکبیر
تلوار سے ہنس کر یہ کہا واہ ری شمشیر
چلتی ہے تو کرتی نہیں دم بھر کی بھی تاخیر
کس حسن سے تو کھینچتی ہے موت کی تصویر
تو موت کا سیلاب ہے تو برقِ فنا ہے
پیغام اجل کا ترے دامن کی ہوا ہے

مارا گیا اس طرح جو لشکر کا نمودار
چہروں سے اُڑے رنگ وہ گھبرا گئے کفار
حضرت نے ڈپٹ کر یہ کہا فوجِ بداطوار
بڑھتا نہیں تم میں سے کوئی کھینچ کے تلوار
سردار کے مرنے کا تمھیں درد نہیں ہے
کیا اتنے جوانوں میں کوئی مرد نہیں ہے

یہ فوج کا انبوہ یہ میں یکہ و تنہا
مارا ہوا صدموں کا کئی روز کا پیاسا
یہ کیا ہے کہ لاکھوں کو نہیں جنگ کا یارا
تف اے سپہِ شام شجاعت وہ ہوئی کیا
تم لرزہ براندام ہو عزت گئی سب کی
تکلیف میں روحیں ہیں شجاعانِ عرب کی

یہ سن کے بھی جب کوئی نہ میداں میں آیا
خود ان کی طرف آپ نے گھوڑے کو بڑھایا
تلوار چمکنے لگی گرنے لگے اعدا
دو ہو گیا کوئی کوئی تڑپا کوئی بھاگا
آنکھوں میں چکا چوند تھی حیراں تھے ستمگر
آپس میں مگر دست و گریباں تھے ستمگر

جس سمت جھپٹتا تھا وہ شیرِ صفِ جنگاہ
گر گر کے فنا ہوتے تھے وہ گھوڑوں سے بدخواہ
کفار میں تھا شور کہ الحفیظ للہ
آتے بھی ہیں شیروں کے مقابل کہیں روباہ
ترتیب صفوں میں تھی نہ وہ شان پروں کی
برسات کا طوفان تھا بارش تھی سروں کی

کیا جوہرِ شمشیر تھا کیا زورِ شجاعت
نزدیک کوئی آئے نہ پڑتی تھی یہ ہمت
تابندہ خط و خال میں تھی برقِ امامت
حیدرؓ کی جو سطوت تھی تو حمزہ کی جلالت
شمشیر نہ تھی فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابرِ سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی

ں سر پہ چلی پیکر بے جاں نظر آیا
ں سمت گئی خون کا طوفان نظر آیا
مچی جو ہوئی برق کا داماں نظر آیا
ئی جو ہوئی قہر کا ساماں نظر آیا
تلوار تھی یا ساز کہ نغمہ تھا سم اس کا
تھا مرکز آواز فنا زیر و بم اس کا

مروف ابھی جنگ میں تھے حضرتِ شبیرؑ
واز اک آئی کہ بس روک لے شمشیر
زم ہے کچھ اُمت کی شفاعت کی بھی تدبیر
ا جامِ شہادت کہ بڑھے عزت و توقیر
طوفاں سے بچا حق کو لہو اپنا بہا دے
اُمت کو بہادر ہے تو اب مر کے جلا دے

ھنکار سے میدانِ وغا گونج رہا تھا
گاہ پنچے صبر و رضا حکم جو پہنچا
بس میان میں چلتی ہوئی تلوار کو رکھا
ل جن و ملائک میں اُٹھا صل علیٰ کا
ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں
خدمت کے لیے چرخ سے حوریں اتر آئیں

یہ سن کے بھی جب کوئی نہ میدان میں آیا
خود ان کی طرف آپ نے گھوڑے کو بڑھایا
تلوار چمکنے لگی گرنے لگے اعدا
دو ہو گیا کوئی کوئی تڑپا کوئی بھاگا
آنکھوں میں چکا چوند تھی حیراں تھے ستمگر
آپس میں مگر دست و گریباں تھے ستمگر

جس سمت جھپٹتا تھا وہ شیر صف جنگاہ
گر گر کے فنا ہوتے تھے وہ گھوڑوں سے بدخواہ
کفار میں تھا شور کہ الحذر للہ
آتے بھی ہیں شیروں کے مقابل کہیں روباہ
ترتیب صفوں میں تھی نہ وہ شان پروں کی
برسات کا طوفان تھا بارش تھی سروں کی

لیا جوہر شمشیر تھا کیا زور شجاعت
نزدیک کوئی آئے نہ پڑتی تھی یہ ہمت
تابندہ خط و خال میں تھی برق امامت
حیدرؑ کی جو سطوت تھی تو حمزہ کی جلالت
شمشیر نہ تھی فوج پہ بجلی کی چمک تھی
یا ابر سیہ تاب میں کوندے کی لپک تھی

جس سر پہ چلی پیکر بے جاں نظر آیا
جس سمت گئی خون کا طوفاں نظر آیا
اونچی جو ہوئی برق کا داماں نظر آیا
نیچی جو ہوئی قہر کا ساماں نظر آیا
تلوار تھی یا ساز کہ نغمہ تھا سم اس کا
تھا مرکز آواز فنا زیر و بم اس کا

مصروف ابھی جنگ میں تھے حضرت شبیرؑ
آواز اک آئی کہ بس روک لے شمشیر
لازم، ہے کچھ امت کی شفاعت کی بھی تدبیر
پی جام شہادت کہ بڑھے عزت و توقیر
طوفاں سے بچا حق کو لہو اپنا بہا دے
امت کو بہادر ہے تو اب مر کے جلا دے

جھنکار سے میدان وغا گونج رہا تھا
ناگاہ پئے صبر و رضا حکم جو پہنچا
یوں میان میں چلتی ہوئی تلوار کو رکھا
غل جن و ملائک میں اٹھا صل علی کا
ایمان کی ڈوبی ہوئی نبضیں ابھر آئیں
خدمت کے لیے چرخ سے حوریں اتر آئیں

ذرّوں پہ جو سجدے میں جھکے حضرتِ شبیرؑ
چلنے لگے ہر سمت سے تیغ و تبر و تیر
بے کس پہ چمکنے لگی شمشیر پہ شمشیر
سر پیٹ کے کہنے لگی یہ زینبِ دلگیر
چھوڑوں گی نہ اس غم میں کبھی نوحہ گری سے
آندھی کا تصادم ہے چراغِ سحری سے

ہے ہے کوئی عباس دلاور کو پکارو
بابا یہ برا وقت ہے اکبر کو پکارو
اکبر نہیں ملتے ہیں تو اصغر کو پکارو
بیٹے پہ چھری چلتی ہے حیدر کو پکارو
زہرا کی دہائی ہے پیمبرؐ کی دہائی
پھٹتا ہے جگر خالقِ اکبر کی دہائی

حضرت نے جو زینب کی سنی گریہ و زاری
چپ ہو گئے وہ قلب پہ حالت ہوئی طاری
تلواریں لگانے لگے بڑھ بڑھ کے جو ناری
مولا نے کہا شکر ہے اے ایزدِ باری
کٹتا ہے گلا بھائی کا ہمشیر کے آگے
تدبیر سرِ خاک ہے تقدیر کے آگے

تڑپے جو کئی بار زمیں پر شہہ والا
سمجھے یہ ملائک کہ قیامت ہوئی برپا
خیمے کو بڑی یاس سے مظلوم نے دیکھا
اتنے میں کسی سمت سے ایک تیر جو آیا
پامال صفِ لشکرِ غم ہوگئے مولا
دل میں وہ اُٹھا درد کہ گُم ہوگئے مولا

رک رک کے جو تلوار چلی خشک گلے پر
زہرا کی صدا آئی کہ آہستہ ستم گر
حیدر نے بڑے پیار سے زانوں پہ لیا سر
گردوں کی طرف دیکھ کے بولے یہ پیمبرؐ
شکوہ نہیں نکلا مرے پیاسے کے لبوں سے
نکلی ہے مری روح نواسے کے لبوں سے

ناشاد تری بیکسی و یاس کے قرباں
نازک یہ ترا جسم یہ تپتا ہوا میداں
ٹکڑے یہ بدن کے یہ ردا خون میں غلطاں
ذرّوں پہ ہیں قرآن کے اوراق پریشاں
بے کس ترے اکبر کی جوانی کے تصدق
مظلوم تری تشنہ دہانی کے تصدق

تو اور سر خاک مرے گیسوؤں والے
یہ دل یہ بلائیں یہ زباں اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے
افسوس ہے اے فاطمہ کے ناز کے پالے
عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دل ہے

یہ شام کا ہنگام یہ اندوہ یہ میداں
یہ ہُو کا سماں اور یہ سنسان بیاباں
رانڈوں میں تلاطم ہے اُداسی کے ہیں ساماں
سوتے ہیں پڑے شام سے خیمے کے نگہباں
غم اتنے ہیں اور ایک بھی غم خوار نہیں ہے
جز ذاتِ خدا کوئی مددگار نہیں ہے

سیدانیوں کے بیچ میں ہیں عابد مضطر
منہ دیکھتی ہے سب کا، سکینہ ہے وہ ششدر
ہاتھوں سے جگر تھام کے کہتے ہیں پیمبرؐ
بیٹا یہ ستمگر کی انی اور ترا سر
آثار ابھی تک مری اُلفت کے عیاں ہیں
اس حلق پہ اب تک مرے بوسوں کے نشاں ہیں

مصروف پیمبر تھے ابھی آہ و بکا میں
آہستہ سے جنبش سی ہوئی موجِ ہوا میں
آواز اک آئی نہ تڑپ دشتِ بلا میں
سر رکھا ہے شبیرؑ کا حوروں کی ردا میں
اس خون کو ہر خون سے ممتاز کیا ہے
ہم نے ترے بچے کو سرافراز کیا ہے

اے جوشؔ یہ اب تک ہے اسی خون کی تاثیر
ہوتی ہے بالاعلان بڑی شان سے تکبیر
اب بھی جنھیں ملتی ہے رہِ عشق میں تعزیر
صد شکر کہ خوش ہو کے پہن لیتے ہیں زنجیر
ڈرتے ہی نہیں دیکھ کے جلاد کی صورت
زنداں میں چلے جاتے ہیں سجاد کی صورت

اک کھیل ہے ان کے لیے شاہوں کی جلالت
سینوں میں ہے ایمان زبانوں پہ صداقت
کوشش ہے کہ آزاد ہوں پابندِ مصیبت
سر جائے تو جائے نہ گرے تاجِ خلافت
تقدیر سے جس قلب میں ایمان کی بو ہے
بابت کے ناکردہ گناہوں کا لہو ہے

بے درد کی حسرت کو نکلتے نہیں دیکھا
کاغذ کی کبھی ناؤ کو چلتے نہیں دیکھا
ظالم کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
ٹھوکر ہے یہ وہ جس سے سنبھلتے نہیں دیکھا
وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے
اے خاک بتا زور یزید آج کہاں ہے

احساس نہیں جس میں وہ تاریک ہے سینہ
دوزخ میں اترتا ہے سدا ظلم کا زینہ
پستی کی علامات ہیں انصاف سے کینہ
جو حق سے لڑا ڈوب گیا اس کا سفینہ
ہاں بیڑہ باطل کو ابھرتے نہیں دیکھا
جب زلف یہ بگڑی تو سنورتے نہیں دیکھا

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابن علی ہو

☆☆

اے مومنانِ لکھنؤ

آج پھر شاعر کی آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو
اے محبانِ علی، اے مومنانِ لکھنؤ

یہ نہیں کہتا کہ شاہنشاہ پر تم روئے کیوں
آنسوؤں سے نامۂ اعمال تم نے دھوئے کیوں

دل پہ حالت کیوں ہوئی طاری غم آلِ رسول کی
چوڑیاں کیوں کی گئیں ٹھنڈی عروسِ قوم کی

سخت حیراں ہوں مگر اے اُمتِ جدِ حسین
دعوئ تصویرِ غم کا شیشہ ہو خونِ حسین

پختگی ایماں کی ہو مجروح وہم خام سے
خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں دلِ اسلام سے

رفعتیں ختم ہیں جس کی گنبدِ افلاک پر
تاج کا سایہ پڑے اس کربلا کی خاک پر

حق پرستوں کی طرف سے اور یہ توہینِ حق
غیرتِ ملت کے ماتھے سے ٹپکتا ہے عرق

مقبرہ سبطِ نبی پر اور سیاسی شور و شین
مجھ سے آنکھیں تو ملاؤ سوگوارانِ حسین

دین بھی اب کانپتا ہے عسکری قانون سے
تیغ کا پانی ہے بھاری کربلا کے خون سے

☆☆

پیغمبر اسلام

نگاہ فطرت کی ضو سے یوں تو ہر ایک ذرہ جھلک رہا ہے
ہر ایک قوت ابھر رہی ہے، ہر ایک پودا پھبک رہا ہے

دبے ہیں ذرات کی تہوں میں ہزار اسرار کے خزانے
ازل سے آغوشِ خار و خس میں کھلے ہیں پھولوں کے کارخانے

ہوائے نشو و نما کا جھونکا ہر اک چمن سے گزر رہا ہے
ہر ایک خوشہ ہے محوِ زینت۔ ہر اک شگوفہ سنور رہا ہے

ازل کے دن جس طرح ملی تھی جمود کی رخصتِ روانی
ابل رہا ہے رگِ جہاں میں اسی طرح خونِ زندگانی

اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں پڑے ہیں کیا کیا حجاب اب تک
مگر زمانے کے خال و خط سے ٹپک رہا ہے شباب اب تک

ادا سے چلتی ہے گلستانِ جہاں میں بادِ بہار اب بھی
زمانہ ہے رحمتوں کی تازہ نوازشوں سے دوچار اب بھی

جبینِ لیلائے شب ہے روشن روپہلی قندیل سے قمر کی
سنہری کنگن میں ہنس رہی ہے کلائی دوشیزۂ سحر کی

عطا و انعام کے فرشتے یہاں سدا پیش و پس رہے ہیں
زمیں پہ صبحِ ازل سے اب تک کرم کے بادل برس رہے ہیں

مگر یہ سب بے شمار تحفے زمیں کو فطرت جو بخشتی ہے
کوئی حقیقی ہے ان میں نعمت تو وہ اک آزاد آدمی ہے

وہ آدمی موجِ زندگی سے نگاہ جس کی دھلی ہوئی ہے
وہ آدمی جس کے ہر نفس میں کتابِ حکمت کھلی ہوئی ہے

وہ آدمی جس کی تیز نظریں مزاجِ عالم کی رازداں ہیں
وہ آدمی نبضِ پیچ و تابِ حیات پر جس کی انگلیاں ہیں

وہ آدمی جس کا جامِ اُلفت تنک ستارے پیے ہوئے ہیں
وہ آدمی گرد و پیش جس کے فرشتے حلقہ کیے ہوئے ہیں

وہ آدمی جس کے پاک دل میں پیامِ فطرت چھپا ہوا ہے
وہ آدمی جس کا گرم ناخن ربابِ ہستی کو چھو رہا ہے

وہ آدمی جو شمیمِ گل سے علوم کے پھول چن رہا ہے
وہ آدمی جو ہوا کی رو میں خدا کا پیغام سن رہا ہے

اگرچہ نقشِ قدم پہ اُس کے ازل سے سجدے میں آسماں ہیں
مگر غضب تو یہ ہے جہاں میں اُسی سے بے اعتنائیاں ہیں

بہت سے گزرے ہیں یوں تو انساں خرد کی شمعیں جلانے والے
بتوں کی ہیبت اُٹھانے والے خدا کا سکہ بٹھانے والے

مگر عرب کے غروشِ اُفق سے کرن وہ پھوٹی رسول بن کر
کہ جتنے ظلمت کے خار و خس تھے دہک اُٹھے سرخ پھول بن کر

ابھی تک انکار پہ مصر ہے دماغ قائل ہے کافری کا
نظامِ قدرت سے ہے نمایاں ثبوت اس کی پیمبری کا

کوئی فلاحت کا ہے وہ ماہر کہ یہ حقیقت کرے ہویدا
کہ خار کے تخم نے کیا ہے کئی صدی میں گلاب پیدا

کوئی نظیر اس کی مل سکے گی کہ آگ پانی سے جل سکی ہے
زمین چھلکا سکی ہے تارے چٹان موتی اُگل سکی ہے

کبھی کوئی جنس اپنی ضد کی طرف ہٹا دو اگر بھری ہے
گل سے شعلے کبھی اُٹھے ہیں، شرر سے شبنم کبھی گری ہے

دیار باطل کے کارواں کو سراغ دین و ملل ملا ہے
کسی کو خشکی کا بیج ہو کر کبھی سمندر کا پھل ملا ہے

سرشت جو خشت کی نہ سمجھے مزاج جو سنگ کا نہ جانے
زبان اس کی سنا سکے گی ستون و محراب کے فسانے

وہ خستہ معمار جو نہ جانے کہ فن تعمیر کیا بلا ہے
محل کا کیا ذکر اک گھروندا بھی زندگی میں بنا سکا ہے

بنا سکے گا بھی وہ اگر کچھ نہ رہ سکے گا نشان اس کا
رہے گا مٹی کا ڈھیر ہو کر ضرور اک دن مکان اس کا

اسی طرح وہ جو دوسروں کی بہارِ حکمت کا خوشہ چیں ہے
اسی طرح وہ جو کہہ رہا ہے نبی ہوں لیکن نبی نہیں ہے

وہ ایک پودا ہے باغِ عالم میں جو مسلسل نہ پھل سکے گا
کبھی اس آشفتہ سر کا مذہب جہاں میں صدیوں نہ چل سکے گا

بھلا یہ ممکن ہے کذب پر ہو مدار اک دینِ مستقل کا؟
گراں بہا وقت کی جبیں پر نشاں ہو اک پائے مضمحل کا

دروغ اور یہ فروغ پائے دلوں پہ حاصل ہو بادشاہی!
اور اس کی حقانیت پہ صدیوں کروڑوں انسان دیں گواہی

یہ ہم نے مانا کہ جھوٹ کو بھی فروغ ہوتا ہے لیکن اتنا
کہ جیسے شگوفوں سے چھیڑ کرتا گزر گیا اک ہوا کا جھونکا

مگر وہ ہستی جو آج لاکھوں خدا کے بندوں کی حرزِ جاں ہے
وہ محض اک شعبدہ ہو ناداں! بتا فراست تری کہاں ہے

سراب کو لاکھ کوئی پوجے پر ایک قطرہ نہ پی سکے گا
یہ یاد رکھو دروغ صدیوں نہ جی سکا ہے نہ جی سکے گا

خدا کے وہ بے شمار بندے کہ مستحق ہیں نوازشوں کے
رہیں وہ صیدِ زبوں مسلسل ذلیل و ناپاک سازشوں کے!

اگر یہ ہم مان لیں کہ دنیا طلسم خانہ ہے شیطنت کا
مذاق اُڑانا پڑے گا ہم کو خدا کے ذوقِ ربوبیت کا

دروغ میں سب سے ہو جو بڑھ کر وہی خدائی کا رہنما ہے
اگر یہ سچ ہے تو پھر خدا کا جلال محض اک ڈھکوسلا ہے

سنو کہ جھوٹا کبھی نہ ہوگا جو دل میں رکھتا ہے کوئی جوہر
اگر ہے شک تو نگاہ ڈالو خصوصیاتِ پیمبری پر

وہ رُوح بنیاد کہہ سکیں ہم جسے اک آئینِ مستقل کی
ہمیشہ اُوبی ہوئی ملے گی غروش گہرائیوں میں دل کی

بنائے انسانیت کی خاطر جو قلب جو پائے راز ہوگا
نظامِ تخلیق و روحِ عالم سے محو راز و نیاز ہوگا

وہ پاک ہستی جو نوعِ انساں کی فکر میں بے قرار ہوگی
بشر کی پنہاں ترین حس سے نگاہ اُس کی دوچار ہوگی

سدا منقش ہیں اُس کے دل پر عظیم اشکال آسمانی
ہمیشہ پیش نظر ہے اُس کے کشاکشِ مرگ و زندگانی

جوان حقائق میں غرق ہوگا بھلا وہ حد سے گزر سکے گا؟
جو رازِ فطرت سے آشنا ہو وہ جھوٹ برداشت کر سکے گا

پس ان دلائل کی روشنی میں ضرور یہ ماننا پڑے گا
کہ ہے پیامِ خدائے برتر، پیام پیغمبر عرب کا

سنے ہوئے اس پیامِ حق کو اگرچہ صدیاں گزر چکی ہیں
بہت سی قومیں ابھر کے ڈوبیں ہزاروں جی جی کے مر چکی ہیں

مگر حروف اس کے ہیں کہ اب تک اُسی طرح سے جھلک رہے ہیں
ہر ایک نقطے میں زندگی کے ہزاروں شعلے بھڑک رہے ہیں

کبھی تو کر غور اپنے جی میں کہ اس روش میں یہ بات کیوں ہے
اگر یہ شے عین حق نہیں ہے تو پھر یہ رنگِ ثبات کیوں ہے

اگر یہ مصحف نہیں تو ہاتھوں پہ کیوں مشیت لیے ہوئے ہے
اگر غلط ہے تو کیا خدا کا جلال سازش کیے ہوئے ہے

اگر یہ ہے جہان مسئلہ ہے تو زندگی کا یہ جوش کیوں ہے
اگر یہ تکذیب کا ہے شایاں، زبانِ فطرت خموش کیوں ہے

جو جانچنا ہے تو کیوں نہ پھر ہم ہر ایک پہلو کو دیکھیں بھالیں
نبوتِ بشری کی خاطر عرب پہ آؤ نگاہ ڈالیں!

عرب وہ ریگِ رواں کا عالم سراب کی ہولناک دنیا!
وہ سرخ ذرّات کا سمندر تپش کا وہ خوفناک صحرا!

وہ مسندِ بوقبیس و فاراں، وہ مسند و تختِ شاہِ خاور
جہانِ جنگ و جدال و غارت مقامِ تیغ و سنان و خنجر

حدودِ امن و اماں سے باہر لباسِ شائستگی سے عاری
گرج سے افلاک زلزلے میں کڑک سے لرزاں زمین ساری

سفید اندیشۂ وفا سے سیاہ گردِ مبارزت سے
برادری سے جہاں کی خارج الگ شعارِ معاشرت سے

زمینِ فتنہ دیارِ شورش مقامِ گریہ محلِ زاری
نہ علمِ ظاہر نہ نورِ باطن نہ حُبِّ انساں نہ خوفِ باری

وہ گرم پست و بلند ٹیلے وہ ہولِ بادِ سموم و طوفاں
وہ رعب و جبروتِ شاہِ خاور و بخل و امساکِ ابر و باراں

یہ ملک اور اک یتیم بچہ نہ کوئی وارث نہ کوئی والی
سرہانے اک پیر سال خوردہ، اسیرِ صد ضعف و خستہ حالی

نہ باپ سر پر نہ ماں کا سایہ بلا نصیب و ستم رسیدہ
مقامِ حیرت کا رہنے والا نہ شاد و فرحاں نہ آبدیدہ

کتاب سے نابلد مبّرا فیوضِ تعلیم و تربیت سے
کھلیں جو آنکھیں تو بند پائی مدد کی ہر راہ شش جہت سے

پلا ہو بے باپ کا جو بچہ عرب میں اور پھر اس اَبتری سے
اگر پیمبر نہیں تو واقف ہوا وہ کیوں کر پیمبری سے

پیامِ بیگانۂ تمدن بنائے تہذیب ڈالتا ہے؟
دماغِ پروردۂ بیاباں جہاں کو سانچے میں ڈھالتا ہے

وہ طفل پروان جو چڑھا ہو دیارِ اصنام آزری میں
صدائے توحید سے وہ ڈالے شگاف محرابِ کافری میں

اگر صدا اس میں آئی کی آسمانی صدا نہیں ہے
تو پھر کہاں سے یہ فیض پہنچا جواب اس بات کا نہیں ہے

عرب کے ہیرو، عجم کے سلطاں نظامِ ارض و سما کے والی
زمیں پہ لطف و کرم کی تو نے عجب بنائے لطیف ڈالی

چلا جو دوشِ صبا پہ تیرا پیام ابرِ بہار بن کر
تمام باطل کے سنگریزے مہک اُٹھے برگ و بار بن کر

مشیتِ ایزدی کے دل سے بنا ہے شاید دماغ تیرا
وگرنہ کیوں طاقِ بادِ صرصر میں جل رہا ہے چراغ تیرا

دبے ہیں سینے میں زندگی کے بہت سے جوہر ابھرنے والے
ادھر بھی ہاں اک نظر خدا را، دلوں کے بیدار کرنے والے!

☆☆

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است
صراحیٔ ے ناب و سفینۂ غزل است

(حافظ)

بادۂ سرجوش

ابواب

(1)

جدید رنگِ تغزل

(2)

قدیم رنگِ تغزل

جدید رنگِ تغزل

دل رسم کے سانچے میں نہ ڈھالا ہم نے
اسلوب سخن نیا نکالا ہم نے
ذرّات کو چھوڑ کر حریفوں کے لیے
خورشید پہ بڑھ کے ہاتھ ڈالا ہم نے

☆☆

(مسلسل غزلیں)

صبح بالیں پہ یہ کہتا ہوا غم خوار آیا
اُٹھ کہ فریاد رسِ عاشقِ بیمار آیا

بختِ خوابیدہ گیا ظلمتِ شب کے ہمراہ
صبح کا نور لیے دولتِ بیدار آیا

خیر سے باغ میں پھر غنچۂ گلرنگ کھلا
شکر ہے دور میں پھر ساغرِ سرشار آیا

جھوم اے تختۂ گلبانگِ نثارِ عشرت
کہ لبِ یار لیے چشمۂ گفتار آیا

شکرِ ایزد کہ وہ سرخیلِ مسیحا نفساں
زلف بردوش پئے پرسشِ بیمار آیا

رخصت اے شکوۂ قسمت! کہ سرِ بزمِ نشاط
تاجِ مسئلۂ اندک و بسیار آیا

للہ الحمد کہ گلزار میں ہنگامِ صبوح
حکمِ آزادیٔ مرغانِ گرفتار آیا

غنچۂ بستہ چٹک، جاگ اُٹھی موجِ صبا
شعلۂ حسن بھڑک مصر کا بازار آیا

خوش ہو اے عشق کہ پھر حسن ہوا مائلِ ناز
مژدہ اے جنسِ محبت! کہ خریدار آیا

اے نظر! شکر بجا لا کہ کھلی زلفِ دراز
اے صدف! آنکھ اُٹھا، ابرِ گہربار آیا

بادباں! ناز سے لہرا کہ چلی بادِ مراد
کارواں! عید منا، قافلہ سالار آیا

خوش ہو اے گوش! کہ جبریلِ ترنم چہکا
مژدہ اے چشم! کہ پیغمبرِ انوار آیا

خوش ہو اے پیرِ مغاں! جوش ہوا نغمہ فروش
مژدہ اے دخترِ رز! رندِ قدح خوار آیا

☆☆

اے حُسن! اگر عشق خریدار نہ ہوتا
یہ غلغلۂ گرمیِ بازار نہ ہوتا

نالوں سے مرے چرخ اگر گونج نہ اٹھتا
یہ زمزمۂ نطقِ گہر بار نہ ہوتا

غم سے مرے چہرے پر اگر خاک نہ اڑتی
یہ فتنۂ رنگِ لب و رخسار نہ ہوتا

انکار کو شاعر نہ سمجھتا اگر اقرار
اقرار میں یوں پہلوئے انکار نہ ہوتا

آتی نہ اگر مجھ کو جمائی پہ جمائی
یہ میکدۂ نرگسِ بیمار نہ ہوتا

میں آہ نہ بھرتا تو ترا لعلِ نگاریں
گل بیز، گل افشاں و گہر بار نہ ہوتا

میں شوقِ شہادت میں اگر سر نہ جھکاتا
یہ عربدہ چلتی ہوئی تلوار نہ ہوتا

یہ تاب و تبِ مشعلِ انداز نہ ہوتی
یہ طنطنۂ طرۂ طرار نہ ہوتا

یہ برہمیِ گیسوئے شب رنگ نہ ہوتی
یہ پیچ و خم کاکلِ خم دار نہ ہوتا

عشووں کو نہ ملتا کبھی یہ منصبِ عالی
انداز بایں قیمت و مقدار نہ ہوتا

اس مستیِ رفتار سے اس لغزشِ پا سے
سویا ہوا فتنہ کوئی بیدار نہ ہوتا

دیتا نہ اگر تاج و کمر تجھ کو دلِ جوش
کونین کا تو مالک و مختار نہ ہوتا

☆☆

صبر کر اے دل کہ پھر وہ شاہِ خوباں آئے گا
پھر ترے پہلو میں یارِ فتنہ ساماں آئے گا

یوں نہ آہیں بھر کہ پھر اس خلوتِ خاموش میں
اک نہ اک دن یارِ رقصاں و غزل خواں آئے گا

جان اے ناعاقبت اندیش رو رو کر نہ دے
کیا کرے گا پیش جب وہ مالکِ جاں آئے گا

دھو نہ بام و در کی نقاشی کہ پھر اس قصر میں
گنگناتا قاصدِ شمعِ شبستاں آئے گا

شل نہ کر شانوں کو ماتم سے کہ کل اس راہ میں
لہر کھاتا کاروانِ زلفِ پیچاں آئے گا

سرو و سنبل کی نگہداری سے غافل ہوشیار
اس چمن میں پھر پیامِ ابر و باراں آئے گا

سبزۂ خوابیدہ کو سرسبز رکھ ، اے باغباں
پھر پئے گل گشت وہ سرو خراماں آئے گا

سرنگوں ہیں گل تو کیا پروا کہ پھر وہ لالہ رُخ
صد گلستاں برکف و صد گل بداماں آئے گا

تہہ نہ کر اے جوش، فرشِ بادہ خواری تہہ نہ کر
کل یہیں گردش میں پھر جامِ زر افشاں آئے گا

☆☆

صد شکر کہ پھر زیست کا ساماں نظر آیا
پھر در پہ کوئی فتنۂ دوراں نظر آیا

پھر رطلِ گراں مست ہوا نکہت مے سے
پھر ذوقِ طرب سلسلہ جنباں نظر آیا

پھر کاکلِ ژولیدہ سے جھلکا رُخِ رنگیں
پھر ابر کے سائے میں گلستاں نظر آیا

اشکوں کی جھڑی بند نہ ہوتی تھی کسی طرح
صد شکر ترا گوشۂ داماں نظر آیا

لو کاکلِ شب رنگ کھلی، کھل گئیں آنکھیں
اُڑتا ہوا رنگِ شبِ ہجراں نظر آیا

بحاش ہو جمعیتِ خاطر کی تمنا
لے سلسلۂ زلفِ پریشاں نظر آیا

اب تک نہ خبر تھی مجھے اجڑے ہوئے گھر کی
تم آئے تو گھر بے سر و ساماں نظر آیا

انگڑائیاں لیتا کوئی اے جوشِ دمِ صبح
خورشید سے پھر دست و گریباں نظر آیا

☆☆

گرم پھر شکر ہے اخلاص کا بازار ہوا
پھر نیا عہد میانِ دل و دلدار ہوا

للہ الحمد کہ گلشن میں پھر اک عمر کے بعد
جشنِ گل پوشیِ رندانِ قدح خوار ہوا

طے ہوئی پھر خلشِ شام و سحر کی منزل
عام پھر قلقلۂ کاکل و رخسار ہوا

منصبِ ناز پہ فائز نہ ہوں کیوں زوجِ نیاز
صید کے دام میں صیاد گرفتار ہوا

کاروانِ دلِ برباد کا صد شکر کہ پھر
غمزدۂ ہوش رُبا قافلہ سالار ہوا

افقِ ذوقِ سماعت پہ ہیں آثارِ طلوع
کہ لبِ لعل پھر آمادۂ گفتار ہوا

نرخ دو چند کہ اے حسرتِ شرحِ آلام!
کہ وہ پھر حرف و حکایت کا خریدار ہوا

کل تھے اقرار کے پردے میں ہزاروں انکار
آج انکار کے انداز میں اقرار ہوا

آرزو وجد میں ہے، دھوم ہے ارمانوں میں
کہ وہ پھر جوش کی تائید پہ تیار ہوا

☆☆

محفلِ عشق میں وہ نازشِ دوراں آیا
اے گدا خواب سے بیدار کہ سلطاں آیا

اے گل! ناز سے کھِل بادۂ سرجوش اُبل
کہ نگارِ چمن و شاہدِ مستاں آیا

دُور اے زہد! کہ وہ زہد شکن آپہنچا
رخصت، ایماں! کہ وہ غارت گرِ ایماں آیا

خاطرِ جمع سے ہشیار کہ برہم ہوئی زلف
کشتیِ دل سے خبردار کہ طوفاں آیا

بوستاں وجد میں آ، عشق! غزل خواں ہو جا
کہ گلِ سر سبد و سروِ خراماں آیا

اے چمن عید منا، ابر ہوا گرمِ خراج
اے صبا! ناز سے چل، موسمِ باراں آیا

مژدہ اے کارگرہ بستہ، کہ ہمراہِ نسیم
پیکِ مشکیں نفس کاکلِ پیچاں آیا

شاد باش اے سحرِ عید! کہ بالیں پہ مری
یار با سلسلۂ زلفِ پریشاں آیا

کج کلاہی کا سر و برگ مبارک اے جوش
لے، پیامِ شکنِ طرۂ جاناں آیا

☆☆

برہم اے سلسلۂ زلفِ پریشاں ہو جا
رنگِ طرفِ چمن و ابر بیاباں ہو جا

کارواں سست قدم، اور بیاباں در پیش
جرسِ قافلۂ بے سروساماں ہو جا

تجھ کو لبِ تشنگیٔ اہلِ وفا کی سوگند
اے لبِ عطر فشاں! چشمۂ حیواں ہو جا

اے مرے سروِ سہی! موجِ نسیمِ سحری!
فتنۂ گلشن و آشوبِ نیستاں ہو جا

کثرتِ زخم سے اک باغ ہے قلبِ انساں
تجھ کو اس باغ کی سوگند گلستاں ہو جا

وقت ہے وقت گل افشانی و گل بیزی کا
آج گلشن بکف و خلد بداماں ہو جا

اپنی رفتار پہ ہے کوثر و تسنیم کو ناز
کاکلیں چھوڑ کے شانوں پہ خراماں ہو جا

جوش آیا ہے گلستاں میں پئے رامش و رنگ
اے کلی! پھول بن، اے پھول! گلستاں ہو جا

☆☆

اُٹھا کے عارضِ گلگوں سے دو گھڑی کو نقاب
نظر سے ارض و سما کا حجاب اُٹھاتا جا

مزاج پوچھ کے اے شاہِ عارض و کاکل
گدائے راہ کی بھی آبرو بڑھاتا جا

اگر یہ لطف گوارا نہیں تو مستِ خرام
جبینِ جوش پہ ٹھوکر ہی اک لگاتا جا

☆☆

ارض و سما کو ساغر و پیمانہ[1] کر دیا
رندوں نے کائنات کو میخانہ کر دیا

اے حسن داد دے کہ تمنائے عشق نے
تیری حیا کو عشوۂ ترکانہ کر دیا

قرباں ترے کہ اُک نگہۂ التفات نے
دل کی جھجک کو جرأتِ رندانہ کر دیا

صد شکر درسِ حکمتِ ناحق شناس کو
ہم نے رہینِ نعرۂ مستانہ کر دیا

۱۔ بعض بعض مقامات پر ردیف "کر دیا" کو "بنا دیا" کے مفہوم میں استعمال کیا ہے میں اپنے آپ کو ان بے جا حدود کا پابند نہیں سمجھتا۔ (جوش)

جو باعثِ ایجاد ہے اُس ذات کی سوگند
ناقابلِ تسلیم ہے پایانِ تمنا

جب تک کہ محبت کی ہے دنیا کو ضرورت
واجب ہیں دیوانہ و دامانِ تمنا

ہر شب مری سرکار میں آتے ہیں فرشتے
ہاتھوں پہ لیے شمعِ فروزانِ تمنا

کونین کے سینے میں تلاطم سا بپا ہے
اللہ ری پرافشانیٔ مژگانِ تمنا

ہاں پھیر ادھر بھی کہ ہو تازہ مرا ایماں
یہ روئے کتابی کہ ہے قرآنِ تمنا

ممکن ہو تو صرف ایک نظر حالِ گدا پر
اے شاہِ دلِ عالم و سلطانِ تمنا

اک جوش کا دل ہی نہیں خود گوئے دو عالم
غلطیدہ ہے تا پیشِ خمِ چوگانِ تمنا

☆☆

جب دل نے مجھ کو شعلہ بداماں بنا دیا
میں نے ہر ایک خار کو بنّاں بنا دیا

اُس پچھلی رات کو جسے کہتے ہیں کمسنی
میری نظر نے صبح درخشاں بنا دیا

اے حسن! شاد ہو کہ تجھے چشم شوق نے
آشوب خلق و فتنہ دوراں بنا دیا

پنہاں تھیں جس میں روح کی گہری خموشیاں
اس جنبش نظر کو رگ جاں بنا دیا

جلووں کو دیں نظامِ دو عالم کی وسعتیں
شوخی کو کائنات بداماں بنا دیا

مستوں کی تشنگی کو عطا کی شگفتگی
شبنم کی بوند کو دُرِ غلطاں بنا دیا

غمزے کے "اشتباہ" کو بخشا "یقینِ ناز"
"وہمِ شرر" کو شعلۂ عریاں بنا دیا

[illegible]
تفسیرِ نگاہِ شوق نے اے فخرِ جمال
[illegible]
تیرے ہر ایک جزو کو قرآں بنا دیا

[illegible]
خالق سمجھ کو حسن کے تیری
[illegible]
زلفوں کی موجِ کفر کو ایماں بنا دیا

[illegible]
اے ناز! داد دے کہ سراپا جمال کو
[illegible]
میری نظر نے چشمۂ حیواں بنا دیا

[illegible]
[illegible]

وفا شعار ہوں ترکِ وفا نہیں کرتا
کبھی نمازِ صبوحی قضا نہیں کرتا

وہ کون عربدہ خو ہے جو میرے دل کے ساتھ
حقوقِ مہر و محبت ادا نہیں کرتا

وہ کون منظرِ قدرت ہے آج عالم میں
جو میرے واسطے آغوش وا نہیں کرتا

ہزار بار کیا عہد اُس نے مجھ سے وفا
جو ایک بار بھی وعدہ وفا نہیں کرتا

خدا کرے کبھی رندوں کے سامنے آئے
فقیہہ شہر کہ ترک ریا نہیں کرتا

جزائے خیر کا اس بے خودی پہ طالب ہوں
کہ میں تصور یومِ جزا نہیں کرتا

ہزار بار کیا عہد ترک صہبا کا
مگر تبسمِ ساقی خطا نہیں کرتا

گماں تو جوش یہی ہے کہ ہے گدا ناقص
نہ یہ کہ شاہ ، خیالِ گدا نہیں کرتا

☆☆

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اگر گیسو بدوش آتا نہیں اچھا یونہیں آجا
کسی دن پیچ بہ پیچ و شکن بر آستیں آجا

[illegible]

حرم ہو، مدرسہ ہو، دیر ہو، مسجد کہ میخانہ
یہاں تو صرف جلوے کی تمنا ہے، کہیں آجا

[illegible]

سرِ راہِ طلب ہر گام ہے اک منزلِ [illegible]
کبھی ان کشتیوں میں شکلِ موجِ آگیں آجا

بڑے دعوے ہیں اہلِ انجمن کو صبر و تسکیں کے
کبھی جلوت میں بھی اے فتنۂ خلوت نشیں آجا

اذانیں ابر پیما ہیں، تو سجدے آسماں فرسا
ذرا مسجد میں بھی اے دشمنِ ایمان و دیں آجا

☆☆

تلاشِ جادۂ بے پیچ و خم سے قطع اے دوست
تجسسِ خمِ زلفِ دراز کرتا جا

اگر جبیں کو ہے ذوقِ حریم بے رنگی
بساطِ رنگ پہ مشقِ نماز کرتا جا

جو ہے خدمتِ یار درست بیاں میں
پرستشِ صنمِ حیلہ ساز کرتا جا

وہاں جمال کو فرصت نہیں توقف کی
یقیں سے دیدۂ باطن کو باز کرتا جا

مثالِ جوش اسی آب و گل کے عالم سے
نظر کو خوگرِ طغیان ناز کرتا جا

☆☆

نہ جانے رات کو کیا میکدے میں مشغلہ تھا
کہ ہر نفس میں قیامت کا جوش و ولولہ تھا

نگاہ، یار کی یوں اُٹھ رہی تھی جھک جُھک کر
زمین رقص میں تھی، آسماں پہ زلزلہ تھا

لرز رہے تھے شگوفے، تڑپ رہے تھے نجوم
چھڑا ہوا نہیں معلوم کون مسئلہ تھا

کبھی ہلال چمکتا تھا اور کبھی خنجر
میانِ عشق و جوانی عجیب مرحلہ تھا

دور بجی و جوانی یہ تماشا کیسا؟
عیشِ امروز کے طوفان میں فردا کیسا

اس زمانے میں کہ ہو جامہ دری جب ایماں
راہ میں خار سے دامن کا بچانا کیسا

مہوشوں کے نفسِ عطر فشاں کے ہوتے
ذکرِ جاں بخشیِ انفاسِ مسیحا کیسا

سر پہ جس وقت گرجتے ہوں جنوں کے بادل
قصۂ مجلس و افسانۂ عقبیٰ کیسا

رامش و رنگ کی گونجی ہوئی آوازوں میں
نرگسِ ناز کے دھوکے میں نہ آنا کیسا

ہوں جہاں قلقلِ مینا سے ترانے بردوش
اُس جگہ کوثر و تسنیم کا چرچا کیسا

جس شبِ ماہ میں ہو بربط و فرشِ سنجاب
اُس شبِ ماہ میں تسبیح و مصلیٰ کیسا

جوش، باقی ہے مشیت کا جوانِ صالح
موسمِ کفر میں اسلام کا دعویٰ کیسا!

☆☆

پھر تابِ رُخ سے ذوقِ نظر بہرہ ور ہے آج
پھر ہر نگاہ مرہمِ زخمِ جگر ہے آج

پھر سینۂ زمیں سے اُبلتا ہے سیم و زر
پھر آسماں سے بارشِ لعل و گہر ہے آج

پہلوئے شوق میں گہر پاکِ آرزو
پھر جوشِ انبساط سے پاکیزہ تر ہے آج

آنکھوں کے پردہائے تنک پر ہے عکسِ رُخ
دریا کی نرم سطح پہ رقصِ گہر ہے آج

پھر دل صدائے چنگ سے ہے گرمِ اختلاط
پھر روح موجِ نغمہ سے شیر و شکر ہے آج

پھر دیدۂ نیاز میں غلطاں ہے عکسِ ناز
پھر بزمِ خس میں برقِ تپاں جلوہ گر ہے آج

پھر یوں جبینِ ناز پہ بکھری ہیں کاکلیں
تو یہ کہے کہ ابر محیطِ قمر ہے آج

پھر بج رہا ہے محفلِ عشرت میں دائرہ
پھر انعکسِ گرم حلقۂ بیرونِ در ہے آج

پھر سر پہ تیرہ ابر کی زد ہے بطرزِ نو
پھر دل میں رقصِ درد بہ رنگِ دگر ہے آج

سینے میں گونج رہی ہے پھر آوازِ پائے یار
دل پھر خرامِ ناز سے زیر و زبر ہے آج

پھر حسن کی جھلک سے جھپکتی نہیں نظر
پھر سازگار شمع کو نورِ سحر ہے آج

پھر سن رہا ہے کوئی سخن فہم کلامِ جوش
پھر عرش پہ دماغِ متاعِ ہنر ہے آج

اِدھر بھی بادِ صبا! آ، بہار کی سوگند
شمیمِ طرۂ گیسوئے یار کی سوگند

چھڑا دو رنگئ اُمید و بیم سے دل کو
طلسمِ گردشِ لیل و نہار کی سوگند

مرے دماغ پہ بھی ڈال پرتوِ محبوب
تجھے شعاعِ سرِ کوہسار کی سوگند

سکھا جہاں کو نبھانے عہد کا دستور
جتائے طولِ شبِ انتظار کی سوگند

جلا دے حسن کے سینے میں آرزو کا چراغ
ضمیرِ سنگ میں سوزِ شرار کی سوگند

دلِ فسردہ کو رنگینیوں سے کر سرشار
گلِ شگفتہ کے نقش و نگار کی سوگند

دبا کے دُکھتے ہوئے پہلوؤں کو دے آرام
کنارِ یار و لبِ جوئبار کی سوگند

سنا فسانۂ رفتارِ دل فروزِ نگار
جہاں خرامئ ابرِ بہار کی سوگند

بتا، بکھرتی ہے کس طرح زلف شانوں پر؟
نزولِ رحمتِ پروردگار کی سوگند

ٹھہر ٹھہر کے سنا داستانِ عشوہ و ناز
نزاکتِ دلِ اُمیدوار کی سوگند

سنا دے جوش کو بھی نغمہائے لعل نگار
خروشِ آمدِ فصلِ بہار کی سوگند

☆☆

آ، اور جہاں کو غرقِ لبِ نوش خند کر
آوازۂ فسونِ جوانی بلند کر

بل ابروؤں پہ ڈال کے زلفوں کو کھول دے
کونین کو اسیرِ کمان و کمند کر

سنتا ہوں دردِ عشق ہے ہر درد کی دوا
آ، اور میرے دردِ جگر کو دو چند کر

آشفتہ تو طبیب ہے نازک مزاج دل
کیوں کر کہوں علاج دلِ درد مند کر

گیتی کو خلفشار ہے، گردوں کو اضطراب
بجُز خرامِ ناز! درِ فتنہ بند کر

اے خواجہ زندگی میں اسیری ہے ناگزیر
دل کو اسیرِ کاکلِ مشکیں کمند کر

آیا ہے جوشِ تحفۂ داغِ جگر لیے
مرضی تری پسند نہ کر یا پسند کر!

☆☆

اٹھی وہ گھٹا رنگ سامانیاں کر
گہر پاشیاں کر زر افشانیاں کر

وہ چہکے عنادل وہ سنکیں ہوائیں
گلوں کی طرح چاک دامانیاں کر

صراحی جھکا اور دھریں بگاڑ دے
گلابی اٹھا ، اور گل افشانیاں کر

مٹا داغِ ہوش اور مدہوش بن جا
اٹھا جامِ زر اور سلطانیاں کر

نگاہوں سے برسا دے ابرِ جوانی
مئے لالہ گوں سے گلستانیاں کر

سمندر پہ چل اور الیاس بن جا
ہواؤں پہ اڑ اور سلیمانیاں کر

صبا کی طرح کنج میں رقص فرما
بگولوں کے مانند جولانیاں کر

سکوں پاؤں چومے وہ ہلچل مچا دے
خرد سر جھکا دے وہ نادانیاں کر

علم کھول کر جوشِ بدمستیوں کے
جہانداریاں کر جہانبانیاں کر

☆☆

شیخ اور خلشِ بندگی و زحمتِ پرہیز
میں اور مئے دیرینہ و معشوقۂ نوخیز

اللہ رے اُس دشمنِ راحت کا تلوّن!
گلبانگِ اماں ہے تو کبھی شورشِ چنگیز

کہسار میں تیشے کی صدا گونج رہی ہے
افسوس ہے اے زمزمۂ عشرت پرویز

اللہ ری اُس فتنۂ دوراں کی جوانی
خوں ریز و شرر ریز و جنوں خیز و دل آویز

اے گیسوئے شبرنگ! وہی نکہتِ فردوس
اے نرگسِ مخمور! وہی ساغرِ لبریز

رقصاں رُخِ محبوب میں ہے صبح کی خنکی
بیدار بھی ہو خواب سے اے جوشِ سحر خیز

☆☆

میں قرباں اے مرے ترکِ قبا پوش
کبھی آ اس طرف بھی زلف بر دوش

نگار خوش خرام و یار شیریں
ہے آشوبِ عقل و فتنۂ ہوش

ہنوز اے شہر یارِ کشورِ دل
گدائے راہ کا خالی ہے آغوش

کسی دن تو بن اے جانِ خرابات
انیسِ خلوتِ رندانِ مے نوش

کروں کس طرح دامن پارہ پارہ
کدھر ہے اے مری سلمائے گل پوش

کبھی تو سامنے آ، جام برکف
بہ رغمِ زاہدانِ خرقہ بردوش

وہ گونجا نغمۂ شیرینِ جاناں
زمین و آسماں! خاموش، خاموش

وہ دستک دی ترے در پر کسی نے
بجا لا سجدۂ شکرانہ اے جوشؔ

☆☆

مبارک دیدۂ حیراں مبارک
عطشِ جلوۂ جاناں مبارک

شبِ تاریک کی خاموشیوں کو
خروشِ مرغِ خوش الحاں مبارک

وفورِ غم کو عشرت کی بشارت
ہجومِ درد کو درماں مبارک

خمِ محرابِ چشمِ آرزو کو
چراغِ چہرۂ خنداں مبارک

نگاہِ رہروِ راہِ طرب کو
سوادِ کوچۂ جاناں مبارک

ہوائے شامِ غم کی گرمیوں کو
نسیمِ صبحِ گل افشاں مبارک

لبِ اُمید کو موجِ تبسم
بہ یُمنِ دیدۂ گریاں مبارک

گدائے رہ نشینِ بے نوا کو
غرورِ صحبتِ سلطاں مبارک

ہوائے غنچۂ زخمِ جگر کو
ادائے جنبشِ مژگاں مبارک

جنابِ جوش کو یہ کامرانی
بہ فیضِ قربِ درویشاں مبارک

☆☆

پھر مہرباں وہ خسرو خوباں ہے آج کل
پھر دستِ شوق و دامنِ جاناں ہے آج کل

پھر اعتقادِ عالمِ بالا ہے ان دنوں
پھر اعتبارِ گردشِ دوراں ہے آج کل

پھر زلفِ ناز و روئے درخشاں ہے دام میں
پھر جنسِ ابر و صاعقہ ارزاں ہے آج کل

ہر ذرۂ حقیر ہے فردوسِ رنگ و بو
ہر دشتِ بے گیاہ گلستاں ہے آج کل

موجِ شمیمِ کاکلِ جاناں کے فیض سے
پھر بازوؤں پہ دولتِ بستاں ہے آج کل

شکرِ خدا کہ بُرشِ شمشیرِ روزگار
پھر مرہمِ جراحتِ پنہاں ہے آج کل

کیا چیز مل گئی ہے کہ میری نگاہ میں
ہر تاجدار بے سروساماں ہے آج کل

پھر جوش، بزمِ عیش میں ہر موجۂ نفس
عمرِ مسیح و خضر پہ خنداں ہے آج کل

☆☆

پھر ابر تیرہ اُٹھا، چلی نسیمِ شمال
کدھر ہے ساقیِ جادو نگاہ و زُہرہ جمال

برس رہی ہے خنک ابر سے جواں بختی
کھلا ہوا ہے گلستاں میں پرچمِ اقبال

مچل رہی ہے بلندی پہ موجِ آبِ بقا
دمک رہی ہے گلابی میں آتشِ سیال

فلک کے بام پہ ہے رقصِ نغمۂ عشرت
زمیں کے دوش پہ ہے مژدۂ زمانِ وصال

فضا ہے پرتوِ ابرِ سیہ سے رنگا رنگ
صبا ہے دولتِ بوئے چمن سے مالا مال

کہو کہ آئے سوئے صحنِ باغ تیغ بکف
وہ جس کے واسطے ہے خونِ کائنات حلال

وہ جوش سوئے چمن جھومتا ہوا آیا
اُٹھ اے زمان و مکاں اُٹھ، برائے استقبال

☆☆

زلفِ شکیب و صبر پریشاں ہے آج کل
پھر اضطراب سلسلہ جنباں ہے آج کل

پھر عاشقی کے رُو بہ ترقی ہیں ولولے
پھر سے عقل سر بہ گریباں ہے آج کل

مضرابِ اضطراب میں پھر مطربِ جنوں
اُبھی دُھنوں کے ساتھ غزل خواں ہے آج کل

پھر بوئے گل ہے دشنۂ سر تیز اِن دنوں
پھر بادِ صبح، شعلۂ عریاں ہے آج کل

پھر آرزوئے شرکتِ بزمِ جمال ہے
پھر اہتمامِ خدمتِ درباں ہے آج کل

پھر قوتِ دلیل ہے ڈالے ہوئے سپر
منسوخ پھر شریعتِ برہاں ہے آج کل

وہ سجدہ جس کے واسطے فرشِ حرم ہے تنگ
پھر آستانِ یار میں غلطاں ہے آج کل

اللہ رے گداز محبت کے معجزے
کافر تھا جو دماغ، مسلماں ہے آج کل

پھر عزمِ صبر بحرِ ندامت میں غرق ہے
پھر وضعِ احتیاط، پشیماں ہے آج کل

پھر اس دل و دماغ کا ہر جوہرِ لطیف
وابستۂ تصورِ جاناں ہے آج کل

اے ہم نشیں! دماغ کی ژولیدگی نہ پوچھ
گویا زمیں، ہواؤں پہ غلطاں ہے آج کل

وہ جان، جس پہ مایۂ کون و مکاں نثار
پھر نذرِ یک تبسمِ جاناں ہے آج کل

وہ خونِ دل کہ جنسِ دوعالم سے ہے گراں
بازارِ اضطراب میں ارزاں ہے آج کل

جتنا نہیں تصورِ جاناں پہ بھی خیال
بے چینیوں کا دل میں وہ طوفاں ہے آج کل

تیرِ نگاہِ نرگسِ جاناں کے فیض سے
پھر جوشِ شرحِ صدر کا ساماں ہے آج کل

☆☆

پھر آشنائے لذتِ دردِ جگر ہیں ہم
پھر محرمِ کشاکشِ ہر خیر و شر ہیں ہم

ہر سانس دے رہی ہے خبر کائنات کی
پھر بادۂ جمال سے یوں بے خبر ہیں ہم

پھر عشق کی نظر میں ہے معشوقیت کا ناز
پھر حسنِ دل نواز سے شیر و شکر ہیں ہم

جینے کے اشتیاق سے ہے پھر رمیدگی
پھر سینۂ حیات میں عزمِ سفر ہیں ہم

ہشیار باش، طلسمِ ٹھکانۂ حیات
پھر مرکزِ تجلیٔ شمس و قمر ہیں ہم

کس زعم میں ہیں، اے شبِ دیجورِ زندگی؟
پھر رازدارِ نورِ طلوعِ سحر ہیں ہم

ہے کس خیالِ خام میں اے خار زارِ دہر؟
پھر کامرانِ خندۂ گلہائے تر ہیں ہم

پھر فیضِ عاشقی سے بہ ایں بے بضاعتی
جیبِ جہاں میں دولتِ لعل و گہر ہیں ہم

پھر باوجودِ فقر، وہ حاصل ہے طمطراق
تو یہ کہے کہ صاحبِ تاج و کمر ہیں ہم

آنکھوں میں نورِ مصحفِ جاناں لیے ہوئے
پھر کردگارِ عشق کے پیغامبر ہیں ہم

کھلتے نہیں ہیں جوش، دماغوں پہ دل کے راز
بالاتر از رسائیٔ نقد و نظر ہیں ہم

پھر سر کسی کے در پہ جھکائے ہوئے ہیں ہم
پردے پھر آسماں کے اُٹھائے ہوئے ہیں ہم

چھائی ہوئی ہے عشق کی پھر دل پہ بے خودی
پھر زندگی کو ہوش میں لائے ہوئے ہیں ہم

جس کا ہر ایک جزو ہے اکسیرِ زندگی
پھر خاک میں وہ جنس ملائے ہوئے ہیں ہم

ہاں کون پوچھتا ہے خوشی کا نہفتہ راز؟
پھر غم کا بار دل پہ اُٹھائے ہوئے ہیں ہم

ہاں کون درسِ عشق و جنوں کا ہے خواستگار؟
آئے کہ ہر سبق کو بھلائے ہوئے ہیں ہم

آئے جسے ہو جادۂ رفعت کی آرزو
پھر سر کسی کے در پہ جھکائے ہوئے ہیں ہم

بیعت کو آئے جس کو ہو تحقیق کا خیال
کون و مکاں کے راز کو پائے ہوئے ہیں ہم

ہستی کے دامِ سخت سے اُکتا گیا ہے کون؟
کہہ دو کہ پھر گرفت میں آئے ہوئے ہیں ہم

ہاں کس کے پائے دل میں ہے زنجیرِ آب و گِل
کہہ دو کہ دامِ زلف میں آئے ہوئے ہیں ہم

ہاں کس کو سیرِ ارض و سما کا ہے اشتیاق
دھونی پھر اُس گلی میں رمائے ہوئے ہیں ہم

جس پر نثار کون و مکاں کی حقیقتیں
پھر جوشؔ اُس فریب میں آئے ہوئے ہیں

☆☆

بالا ہیں جوش، دامِ زمان و مکاں سے ہم
رسم تعینات کو لائیں کہاں سے ہم

کوثر کی آرزو میں رہیں گے نہ تشنہ کام
پیماں یہ کر چکے ہیں مئے ارغواں سے ہم

اے حسن لازوال! قسم تیرے ناز کی
بیگانہ ہو چکے ہیں بہار و خزاں سے ہم

انمول بننے والے ہیں جس چیز سے کبھی
ارزاں ہیں آج کل اُسی جنس گراں سے ہم

اب اے خدا! عنایتِ بے جا سے فائدہ؟
مانوس ہو چکے ہیں غمِ جاوداں سے ہم

روز اک نئی زمیں سے گزرتے ہیں ہر نفس
ملتے ہوئے ہیں موجۂ آبِ رواں سے ہم

کیا کہہ رہے ہو دُور سے اربابِ کیف و کم؟
باہر کھڑے ہیں حلقۂ سود و زیاں سے ہم

یہ طرفہ بات ہے کہ باایں فقر و بے زری
ہیں بہرہ یاب دولتِ کون و مکاں سے ہم

جب حسن چاہے عشق کے سانچے میں ڈھال لے
پگھلے ہوئے ہیں آتشِ رطلِ گراں سے ہم

پائندہ باش اے خمِ ابروئے دل نشیں!
اب کھیلتے ہیں موت کے تیر و کماں سے ہم

اہلِ زمیں! غریب ہیں ہم نکتہ چیں نہ ہو
آتے ہیں گاہ گاہ یہاں آسماں سے ہم

ہر نقشِ پا میں لوٹ رہی ہیں جوانیاں
یوں آ رہے ہیں خدمتِ پیرِ مغاں سے ہم

جنگل ہے آب جو ہے شبِ ماہتاب ہے
ایسے میں اُن کو ڈھونڈ کے لائیں کہاں سے ہم

ہاں آسمان! اپنی بلندی سے ہوشیار!
لے سر اُٹھا رہے ہیں کسی آستاں سے ہم

اُٹھنا تھا جن کو چین و جم سے سو اُٹھ چکے
اب جوش اُٹھے ہیں کشورِ ہندوستاں سے ہم

☆☆

نہ جادو نہ افسوں گری چاہتا ہوں
فقط حُسن سے دلبری چاہتا ہوں

حضوری کے پُر رعب دربار میں بھی
دلِ تند و شوقِ جری چاہتا ہوں

مری جنس کے ہاتھ بک جائے خود ہی
میں وہ قدرداں مشتری چاہتا ہوں

اہانت گوارا نہیں عاشقی کی
غلامی میں بھی سروری چاہتا ہوں

مزاجِ تمنائے خود دار توبہ
عبادت میں بھی داوری چاہتا ہوں

منحصر ہے اگر دلبری "داوری" پہ
کم از کم میں پیغمبری چاہتا ہوں

"جو پیغمبری" میں بھی دشواریاں ہوں
تو ہنگامۂ کافری چاہتا ہوں

خلاصہ ہے یہ جوشؔ اس داستاں کا
کہ جوہر ہوں اور جوہری چاہتا ہوں

☆☆

دوستو! وقت ہے پھر زخمِ جگر تازہ کریں
پردہ جنبش میں ہے پھر آؤ نظر تازہ کریں

تاکجا نالۂ غربت کہ چلی بادِ شمال
دل میں پھر زمزمۂ عزمِ سفر تازہ کریں

آؤ پھر دھوم سے ہو آج غروب اور طلوع
شکیبِ بندگیِ شمس و قمر تازہ کریں

آؤ چل کر رُخِ ناشستہ کو دیکھیں دمِ صبح
موجِ رنگِ افق و نورِ سحر تازہ کریں

کلبۂ فقر کو کج کر کے سرِ بزمِ نشاط
آؤ رسمِ کہن تاج و کمر تازہ کریں

آؤ پھر جلوۂ جاناں پہ لٹا دیں کونین
شغلِ پارینۂ اربابِ نظر تازہ کریں

طبقِ زر میں لگا کر پئے نذرِ جاناں
آؤ پھر آبروئے لعل و گہر تازہ کریں

آؤ پھر جوش کو دے کر لقبِ شاہِ سخن
دل و دینِ سخن و جانِ ہنر تازہ کریں

☆☆

میری مجال، تیری بزم اور لَن ترانیاں!
میں نقشِ پائے رہرواں، تو افسرِ جہانیاں

سخن فروشیاں نہ کر جہانِ حسن و عشق میں
کہ یاں ہر ایک خال میں ہیں لاکھ نکتہ دانیاں

وہ زیبِ انجمن ہوا تو کوئی بولتا نہیں
معاشرانِ بزم کیا ہوئیں وہ گل فشانیاں

ذرا اثر نہ پڑ سکا جنونِ ذوقِ دید پہ
چمیروں نے لاکھ کیں نظر کی پاسبانیاں

شدید بدگمانیوں پہ حُسنِ ظن ہے یار سے
عمیق حُسنِ ظن میں ہیں ہزار بدگمانیاں

عجیب طرفہ راز ہیں مری شبوں کے راز بھی
جنھیں نہاں کیے ہوئے ہیں سیکڑوں جوانیاں

شبابِ رفتہ کے قدم کی چاپ سن رہا ہوں میں
ندیم! عہدِ شوق کی سنائے جا کہانیاں

میری بساطِ میکشی پہ جوش سجدہ ریز ہیں
کروڑ قہرمانیاں، ہزارہا کیانیاں

☆☆

اُٹھ کہ تعمیرِ حیاتِ گزراں کچھ بھی نہیں
بجز مئے ناب، سر و برگِ جہاں کچھ بھی نہیں

آ کہ یہ وسعتِ ارض و سما ہے بیکار
اُٹھ کہ یہ واہمۂ سود و زیاں کچھ بھی نہیں

وہ سہی قد لبِ ساحل جو نہ ہو گرمِ خرام
قامتِ سرو و خمِ آبِ رواں کچھ بھی نہیں

جام اُٹھا جام کہ سرشاری و مستی کے بغیر
خندۂ حور و تماشائے جناں کچھ بھی نہیں

پرتوِ چشمِ فسوں خیزِ برہمن کے سوا
نقشِ رنگینیٔ رخسارِ بتاں کچھ بھی نہیں

فیض اُٹھا حسنِ جوانانِ چمن سے کہ ندیم
عالمِ پیر بجز وہم و گماں کچھ بھی نہیں

اس کے نزدیک سمجھتا ہو جو اسرارِ بہار
خوفِ گل چیں و غمِ بادِ خزاں کچھ بھی نہیں

مجھ غمِ عشق غمِ کون و مکاں سے بنیاد
جز دلِ شاد، متاعِ دو جہاں کچھ بھی نہیں

ایک ذرہ بھی ہو محسوس تو سب کچھ ہے وہی
ہو نہ محسوس تو خلاقِ جہاں کچھ بھی نہیں

مرضِ زیست کا اے جوش زمانے میں علاج
جز مئے کہنہ و معشوقِ جواں کچھ بھی نہیں

☆☆

وقتِ سحر ہے آؤ حریفو! وضو کریں
مینا اٹھائیں خدمتِ جام و سبو کریں

لو کھل گیا وہ پرچمِ خورشیدِ زرنگاہ
اُٹھو کہ وا دریچۂ صد رنگ و بو کریں

طائر خروش میں ہیں صبا گرمِ اختلاط
آؤ حریمِ کیف میں پھر ہاؤ ہو کریں

مستانہ وار جیبِ جوانی کے چاک میں
پھر رعشۂ شرابِ کہن سے رفو کریں

روئے خوشِ نگار کی دہرائیں داستاں
حسن و جمالِ یار کی پھر گفتگو کریں

ملبوسِ زندگانی و زختِ حیات کو
صہبا کی نرم آنچ سے پھر شستہ و شو کریں

آؤ بٹھائیں یار کو پھر صدرِ انجمن
آئینہ آفتاب کے پھر روبرو کریں

دنیا کو آؤ رشکِ بہشتِ بریں بنائیں
خشکی کو آؤ رو کشِ صد آبجو کریں

لیلائے کیفِ دوش کا مرجھا چلا ہے ہار
پھر تازہ پھول گوندھ کے زیبِ گلو کریں

آنے لگی ہے دیر سے ناقوس کی صدا
آؤ تصورِ صنمِ سادہ رو کریں

بہرِ دعا زمانہ اُٹھائے ہوئے ہے ہات
یارو اُٹھو کہ ہیئتِ دستِ سبو کریں

پھر آؤ دل کا جوش کے نغموں سے درس لیں
پھر آؤ تازہ رسم و رہِ آرزو کریں

آپ بھی آئیں کہ ہے دیر سے گرمِ تگ و دو
لرزشِ بادۂ دیرینہ و عکسِ مہِ نو

وقتِ دیدار مچل جاتے ہیں ارماں جیسے
یوں ہے ہلچل میں لبِ آبِ رواں شمع کی لو

کروٹیں روح میں جس طور سے لے یادِ حبیب
جام میں چاند کا یوں کانپ رہا ہے پرتو

سینۂ شب میں تصور ہے سحر کا غلطاں
یا ہے جنگل کی گھنی چھاؤں میں مہتاب کی ضو

043

دل ہی دل میں کوئی معشوق سے ہے گرمِ سخن
ساز بر دوش ہے یا بادِ خوش آہنگ کی رو

دفن ہے ساز میں افسردگیٔ ماضی و حال
غرق ہے رطلِ گراں میں غمِ دیرینہ و نو

تم بھی اس بزم میں ہو چند نفس عشوہ فروش
کہ پڑے چرخ پہ بھی صحنِ زمیں سے پرتو

☆☆

آکہ پھر آج ہم آہنگ ہوئی ہے لبِ جو
نے کی لے ، چاند کی تنویر ، صبا کی خوشبو

منعقد پھر سے کروں محفلِ جمشید و قباد
دو گھڑی صدر نشینی پہ جو آمادہ ہو تو

وقتِ کن جو دلِ یزداں میں ہوا تھا غلطاں
میرے دل میں بھی وہی آ کے جگا دے جادو

کفر سجدے میں گرے دین کی نبضیں چھٹ جائیں
آج آ دوش پہ بکھرائے ہوئے یوں گیسو

میں ہوں وہ رند جسے دیکھ کے کہتے ہیں ملک
آفریں باد بر ایں خلوتِ جام و سبو

عقل کہتی ہے کہ کس طرح میسر ہوگا
عشق کہتا ہے کہ فردوس ہے تیرا پہلو

کیفِ مستی میں گہر بار کر اُن آنکھوں کو
غمِ ہستی سے ٹپکتے نہیں جن کے آنسو

آ پلا پھر مئے اسرارِ سکون و جنبش
اے بہ تمکینِ حرمِ قدس و بہ شوخیٔ آہو

آج یوں دل میں لطافت سے ہیں ارماں بے چین
جیسے طاعت میں بدلتے ہیں فرشتے پہلو

خاک مست، آبِ رواں تند، ہوائیں سرشار
آج اپنے پہ عناصر کو نہیں ہے قابو

آج اے نورِ نگاہِ قمر و شبِ سحاب
کاش میرا سرِ شوریدہ ہو تیرا زانو

پرسشِ چند نفس اے مرے سرمایۂ شوق!
زحمتِ چند قدم اے مرے سروِ دلجو!

آج اے جوش ترے رنگِ غزل گوئی سے
قندِ پارس کا مزا ہے بزبانِ اُردو

☆☆

نہ جانے رات کو تھا کون زینتِ پہلو
گھل رہی تھی ہوا میں شراب کی خوشبو

حریمِ صلح میں قائم تھا ایک مرکز پر
مزاجِ عشق و تقاضائے حسنِ عربدہ جو

وفا کی انجمنِ شوق میں تھی شیر و شکر
جراحتِ دلِ صد چاک و تیغِ صاعقہ خو

مٹا چکا تھا فلک رسمِ ساغر و سنداں
بھلا چکا تھا زمانہ نزاعِ سنگ و سبو

ہوا کی جیب میں تھا تیر از کماں رفتہ
کشش کے دام میں تھی کاوشِ رمِ آہو

بساطِ خاک پہ خوابیدہ تھا غمِ دوراں
شرابِ تند کی لہروں میں غرق تھے آنسو

اُدھر محیطِ فلک پر فسونِ نجم و قمر
ادھر حریمِ تمنائیں نرگسِ جادو

اُدھر حیات کی لحنِ طرب تھی تا بہ فلک
اِدھر شباب کی موج رواں تھی تا بہ گلو

اُدھر اُڑا ہوا طولِ شبِ فراق کا رنگ
اِدھر شباب پہ آرائشِ خمِ گیسو

چھڑی ہوئی ہے حکایت شبِ جوانی کی
تڑپ کے جوش! پھر اک بار نعرۂ "یا ہو"

☆☆

فکر ہی ٹھہری تو دل کو فکرِ خوباں کیوں نہ ہو؟
خاک ہونا ہے تو خاکِ کوئے جاناں کیوں نہ ہو

دہر میں اے خواجہ! ٹھہری جب اسیری ناگزیر
دل اسیرِ حلقۂ گیسوئے پیچاں کیوں نہ ہو؟

زیست ہے جب مستقل آوارہ گردی ہی کا نام
عقل والو! پھر طوافِ کوئے جاناں کیوں نہ ہو

جب نہیں مستوریوں میں بھی گناہوں سے نجات
دل کھلے بندوں غریقِ بحرِ عصیاں کیوں نہ ہو

اک نہ اک ہنگامے پر موقوف ہے جب زندگی
میکدے میں رند رقصان و غزل خواں کیوں نہ ہو

جب خوش و ناخوش کسی کے ہاتھ میں دینا ہے ہاتھ
ہم نشیں! پھر بیعتِ جامِ زرافشاں کیوں نہ ہو

جب بشر کی دسترس سے دور ہے "مشکل الجھیں"
دستِ وحشت میں پھر اک کافر کا داماں کیوں نہ ہو

ایک ہے جب شورِ جہل و بانگِ حکمت کا مآل
دل ہلاکِ ذوقِ گلبانگ پریشاں کیوں نہ ہو؟

اک نہ اک رفعت کے آگے سجدہ لازم ہے تو پھر
آدمی محوِ سجودِ سروِ خوباں کیوں نہ ہو؟

اک نہ اک پھندے ہی میں پھنسنا ہے جب انسان کو
دوش پہ دامِ سیاہِ سنبلستاں کیوں نہ ہو؟

جب فریبوں میں ہی رہنا ہے تو اے اہلِ خرد
لذتِ پیمانِ یارِ سست پیماں کیوں نہ ہو؟

یاں جب آویزش ہی ٹھہری ہے تو ذرّے چھوڑ کر
آدمی خورشید سے دست و گریباں کیوں نہ ہو؟

اک نہ اک ظلمت سے جب وابستہ رہنا ہے تو جوشؔ
زندگی پر سایۂ زلفِ پریشاں کیوں نہ ہو؟

☆☆

اس طرف آ ستمِ گردشِ ایام بھی دیکھ
کامرانِ لب و رخسار کو ناکام بھی دیکھ

جو تری مست نگاہوں سے تھا کل تک سرشار
آج اس جام کو بے بادۂ گلفام بھی دیکھ

نیند آتی ہی نہ تھی جس کی تو آغوش میں تجھے
اب اسی دل کو اسیرِ غم و آلام بھی دیکھ

کل تری چشمِ کرم سے جو ہوئی تھی طالع
آج اس صبحِ درخشاں کی ذرا شام بھی دیکھ

کامراں جس کو بنایا تھا وفا نے تیری
اب اسی شوق کو افسردہ و ناکام بھی دیکھ

رامشِ و رنگ سے معمور تھے گوشے جس کے

آج اسی انجمن شوق میں کہرام بھی دیکھ

جو مرے دل میں چمکتا تھا نظر سے تیری

اب اسی نور کو خورشید لبِ بام بھی دیکھ

تو نے جس عشق کی رکھی تھی مرے دل میں بنا

آ، اب اس عشق خوش آغاز کا انجام بھی دیکھ

مرکزِ وحیٔ محبت تھا کبھی دل جس کا

اب اسی جوش کو لب تشنۂ پیغام بھی دیکھ

☆☆

اُٹھ، کہ آئی ہے صبا دولتِ بیدار کے ساتھ
نغمۂ کاکل و بوئے نفسِ یار کے ساتھ

اُٹھ، کہ خورشید نے گردوں پہ علم کھول دیا
چھیڑ کرنے کو کسی طرۂ طرّار کے ساتھ

اُٹھ، کہ کہسار کی چوٹی سے چلیں وہ کرنیں
ناز کرتی ہوئی کلہائے طرحدار کے ساتھ

اُٹھ کہ جھکی ہوئی ہر شاخ ہے سرگرمِ نیاز
مطربِ نغمہ زن و ساقیٔ سرشار کے ساتھ

اُٹھ کہ غنچوں نے چٹکنے کا کیا ہے آہنگ
باندھ کر عہدِ وفا نرگسِ بیمار کے ساتھ

اُٹھ، کہ گلزار میں دوشیزۂ رنگین فلک
محوِ گل گشت ہے پازیب کی جھنکار کے ساتھ

اُٹھ، کہ غرفوں سے خرابات کے نورِ سحر
کھیلنے آئی ہے رندانِ قدح خوار کے ساتھ

دیکھ، تاریک افق پر ہے سحر کی سرخی
جوش! اُٹھ تذکرۂ کاکل و رخسار کے ساتھ

☆☆

ہاں اس طرف بھی جلوۂ شب زندہ دار دیکھ
ایمان ڈھل نہ جائے گا، صرف ایک بار دیکھ

تاکے یہ جست و خیز بہ آہنگ خانقاہ؟
آ بوستاں میں رقصِ نسیمِ بہار دیکھ

مستوریوں میں لطف و عطا کا گزر نہیں
مستوں میں جوشِ رحمتِ پروردگار دیکھ

تاچند اشتیاقِ نمودِ ہلالِ عید؟
ابرو پہ نازِ طرۂ زلفِ نگار دیکھ

اے قدردانِ سکۂ مغلوبِ سلسبیل!
رطلِ شراب کا زرِ کامل عیار دیکھ

ظرفِ گلی میں آبِ وضو دیکھتا ہے کیا؟
آ، جامِ زر میں آتشِ دانا شکار دیکھ

اک واہمہ ہے طنطنۂ شیخِ مدرسہ
آ میکدے میں ولولۂ بادہ خوار دیکھ

ذرۂ چراغِ مسجد و محراب تا کجا؟
آ پیچ و تابِ ابر سرِ کوہسار دیکھ

تاکے تصورِ لبِ نہر و خرامِ حور؟
ناز سہی قدانِ لبِ جوئبار دیکھ

تاکے ہوائے کاکلِ پیرانِ پارسا؟
او نامرادا عربدۂ زلفِ یار دیکھ

کیا دیکھتا ہے زہد کے کوچے میں رعبِ شیخ
کوئے مغاں میں جوش کا عز و وقار دیکھ

پا چکا طاعت کی لذت درد کے پہلو بھی دیکھ
شیخ! آ محراب سے باہر خمِ ابرو بھی دیکھ

کافرِ نعمت! ادا کر کچھ تو حق چشم و گوش
نغمۂ مطرب بھی سن، حسنِ رُخِ نے کو بھی دیکھ

تا کجا طنبورۂ یزداں فریب خانقاہ؟
آ، کسی دن میکدے کا رقصِ ہاؤ ہو بھی دیکھ

سر جھکانے ہی کو سمجھا ہے کمالِ زندگی؟
جس سے دل جھکتا ہے حق جوئی کے وہ پہلو بھی دیکھ

چھوڑ کر دیوانۂ گل گشت و حورانِ بہشت
دو گھڑی میدان میں آخر رمِ آہو بھی دیکھ

ضربتِ تیغِ مجاہد کے ثناخوانِ قدیم!
بے ستوں پر کوہکن کی قوتِ بازو بھی دیکھ

فرشِ مسجد سے اُٹھا بھی خاک آلودہ جبیں
رکھ کے زیرِ سر کسی معشوق کا زانو بھی دیکھ

عشقِ مولیٰ کے لیے ہے عشقِ انساں ناگزیر
سازِ بے رنگی کے طالب سوزِ رنگ و بو بھی دیکھ

گیسوئے طاعت میں پیدا کر خمِ سوز و گداز
دانۂ تسبیح پر بہتے ہوئے آنسو بھی دیکھ

اے، ہلالِ عید کی رویت کے مشتاق کہن!
خنجرِ بڑاں کو شرماتے ہوئے ابرو بھی دیکھ

موشگافی تا کجا "والیل" کی تفسیر میں؟
مہوشوں کے دوش پر بکھرے ہوئے گیسو بھی دیکھ

سحرِ اوراد و وظائف، ہاں مسلّم ہے مگر
نرگسِ مستانہ کا چلتا ہوا جادو بھی دیکھ

حُسن، ذروں سے اُبلتا ہے کبھی تو جام اُٹھا
دیکھتی ہیں جوشؔ کی آنکھیں جو عالم، تو بھی دیکھ

☆☆

وہ شیشۂ شفق سے چھلکی مئے مغانہ
اے ساقی شبینہ! وا کر شراب خانہ

ہاں اے فلک! لٹا دے اپنی تمام دولت
ہاں اے زمیں! اگل دے اپنا ہر اک خزانہ

رنگِ شفق کی ہلکی گل رنگ روشنی میں
ہر غنچہ اک فسوں ہے، ہر پھول اک فسانہ

ہر شے سے پھوٹ نکلیں چشمے جوانیوں کے
ہاں اے نگارِ نورس! ایسا کوئی ترانہ

حوروں نے لو وہ کھولے فردوس کے دریچے
خالی نہ جائے کوئی اے مغبچو! نشانہ

مکتب ہیں بے حقیقت، جھوٹی ہیں درسگاہیں
اے عندلیب! وا کر گل کا کتاب خانہ

قربت کے ولولے بھی، ذوقِ رمیدگی بھی
قرباں ترے دوعالم، اے چشمِ آہوانہ

دامن چھڑا نہ دامن، دامن چھڑا نہ دامن
اے آفتِ زمانہ! اے آفتِ زمانہ

ہاں اے نگاہِ رعنا! یک لحنِ سحر پرور
ہاں اے بلند بالا! یک رقصِ جادوانہ

اے پھول راس آئیں نقش و نگارِ قدرت
اے شاخِ گل مبارک شانِ پیمبرانہ

اُٹھ باغباں خدارا گلشن میں نصب کر دے
ہلکی سی چاندنی میں پھولوں کا شامیانہ

نغموں کو تیز کر دے ہاں اے جواں مغنّی!
وہ آ رہا ہے واپس گزرا ہوا زمانہ

ہاں یار! اک اشارہ بر وضعِ دل ربائی
ہاں جوش! اک نعرہ بطرزِ عاشقانہ

☆☆

ٹھنڈی ہوا ہے رقص میں ہے ابر بھی
ہاں دیر کیا ہے؟ ساقیِ رنگیں مراقتی

انساں اور ہو نہ سکے خوش! اٹھا تو جام
ناداں! تیرے دل کی کلی ہے شگفتنی

ہاں چھیڑ بھی رباب کہ ہے گرمِ اختلاط
حسنِ مہِ دو ہفتہ و ابریقِ یک منی

اس خاکداں میں جز رخِ محبوب و سازِ کیف
اک چیز دیدنی ہے، نہ اک شے شنیدنی

آمست ہو کے ناز کو دے دعوتِ نیاز
نبضِ صنم میں گرم ہے خونِ برہمی

اٹھ گوشِ دل کو قلقلِ مینا سے تیز کر
تا سن سکے صبا کے سخن ہائے گفتنی

صہبا سے دھو نگاہ، کہ غلطاں ہے دیر سے
جاناں کے دل میں آرزوئے برہنگی

چھلکا چمن میں جام کہ یہ رو بھی دیکھ لے
سبزے پہ اوس، اوس پہ مے، مے پہ چاندنی

واللہ آج ہند میں تو جوش فرد ہے
رحمت خدا کی تجھ پہ ہو اے مرد یک فنی

☆☆

دنیا میں مجھے حور نہ عقبیٰ میں پری دے
آ نالۂ شبگیر دعائے سحری دے

اُٹھ لیلائے دل کو رُخِ گل رنگ عطا کر
آ، دیدۂ تخئیل کو جادو نظری دے

پوشیدہ ہیں اس خاک میں کتنے دُرِ نایاب
خاکسترِ دل کو شررِ دیدہ وری دے

بیہودگیِ خلعتِ ناموس کہاں تک؟
اے خالقِ وحشت! خلشِ جامہ دری دے

آلودہ ہے پھر زنگ سے انسان کا سینہ
اے نورِ دو عالم! سرِ آئینہ گری دے

تمکین کے دامن سے ترے خم نہیں کھلتے
اے زلفِ سیہ! رخصتِ آشفتہ سری دے

ہاں جوش سے اٹھتے نہیں قدرت کے حجابات
اے یارِ تہتکہ! صفتِ پردہ دری دے

☆☆

جی میں آتا ہے کہ پھر مژگاں کو برہم کیجیے
کاسۂ دل لے کے پھر دریوزۂ غم کیجیے

حسنِ بے پروا کو دے کر دعوتِ لطف و کرم
عشق کے زیرِ نگیں پھر ہر دو عالم کیجیے

دور چشمیں کی طرح پھر ڈالیے سینے میں زخم
زخم کی لذت سے پھر تیار مرہم کیجیے

صبح سے تا شام رہیے قصۂ عارض میں گم
شام سے تا صبح ذکرِ زلفِ برہم کیجیے

دن کے ہنگاموں کو کیجے دل کے سنّاٹے میں غرق
رات کی خاموشیوں کو وقفِ ماتم کیجیے

دائمی آلام کا خوگر بنا کر روح کو
ناگہانی حادثوں کی گردنیں خم کیجیے

غیظ کی دوڑی ہوئی ہے لہر سی اصنام میں
جوشؔ! اب اہلِ حرم سے دوستی کم کیجیے

☆☆

سرشار ہوں، سرشار ہے دنیا مرے آگے
کونین ہے لرزشِ صہبا مرے آگے

ہر نجم ہے اک عارضِ روشن مرے نزدیک
ہر ذرّہ ہے اک دیدۂ بینا مرے آگے

ہر جام ہے نظارۂ کوثر مرے حق میں
ہر گام ہے گل کعبۂ معنی مرے آگے

ہر پھول ہے لعلِ شکر افشاں کی حکایت
ہر غنچہ ہے اک حرفِ تمنا مرے آگے

اک معرکہ ہے پرسشِ عقبیٰ مرے نزدیک
اک وہم ہے اندیشۂ فردا مرے آگے

ہوں کتنی ہی تاریک شبِ زیست کی راہیں
اک نور سا رہتا ہے جھلکتا مرے آگے

میں اور ڈروں صولتِ دنیائے دنی سے!
خود لرزہ براندام ہے دنیا مرے آگے

جھکتا ہے بصد عجز کلیسا مرے در پہ
آتا ہے لرزتا ہوا کعبہ مرے آگے

پیمانے سے جس وقت چھلک جاتی ہے صہبا
لہراتا ہے اک حسن کا دریا مرے آگے

جب چاند جھلکتا ہے مرے ساغرِ زر میں
چلتا نہیں خورشید کا دعویٰ مرے آگے

جب جھوم کے مینا کو اٹھاتا ہوں گھٹا میں
جھکتا ہے سرنگوں مینا مرے آگے

آتی ہے دلہن بن کے مشیت کی جلو میں
آوارگیٔ آدم و حوا مرے آگے

پیمانے پہ جس وقت جھکاتا ہوں صراحی
جھکتا ہے سرِ عالمِ بالا مرے آگے

پہلو میں ہے اک زہرہ جبیں ہاتھ میں ساغر
اس وقت نہ دنیا ہے نہ عقبیٰ مرے آگے

جوش، اٹھتی ہے دشمن کی نظر جب مری جانب
کھلتا ہے محبت کا دریچہ مرے آگے

☆☆

بے حجابانہ در آ، روح کو مضطر کر دے
جسم کو جان بنا، خاک کو جوہر کر دے

آ تمناؤں میں بھرتا ہوا پھر طرفہ خروش
دل کو پھر منصبِ شورش پہ مقرر کر دے

آ شبِ یاس کو دیتا ہوا پیغامِ اُمید
ایک ہلچل سی سرِبالش و بستر کر دے

آ خس و خارِ جنوں کو بھی بنا سرو سمن
آ شبستانِ وفا کو بھی منور کر دے

عالمِ عشق کو پھر مہدِ گل ارزانی کر
ذرۂ شوق کو پھر شمسرِ خاور کر دے

ایک ہی دور میں آج اے مگبہ بادہ فروش
فتنۂ ہوش کو غرقِ مے احمر کر دے

آتشِ تشنگیٔ دل کو بنا آبِ خضر
گردِ آئینۂ ہستی کو سکندر کر دے

مجھ کو اپنے لبِ گل رنگ کی خوشبو کی قسم
شامِ ہجراں کی ہواؤں کو معطر کر دے

عشق کے سر کو بنا حسن کے زانو کا نگیں
خار کو دولبِ آغوشِ گلِ تر کر دے

موجۂ چشمۂ حیواں کا تصدق اے زلف
میرے شانوں پہ رواں زمزم و کوثر کر دے

آ سنا روئے کتابی کی کوئی آیۂ ناز
جوشِ وارفتہ کو شاعر سے پیمبر کر دے

آ فصلِ گل ہے غرقِ تمنا ترے لیے
ڈوبا ہوا ہے رنگ میں صحرا ترے لیے

ساحل پہ سروِ ناز کو دے زحمتِ خرام
بل کھا رہا ہے خاک پہ دریا ترے لیے

ایفائے عہد کر، کہ ہے مدت سے بیقرار
روحِ وفائے وعدۂ فردا ترے لیے

شانوں پہ اب تو کاکلِ شبرنگ کھول دے
بکھری ہوئی ہے زلفِ تمنا ترے لیے

اٹھ چشمِ جلوہ زا، ساغر فروش! اٹھ
مچلی ہوئی ہے لرزشِ صہبا ترے لیے

اے آفتابِ جلوۂ جاناں! بلند ہو
کھویا ہوا ہے مطلعِ دنیا ترے لیے

موجِ شمیمِ سنبل و ریحاں کے درمیاں
وا ہے مصاحبت کا دریچا ترے لیے

آ، اور داد دے، کہ یہ ایسی چشمِ حق نگر
کھائے ہوئے ہوں زہادت کا دھوکا ترے لیے

سبزے کا فرش، ابر کا خیمہ، گلوں کا عطر
گلشن میں اہتمام ہے کیا کیا ترے لیے

طغیانِ گل شباب پہ، بلبل خروش میں
اک حشر سا ہے باغ میں برپا ترے لیے

جوش اور ترکِ خدمتِ سلطان و پاسِ ہوش!
یہ بھی کیے ہوئے ہے گوارا ترے لیے

نوز شعلہ ہے پردے میں منہ چھپائے ہوئے
مگر کنول ہیں کہ روشن ہیں بے جلائے ہوئے

ہنوز قطرۂ نیساں ہے اور ضمیر سحاب
مگر صدف میں ہیں موتی سے جگمگائے ہوئے

ہنوز سنگ کے سینے میں ہے رخِ اصنام
ابھی سے کتنے برہمن ہیں سر جھکائے ہوئے

ہنوز میان سے باہر نہیں ہوئی ہے وہ تیغ
پڑے ہیں کتنے مگر خون میں نہائے ہوئے

ہنوز غیبت خورشید سے افق ہے اداس
تمام دشت کے ذرے ہیں جگمگائے ہوئے

ہنوز چرخ پہ چھائی نہیں ہے مست گھٹا
چمن کی خاک ہے خود کو دلہن بنائے ہوئے

چٹک رہے ہیں عنادل، مہک رہی ہے نسیم
ہنوز غنچہ ہے بند قبا لگائے ہوئے

نہیں ملا ہے صبا کو ہنوز اذنِ خرام
مگر چراغ ابھی سے ہیں جھلملائے ہوئے

سلگ رہے ہیں برابر ہزارہا خرمن
ہنوز ابر میں بجلی ہے منہ چھپائے ہوئے

ہنوز دور ہے اعلانِ تاج پوشیِ شاہ
کھڑے ہیں کتنے گدا آسرا لگائے ہوئے

کھلے ہوئے ہیں صبا میں ہزارہا نافے
ہنوز زلف میں ہیں وہ گرہ لگائے ہوئے

ہنوز یار ہے خلوت گزین و حجلہ نشین
تمام بزم کے چہرے ہیں مسکرائے ہوئے

سنا ہے جوشؔ، اُٹھے گی کسی کی آنکھ ادھر
دلوں کو لوگ کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

نمایاں منتہائے سعیٔ پیہم ہوتی جاتی ہے
طبیعت بے نیاز ہر دو عالم ہوتی جاتی ہے

اٹھی جاتی ہے دل سے ہیبتِ آلامِ روحانی
جراحت، بہرِ قلبِ زار، مرہم ہوتی جاتی ہے

کنارا کر رہا ہے روح سے ہیجانِ سرتابی
کہ گردن جستجو کے ذوق میں خم ہوتی جاتی ہے

جنوں کا چھا رہا ہے زندگی پر اک دھندلکا سا
خرد کی روشنی سینے میں مدھم ہوتی جاتی ہے

نسیمِ بے نیازی آ رہی ہے بامِ گردوں سے
عروسِ مدعا کی زلف برہم ہوتی جاتی ہے

نمایاں ہو چلا ہے اک جہاں چشم تصور سے
نظر شاید حریف ساغر جم ہوتی جاتی ہے

گرہ یوں کھل رہی ہے ہر نفس ذوق تماشا کی
کہ ہر ادنیٰ سی شے اب ایک عالم ہوتی جاتی ہے

فضا میں کانپتی ہیں دھندلی دھندلی نقرئی شکلیں
ہر اک تخئیل پاکیزہ مجسم ہوتی جاتی ہے

نہ جانے سینۂ احساس پہ یہ بات ہے کس کا
طبیعت بے نیاز شادی و غم ہوتی جاتی ہے

سمجھ میں آ گئیں کیا باریکیاں قانون قدرت کی
عبارت، کثرت معنی سے مبہم ہوتی جاتی ہے

تجلی تھا جس کی شورش سے تلاطم بحر مستی کا
مرے دل میں وہ ہلچل جوش اب کم ہوتی جاتی ہے

☆☆

لے لیا دل اک ہوش ربا نے
کانِ شوخی جانِ حیا نے

آفتِ جانے، فتنۂ شہرے
جانِ جہانے، روحِ روانے

موجِ تبسّم کے دامن میں
برق کی رو، بجلی کے خزانے

وقتِ خرامِ ناز، جِلو میں
صبحِ چمن کے، تازہ ترانے

بکھری اُلجھی زلفِ سیہ میں
شامِ طرب کے، لاکھ فسانے

بجوشِ لعلِ عہد شکن میں
کتنے حیلے ، کتنے بہانے

رقصاں تابِ چشمِ سیہ میں
کیف کے دن ، شورش کے زمانے

رخ پہ کافر زلف کی لہریں
جیسے لیے ، شب کے سہانے

گاہ بہ لب صد چشمۂ نوشیں
گاہ بہ گردن ، تیغ روانے

گاہ بہ خلوت سازِ خموشی!
گاہ بہ جلوت شعلہ زبانے

گاہ بہ گفتار آیۂ رحمت
گاہ بہ رفتار، آبِ روانے

گہ بہ تلطف نرم نسیمے
گہ بہ تحکم سخت کمانے

گاہ ہے شوخیِ مست غزالے
گاہ ہے مستیِ خواب گرانے

گاہ ہے نورِ صبح "بھیجے"
گاہ ہے ابرِ شام "گمانے"

گاہ ہے مسند "گفتہ حدیثے"
گاہ ہے پہلو "رازِ نہانے"

شکر کہ بخت جوش کے عقدے
کھول دیے پھر زلف رسا نے

☆☆

مجھ سے ساقی نے کسی رات کو کہا بات اے جوشؔ
یعنی اضداد ہیں پروردۂ یک ذات اے جوشؔ

مست و بیگانہ گزر جا کرۂ خاکی سے
یہ تو ہے رہگزر سیلِ خیالات اے جوشؔ

اور تو اور خود انسان بہا جاتا ہے
کتنا پرہول ہے طوفانِ روایات اے جوشؔ

لوگ کہتے ہیں حجابات نہیں جز آیات
اُن سے کہیے کہ یہ آیات ہیں خود ذات اے جوشؔ

اہلِ الفاظ ، شریعت پہ مٹے جاتے ہیں
کس کو سمجھاؤں مشیت کے اشارات اے جوشؔ

دیکھیے صبحِ جنوں ، ذہن میں کب طالع ہو
عقل ، سنتا ہوں کہ ہے اک ابدی رات اے جوشؔ

قوتِ کل کے مصالح سے اور اتنے بدظن
وائے بر وعدۂ اہلِ مناجات اے جوشؔ

ساغرِ مے ہی میں ہوتا ہے طلوع اور غروب
آفریں بر دلِ رندانِ خرابات اے جوشؔ

کون مانے گا کہ ہیں عینِ مشیت واللہ
زندگانی کے یہ بگڑے ہوئے عادات اے جوشؔ

تجھ کو کیا فقر میں راحت ہے کہ شاہی میں فراغ
تو تو ہے خلوتیِ پیرِ خرابات اے جوشؔ

☆☆

ادھر مذہب ، ادھر انساں کی فطرت کا تقاضا ہے
وہ دامانِ مہِ کنعاں ہے یہ دستِ زلیخا ہے

ادھر تیری مشیت ہے، ادھر حکمت رسولوں کی
الٰہی! آدمی کے باب میں کیا حکم ہوتا ہے

یہ مانا دونوں ہی دھوکے ہیں رندی ہو کہ درویشی
مگر یہ دیکھنا ہے کون سا رنگین دھوکا ہے

کھلونا تو نہایت شوخ و رنگیں ہے تمدن کا
مُعترف میں بھی ہوں لیکن کھلونا پھر کھلونا ہے

مرے آگے تو اب کچھ دن سے ہر آنسو محبت کا
کنارِ آبِ رکنا باد و گل گشت مصلےٰ ہے

مجھے معلوم ہے جو کچھ تمنا ہے رسولوں کی!
مگر کیا درحقیقت وہ خدا کی بھی تمنا ہے؟

مشیت! کھیلنا زیبا نہیں میری بصیرت سے
اُٹھالے ان کھلونوں کو ، یہ دنیا ہے وہ عقبیٰ ہے

☆☆

بادۂ سرجوش

(2)

قدیم رنگِ تغزل

(غیر مسلسل غزلیں)

سوزِ غم دے کے مجھے اس نے یہ ارشاد کیا
جا تجھے کشمکشِ دہر سے آزاد کیا۔

وہ کریں بھی تو کن الفاظ میں تیرا شکوہ
جن کو تیری نگہِ لطف نے برباد کیا

دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب چلی سرد ہوا میں نے تجھے یاد کیا

اے میں سو جان سے اس طرزِ تکلم کے نثار
پھر تو فرمایئے کیا آپ نے ارشاد کیا

اس کا رونا نہیں کیوں تم نے کیا دل برباد
اس کا غم ہے کہ بہت دیر میں برباد کیا

اتنا مانوس ہوں فطرت سے کلی جب چٹکی
جھک کے میں نے یہ کہا مجھ سے کچھ ارشاد کیا

میری ہر سانس ہے اس بات کی شاہد اے موت
میں نے ہر لطف کے موقع پہ تجھے یاد کیا

مجھ کو تو ہوش نہیں، تم کو خبر ہو شاید
لوگ کہتے ہیں کہ تم نے مجھے برباد کیا

کچھ نہیں اس کے سوا جوش حریفوں کا کلام
وصل نے شاد کیا، ہجر نے ناشاد کیا

☆☆

1922

وہ غریب دل کو سبق ملے کہ خوشی کے نام سے ڈر گیا
کبھی ہنس کے تم نے بھی بات کی تو ہمارا چہرہ اتر گیا

جو بہار ملتی تو پوچھتا کہ کہاں وہ کیف نظر گیا
وہ صبا کی شوخیاں کیا ہوئیں، وہ چمن کا حسن کدھر گیا

تری راہ کا یہ اصول ہے کہ شکست مانے تو فتح ہو
جو چلا اکڑ کے وہ گر پڑا، جو جھکا لرز کے ابھر گیا

میں رموزِ دل سے تھا آشنا، مجھے علم شرط قبول تھا
نہ مری پلک سے نمی گئی، نہ مری دعا سے اثر گیا

وہ شکارِ جلوۂ دہر تھے، میں ہلاک پہ تو یار تھا
وہ سنور سنور کے بگڑ گئے میں بگڑ بگڑ کے سنور گیا

یہ عجیب حسن کے رمز تھے یہ نرالے ناز کے بھید تھے
وہ نقاب اُلٹ کے جو آ گیا، کوئی جی اُٹھا کوئی مر گیا

تمھیں آہیں سننے کا شوق تھا مگر اب بتاؤ کرو گے کیا؟
جو کراہتا تھا تمام شب وہ مریضِ جوشؔ تو مر گیا

☆☆

1922

کعبۂ دیر و حرم یاد آیا
پھر ہمیں کوئے صنم یاد آیا

رخصت اے مطرب رنگیں رخصت
آج پھر دیدۂ نم یاد آیا

در جاناں پہ جبیں سائی کا
پھر ہمیں جاہ و حشم یاد آیا

تھا جو مخصوص پئے نامۂ شوق
پھر وہ قرطاس و قلم یاد آیا

مٹ چلی تھی خلشِ سجدۂ شوق
پھر ترا نقشِ قدم یاد آیا

جس نے پیچیدہ کیے تھے عقدے
پھر اُسی زلف کا خم یاد آیا

ہم نشیں! تو نے بھلایا تھا جسے
پھر ترے سر کی قسم یاد آیا

بزمِ خوباں میں جو حاصل تھا کبھی
جوش کو پھر وہ بھرم یاد آیا

☆☆

1922

990

جواں ہوں ہر چند پھر بھی چہرہ ہے جوش بے آب و تاب میرا
مری عروسِ سخن کے رُخ پر جھلک رہا ہے شباب میرا

جہاں تھا داؤد سا مغنّی، جہاں تھی یوسف سی شمع رنگیں
اُسی شبستاں میں بہرِ نغمہ ہوا ہے اب انتخاب میرا

اُدھر مری نغمہ سنجیوں سے تری جبیں پر ہے اک دمک سی
اِدھر ترے رُخ کی تابشوں سے جھلک رہا ہے رباب میرا

تری تجلّی کہاں نہیں ہے، تری کچھ اس میں خطا نہیں ہے
تخیّل ہے میرا حبابِ ہستی، مری نظر ہے حجاب میرا

جو اشک دل میں کھٹک رہا تھا، ٹپک پڑا صبحِ چشمِ تر سے
سحر کی تنویر پھیلتے ہی ہوا غروب آفتاب میرا

مری فراست میں شیب آکر اضافہ کچھ بھی نہ کر سکے گا
کچھ ایسے پیچیدہ راستوں سے گزر رہا ہے شباب میرا

☆☆

1922

زہر دولت کر چکا جب کام شرم آئی تو کیا
اب ہوس اپنے کیے پر جوش پچھتائی تو کیا

راس اوّل تو نہ آئے گی زمانے کی ہوا
راس بھی دو دن زمانے کی ہوا آئی تو کیا

موت کی جانب مڑا ہے بڑھ کے ہر اک راستہ
زندگی نے عافیت کی راہ دکھلائی تو کیا

صبح کی کرنیں جگا ہی دیں گی خوابِ ناز سے
رات نے کلیوں کی دم بھر آنکھ جھپکائی تو کیا

اصل کی جانب جھکا دے گی زمانے کی ہوا
پنکھڑی بن کر چمن کی خاک اترائی تو کیا

سلسلہ خوابِ پریشاں کا نہ ٹوٹا صبح تک
ہم کو ہجرِ یار میں اے جوش نیند آئی تو کیا

☆☆

1922ء

بے ہوشیوں نے اور خبردار کر دیا
سوئی جو عقل روح کو بیدار کز دیا

اللہ ری حسنِ دوست کی آئینہ داریاں
اہلِ نظر کو نقش بہ دیوار کر دیا

یارب! یہ بھید کیا ہے کہ راحت کی فکر نے
انساں کو اور غم میں گرفتار کر دیا

دل کچھ پنپ چلا تھا تغافل کی رسم سے
پھر تیرے التفات نے بیمار کر دیا

کل اُن کے آگے شرحِ تمنا کی آرزو
اتنی بڑھی کہ نطق کو بیکار کر دیا

مجھ کو وہ بخشتے تھے دو عالم کی نعمتیں
میرے غرورِ عشق نے انکار کر دیا

یہ دیکھ کر کہ اُن کو ہے رنگینیوں کا شوق
آنکھوں کو ہم نے دیدۂ خونبار کر دیا

☆☆

1922

59

جو چاہنا اختیار کرنا
دنیا پہ نہ اعتبار کرنا

اے حشر! یہ تجھ سے التجا ہے
اب ہم کو نہ ہوشیار کرنا

اے بادِ صبا! اُس آشنا کو
ہم سے بھی کبھی دوچار کرنا

حاصل ہو خدا کرے تجھے جوش
نظارۂ روئے یار کرنا

☆☆

1922

995

یہ عجیب رنگ تھا میکشو! کہ ہر ایک چہرے پہ نور تھا
یہ گماں ہے مجھ کو گزشتہ شب کوئی مست تم میں ضرور تھا

میں تڑپ کے حسن کو پا گیا، وہ چمک کے خاک میں مل گیا
میں شہیدِ جلوۂ بے خودی، وہ ہلاکِ رنگِ شعور تھا

مرے سامنے تھا وہ جلوہ گر، اُسے پا سکی نہ مری نظر
یہ ضیائے کثرتِ جلوہ تھی، یہ ہجوم شانِ ظہور تھا

یہ عجیب حسنِ قبول تھا کہ میں خاکِ راہ وفا بنا
ستم زمانہ سے ایک دن مجھے خاک ہونا ضرور تھا

یہ صبا نے خاک اڑائی کیوں، یہ چمک کے غنچے نے کیا کہا؟
مجھے وہم ہوتا ہے ہمنوا! کوئی بھید اس میں ضرور تھا

☆☆

وہ صبر دے کہ نہ دے جس نے بیقرار کیا
بس اب تمھیں پہ چلو ہم نے انحصار کیا

تمھارا ذکر نہیں ہے، تمھارا نام نہیں
کیا نصیب کا شکوہ ہزار بار کیا

ثبوت ہے یہ محبت کی سادہ لوحی کا
جب اُس نے وعدہ کیا ہم نے اعتبار کیا

تأمل ہم نے جو دیکھا سکون و جنبش کا
تو کچھ سمجھ کے تڑپنا ہی اختیار کیا

مرے خدا نے مرے سب گناہ بخش دیے
کسی کا رات کو یوں میں نے انتظار کیا

☆☆

1923

سحر ہوئی مسکرا رہا ہے ہراک ستارے میں نور تیرا
گلوں میں تیری شگفتگی ہے، صبا میں جوشِ سرور تیرا

ہر ایک دانہ ہے ماہ پیکر، ہر ایک ذرّہ ہے رشکِ گوہر
کسے کہوں میں کہ یہ منظر، مری نظر میں ہے نور تیرا

وقارِ دولت، شکوہِ طاقت کسی سے جھکتے نہیں جہاں میں
ہم اہلِ دل کی فروتنی میں بھرا ہوا ہے غرور تیرا

جنوں کے شانوں پہ کیوں پریشاں ہے زلف اُس آفتِ جہاں کی
یہ رازِ دل ہے نہ پا سکے گا کبھی دماغِ شعور تیرا

وہی ہوا، اور کیوں نہ ہوتا، کچھ ایسی اُفتاد ہی تھی دل کی
میں کہہ چکا تھا یہ اک نہ اک دن شکار ہوگا ضرور تیرا

☆☆

1924

ملا جو موقع تو روک دوں گا جلال روزِ حساب تیرا
پڑھوں گا رحمت کا وہ قصیدہ کہ ہنس پڑے گا عتاب تیرا

یہی تو ہیں دو ستونِ محکم! انھیں پہ قائم ہے نظمِ عالم
یہی تو ہے رازِ خلد و آدم، نگاہ میری، شباب تیرا

صبا تصدق ترے نفس پر، چمن ترے پیرہن پہ قرباں
شمیمِ دوشیزگی میں کیسا بسا ہوا ہے شباب تیرا

تمام محفل کے روبرو، گو اُٹھائیں نظریں، ملائیں آنکھیں
سمجھ سکا ایک بھی نہ لیکن سوال میرا جواب تیرا

ہزار شاخیں ادا سے لچکیں، ہوا نہ تیرا سا لوچ پیدا
شفق نے کتنے ہی رنگ بدلے، ملا نہ رنگِ شباب تیرا

اِدھر مرا دل تڑپ رہا ہے، تری جوانی کی جستجو میں
اُدھر مرے دل کی آرزو میں مچل رہا ہے شباب تیرا

رہے گی دونوں کا چاک پردہ، رہے گا دونوں کو کر کے رسوا
یہ شورشِ ذوقِ دید میری، یہ اہتمامِ حجاب تیرا

جڑیں پہاڑوں کی ٹوٹ جاتیں، فلک تو کیا، عرش کانپ اُٹھتا
اگر میں دل پہ نہ روک لیتا تمام زورِ شباب تیرا

بھلا ہوا جوش نے ہٹایا نگاہ کا چشمِ تر سے پردہ
بلا سے جاتی رہیں مگر آنکھیں کھلا تو بندِ نقاب تیرا

☆☆

1925

کیوں چپ ہیں سب مریضِ محبت کو کیا ہوا؟
اُن کا یہ پوچھنا تھا کہ محشر بپا ہوا

زحمت نہ ہو تو در پہ ذرا چل کے دیکھ لو
آیا ہے کوئی اپنا پتا پوچھتا ہوا

یہ میرا ذوقِ بادہ کشی، اور یہ تشنگی
معبود! تری شانِ کریمی کو کیا ہوا؟

اک تم کہ اہلِ دل کی نظر پر چڑھے ہوئے
اک میں کہ ہوں خود اپنی نظر سے گرا ہوا

شاعر کا دل، مناظرِ قدرت سے بے نیاز
پیغمبر اور کلامِ خدا سے بھرا ہوا

☆☆

1925

خاک میں پیدا غرور کیمیا ہو جائے گا
جس صنم کو عشق پوجے گا خدا ہو جائے گا

عشق بھی کیا شے ہے تم جس شغل سے رکھو گے ربط
وہ ہماری زندگی کا مدعا ہو جائے گا

عقل کہتی ہے غلط ہے ایک اک پیمانِ دوست
عشق کہتا ہے کہ ہر وعدہ وفا ہو جائے گا

ہر تمنا کے نکلنے پہ نہ ہو اتنا مصر
ورنہ اپنی زندگی سے تو خفا ہو جائے گا

جوش میرے حق میں جو بت بن چکا تھا برہمن
کیا خبر تھی برہمن بن کر خدا ہو جائیگا

☆☆

1926

کیوں چپ ہیں سب مریضِ محبت کو کیا ہوا؟
اُن کا یہ پوچھنا تھا کہ محشر بپا ہوا

زحمت نہ ہو تو در پہ ذرا چل کے دیکھ لو
آیا ہے کوئی اپنا پتا پوچھتا ہوا

یہ میرا ذوقِ بادہ کشی، اور یہ تشنگی
معبودا! تری شانِ کریمی کو کیا ہوا؟

اک تم کہ اہلِ دل کی نظر پہ چڑھے ہوئے
اک میں کہ ہوں خود اپنی نظر سے گرا ہوا

شاعر کا دل، مناظرِ قدرت سے بے نیاز
پیغمبر اور کلامِ خدا سے پھرا ہوا

☆☆

خاک میں پیدا غرور کیمیا ہو جائے گا
جس صنم کو عشق پوجے گا خدا ہو جائے گا

عشق بھی کیا شے ہے تم جس شغل سے رکھو گے ربط
وہ ہماری زندگی کا مدعا ہو جائے گا

عقل کہتی ہے غلط ہے ایک اک پیمان دوست
عشق کہتا ہے کہ ہر وعدہ وفا ہو جائے گا

ہر تمنا کے نکلنے پہ نہ ہو اتنا مصر
ورنہ اپنی زندگی سے تو خفا ہو جائے گا

جوش میرے حق میں جو بت بن چکا تھا برہمن
کیا خبر تھی برہمن بن کر خدا ہو جائیگا

☆☆

1926

پہچان گیا، سیلاب ہے اس کے سینے میں ارمانوں کا
دیکھا جو سفینے کو میرے جی چھوٹ گیا طوفانوں کا

یہ شوخ فضا یہ تازہ چمن، یہ مست گھٹا یہ سرد ہوا
کافر ہے اگر اس وقت بھی کوئی رُخ نہ کرے میخانوں کا

یہ کس کی حیات افروز نظر نے چھیڑ دیا ہے عالم کو
ہر خاک کے ادنیٰ ذرّے میں ہنگامہ ہے لاکھوں جانوں کا

مطرب بربط ہات سے رکھ دے ماضی نے در کھول دیا
فریاد کہ چھو کر ٹوٹ گیا پھر کانٹا سا ارمانوں کا

ہاں ظلم و ستم سے بھی قدرے پڑتی ہیں خراشیں سینے میں
سب سے ہے مہلک زخم مگر اے حسن! ترے احسانوں کا

اے دینِ وفا، اے جانِ کرم! یوں غم میں نہ میرا ہاتھ بٹا
مر جاؤں گا میں، اے شمع خدارا، روپ نہ بھر پروانوں کا

دنیا نے فسانوں کو بخشی افسردہ حقائق کی تلخی
اور ہم نے حقائق کے نقشے میں رنگ بھرا افسانوں کا

کمبخت جوانی سینے میں ناگن کی طرح لہراتی ہے
ہر موجِ نفس اک طوفاں ہے کونین شکن ارمانوں کا

انگڑائی لگاوٹ سے لے کر آنکھوں کو یہ کس نے گردش دی
کلیوں کو ٹھنڈے آئے پسینے رنگ اُڑا پیمانوں کا

اے جوشؔ جنوں کی شام و سحر میں وقت کی یہ رفتار نہیں
داناؤں کی طولانی صدیاں اور ایک نفس دیوانوں کا

☆☆

1926

ابھار کر مٹائے جا بگاڑ کر بنائے جا
کہ میں ترا چراغ ہوں جلائے جا بجھائے جا

ہنوز شہریاریاں رہین کبر و ناز ہیں
مآل تاج و تخت کی کہانیاں سنائے جا

رُخِ نگارِ زندگی نقاب در نقاب ہے
نہ ہوگا ختم سلسلہ مگر نقاب اُٹھائے جا

جنوں کی شاہ راہ سے نہ ہٹ سکا قدم مرا
خرد نے لاکھ دی صدا مجھے بھی آزمائے جا

فغاں کہ مجھ غریب کو حیات کا یہ حکم ہے
سمجھ ہر ایک راز کو مگر فریب کھائے جا

☆☆

1926

ہٹ گئے دل سے تیرگی کے حجاب
آفریں اے نگاہِ عالم تاب

آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں
مشورے دے کے ہٹ گئے احباب

کیا قیامت تھی صبر کی تلقین
اور بھی روح ہوگئی بیتاب

بارے اُٹھے تو ناصحِ مشفق!
ہاں کدھر ہے صراحیِ مے ناب

1006

ہاں اثر اب ہوا محبت کا
ہم سے آنے لگا ہے ان کو حجاب

شب جو بیٹھے وہ میرے پہلو میں
مسکرانے لگی شب مہتاب

جوش کھلتی تھی جن سے دل کی کلی
کیسے وہ لوگ ہوگئے نایاب

☆☆

1924

چاندنی میں آپ یاد آئے بہت
شب کو آنسو ہم نے ٹپکائے بہت

ہم نہ آتا تھا نہ آئے دام میں
ناز اس دنیا نے دکھلائے بہت

کل جو آئے وہ عیادت کو مری
سوچ کر کچھ جی میں پچھتائے بہت

☆☆

1922

مل گئی کشمکشِ تلخیِ دوراں سے نجات
واہ کیا بات ہے اے دلبرِ شیریں حرکات

خاک پر نور کی تحریر نظر آتی ہے
مجھ کو ہیں عرش کے ٹوٹے ہوئے تارے ذرّات

عشق کی مشقِ تصور کو نہ ٹھکرا غافل
مجلسِ کفر نہیں انجمنِ لات و منات

دیکھ گردوں کے صحیفے کو اُلٹ کر اوراق
جانچ تاروں پہ کہ تارے تو فقط ہیں شذرات

جس کو کہتی ہے چٹکتے ہوئے غنچے دنیا
میرے نزدیک ہیں اس جانِ چمن کے کلمات

جوش راتوں کی خموشی میں دمِ فکرِ سخن
نبضِ کونین کی سنتا ہوں صدائے ضربات

☆☆

1929

کشتیِ مے کو اے خدائے صبوح
بخش دے قسمتِ سفینۂ نوح

بخش اس جسمِ پاک جوہر کو
مرگ فرسائی جلالتِ روح

چشمۂ زندگی ہو مدح سرا
ارغوانی شراب ہو ممدوح

بادہ ہے اس طرف اُدھر کوثر
اس کو فاتح بنا، اسے مفتوح

آنچ آئے نہ مے پہ اے معبود!
تیرے بندے ہیں خستہ و مجروح

☆☆

1924

۱۵۱۵

سامنے آسانیاں آتی ہیں دشواری کے بعد
روح کو ہوتی ہے صحت، دل کی بیماری کے بعد

کھلتے ہیں انساں پہ نیرنگیِ قدرت کے راز
اشکِ خوں آلود سے چہرے پہ گلکاری کے بعد

کیوں جنوں ہم کو نہ ہوتا یہ ہے اک رسم قدیم
عقل سو جاتی ہے اکثر دل کی بیداری کے بعد

سب سے پہلے اُس جفا پرور کا آتا ہے خیال
دفعتاً وقتِ سحر اے جوشؔ بیداری کے بعد

☆☆

1924

ہوئی جاتی ہے زندگی برباد
اے مرے دیر آشنا! فریاد

ترک کر دوں گا شغلِ مے ناصح!
ہاں سر آنکھوں پہ آپ کا ارشاد

اُن کی صرف اک نگاہ کی خاطر
بیچ دی ہم نے عزتِ اجداد

مست باش اے نگاہِ بادہ فروش
ہو گئے کتنے میکدے برباد

ہم بھی آخر خدا کے بندے ہیں
کوئی حد بھی ہے او ستم ایجاد؟

جوشؔ اپنی سحر پرستی سے
جاگ اٹھی قسمتِ ملیح آباد

☆☆

1922

آزادہ منش رہ دنیا میں، پروائے اُمید و بیم نہ کر
جب تک نہ ملیں فطرت کے قدم، خم دیکھ سر تسلیم نہ کر

سینے میں ہے اس کے سوز اگر شیطاں کے قدم لے آنکھوں پر
بیگانۂ دردِ دل ہے اگر جبریل کی بھی تعظیم نہ کر

کتنی ہی شعاعیں ابر میں ہوں خورشیدِ جنوں پر ایماں لا
کتنے ہی دلائل روشن ہوں دانش کو کبھی تسلیم نہ کر

سانچوں میں برابر ڈھلتا جا، رفتارِ جہاں سے پھیر نہ منھ
تنسیخ تو کیا اس دفتر میں جینا ہے تو کچھ ترمیم نہ کر

اے جوش ہجومِ کلفت میں فریاد و فغاں سے کام نہ لے
گھٹ جائے گا اس سے دل کا اثر اجزائے تپش تقسیم نہ کر

☆☆

1924

1013

عشووں کو چین ہی نہیں آفت کیے بغیر
تم اور مان جاؤ شرارت کیے بغیر

اہلِ نظر کو یار دکھاتا رہ وفا
اے کاش ذکرِ دوزخ و جنت کیے بغیر

اب دیکھ اس کا حال کہ آتا نہ تھا قرار
خود تیرے دل کو جس پہ عنایت کیے بغیر

اے ہمنشیں محال ہے ناصح کا ٹالنا
یہ اور یہاں سے جائیں نصیحت کیے بغیر

1014

تم کتنے تند خو ہو کہ پہلو سے آج تک
اک بار بھی اُٹھے نہ قیامت کیے بغیر

چلتا نہیں ہے محفلِ حسن جواں میں کام
ہر جنبش نظر سے عبادت کیے بغیر

مانا کہ ہر قدم پہ قیامت ہے پھر بھی جوش
بنتا نہیں کسی سے محبت کیے بغیر

☆☆

1924

ہلال سر پہ ہے، بیٹھا ہوں کیف میں سرشار
خموش رات کے جنبش میں ہیں لبِ گفتار

مرے ضمیر میں کچھ دن سے ہے وہ کیفیت
فرازِ چرخ پہ جس طرح صبح کے آثار

ہوا کی زد میں کئی دن سے کہہ رہا ہے کوئی
کہ تجھ سے رازِ دوعالم ہے مائلِ گفتار

میں ہوں تو ذرۂ خاکی مگر وہ ذرّہ ہوں
جو آفتاب سے رہتا ہے برسرِ پیکار

ازل سے گرم عمل گو ہے مذہب و اخلاق
فغاں کہ آج تک انسانیت ہے سینہ فگار

اس انجمن میں زاہد تجھے غرور صلوٰۃ
جس انجمن میں عصمت کو جرم کا اقرار

خدا کی شان وہاں نازِ پاک دامانی
جہاں زبانِ رسالت ہے محوِ استغفار

وہ روح سینۂ عالم میں ہے جو خوابیدہ
خدا کا شکر کہ میرے نفس میں ہے بیدار

☆☆

1924

بہتر تو یہی ہے ہنستا رہ تو کوہ ہے خود کو کاہ نہ کر
یہ بن نہ پڑے تو کم سے کم خاموش ہی رہ اور آہ نہ کر

کچھ دن میں یہ دنیا غش کھا کر قدموں پہ ترے جھک جائے گی
غوغائے مصائب سے نہ جھجک پروائے غم جانکاہ نہ کر

جو قلب پہ عالم طاری ہو، کچھ عقل کو اس میں راہ نہ دے
ان روح کے گہرے رازوں سے اپنے کو بھی تو آگاہ نہ کر

☆☆

1018

اے قیامت نگاہ و برقِ جمال
خونِ اہلِ نظر ہے تجھ کو حلال

دلِ آشفتہ کار کے ہاتھوں
زندگی ہم کو ہوگئی ہے وبال

آنکھیں پھر جوش ڈھونڈتی ہیں انھیں
کل سے پھر مست ہے نسیمِ شمال

☆☆

1922

آستاں پر جب کسی کافر کے جھک جاتا ہے دل
اپنے سجدے کا حرم کو حکم فرماتا ہے دل

سخت حیراں ہوں کہ ہستی کے بلند و پست سے
کتنی آہستہ خرامی سے گزر جاتا ہے دل

آنے والا ہے یکایک کیا مسرت کا پیام؟
بیٹھے بیٹھے آج کیوں میرا بھرا آتا ہے دل

اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں قدسی کانپنے لگتا ہے عرش
جب کسی معشوق کا عاشق پہ آ جاتا ہے دل

1020

ہم نشیں! الفاظ میں تشریح ہو سکتی نہیں
کیا بتاؤں کس طرح راتوں کو گھبراتا ہے دل

سچ بتا اے ہم نشیں کیا عشق اسی کا نام ہے؟
سانس کے ہمراہ سینے سے اڑا جاتا ہے دل

ایسے سجدے بھی کبھی دیکھے ہیں اے فرشِ حرم؟
سر تو کیا ان کی طرف میرا جھکا جاتا ہے دل

آہ یہ دنیا! کہاں ہے موت؟ او کمبخت موت
میرا اس ویران آبادی میں گھبراتا ہے دل

☆☆

1921

اُن سے جاکر صبا یہ کہہ پیغام
نیند راتوں کی ہوگئی ہے حرام

اے فدا تجھ پہ دین و دل میرا
جلوہ گستر ہو میرے ماہِ تمام

یہ چلا کون اُٹھ کے پہلو سے؟
دل کی بستی میں پڑ گیا کہرام

جتنے آشفتہ حال شہر میں ہیں
جوش کو مانتے ہیں اپنا امام

☆☆

1921

بازو ملا کے اُڑتے ہیں روح الامیں سے ہم
کرتے ہیں سیرِ عالمِ بالا یقیں سے ہم

لب اپنے بند رکھتے ہیں غوغائے عام میں
کھلتے ہیں نکتہ سنج و سخن آفریں سے ہم

اے ساکنانِ دیر و حرم کہہ رہے ہو کیا؟
باہر کھڑے ہیں حلقۂ دنیا و دیں سے ہم

اے غنچۂ صباح! نہ یوں مسکرا کے دیکھ
واقف ہیں ان کے خندۂ ناز آفریں سے ہم

دامن کسی کا ہاتھ میں آکر نکل گیا
بیٹھے پسینہ پونچھ رہے ہیں جبیں سے ہم

شکرِ خدا کہ اتنے مصائب کے باوجود
واقف نہیں ہیں خاطرِ اندوہ گیں سے ہم

اہلِ جہاں ہمارا نشیمن ہے آسماں
نا آشنا ہیں رسم و رواجِ زمیں سے ہم

ہم بیکسوں کی شان کبھی میکدے میں دیکھ
کرتے ہیں ناز جب فلکِ ہفت میں سے ہم

معنی چھپا رہا ہے ہر اک اپنے طور پر
کیا جوش کہہ گئے نگہِ واپسیں سے ہم

☆☆

1926

اپنی ان انکھڑیوں کی تجھ کو قسم
ہاں ادھر بھی کبھی نگاہ کرم

آنے والی ہے کیا بلا سر پہ
آج پھر دل میں درد ہے کم کم

لذتِ مرگ اے معاذاللہ
وائے بر خضر و عیسیٰ مریم

1025

یوں بھی اے دل کوئی دھڑکتا ہے
کاکلیں اُن : کی ہوگئیں برہم

تیری رفتارِ ناز کے قرباں
بنتے ہیں میرے دل پہ نقشِ قدم

یوں نہ چھیڑو کہ ہاتھ سے کھو کر
پھر بہت. تم کو یاد آئیں گے ہم

چین سے بیٹھنے نہیں دیتی
جوش اس دل کی کاوشِ پیہم

☆☆

1923

ترے سنگِ در نے بدل دیا ہے یہ پستیوں کو فراز میں
کہ ہزار طور جھلک رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

مرا پیرہن نہیں چاک ابھی مجھے رحم کھا کے سنگھا بھی دے
یہ مہک جنوں کی بھری ہوئی ہے جو تیری زلفِ دراز میں

یہ وفا کا رنگ شکستہ ہے مری حسرتوں کا یہ خون ہے
یہ گلاب کی سی جو سرخیاں ہیں ترے تبسمِ ناز میں

یہ ترے غرور کو کیا خبر کہ ازل کے روز سے دخل ہے
مرے عشقِ سادہ مزاج کو ترے حسنِ عشوہ طراز میں

چمک اے حقیقت داستاں مجھے تازہ سانچے میں ڈھال دے
میں وہ شمع ہوں جو پگھل چکی ہے تمام بزم مجاز میں

جو بہار عشق ہو دیکھنا کبھی غزنوی پہ نگاہ کر
کہ شمیم گلشن خسروی ہے جاہ کوئے ایاز میں

نظر آئینے پہ ہے انکھڑیوں میں طلوع صبح کا رنگ ہے
وہ بجھا کے شمع سنور رہے ہیں سحر کو خلوت ناز میں

یہ ستارۂ سحری کی ضو ہے افق کی سرخ بساط پہ
کہ دل نیاز دھڑک رہا ہے کسی کے پہلوئے ناز میں

مجھے ان کا محرم راز کر انھیں میرے واسطے کھول دے
یہ جو خط سے تیری جبیں پہ ہیں یہ جو خم ہیں زلف دراز میں

جو صنم کدوں میں بیاں کروں تو صنم بھی سجدوں میں گر پڑیں
وہ ملا ہے پچھلے پہر مزا مرے دل کو جوش نماز میں

☆☆

1922

جہنم سرد ہے جنت کے در کھلوائے جاتے ہیں
سرِ محشر پجاری حسن کے بلوائے جاتے ہیں

غضب ہے یہ ادا اُن کی دمِ آرائشِ گیسو
جھکی جاتی ہیں آنکھیں خود بخود شرمائے جاتے ہیں

طلسمِ دہر کے اسرار کھل جائیں عجب کیا ہے
اب اپنے دل کے کچھ آثار ایسے پائے جاتے ہیں

سحر کی ضو شفق کی سرخیاں برسات کے بادل
مجھے ہمراز پا کر یہ مناظر کھائے جاتے ہیں

نہ جانے کتنی رنگیں صحبتیں ہیں میری نظروں میں
بس اے مطرب مری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں

شب وعدہ یہ کیسی تیرگی ہے؟ وقت کیا ہوگا؟
تمناؤں کے غنچے ہم نفس کھلائے جاتے ہیں

کوئی حد ہی نہیں اس احترام آدمیت کی
بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

بہت جی خوش ہوا اے ہم نشیں کل جوش سے مل کر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

☆☆

1926

سمجھے گا اس کا درد کون شورشِ کائنات میں
تو نے جسے مٹا دیا پردۂ التفات میں

آنکھیں تری اُداس ہیں رخصتِ عشوہ دے اُنھیں
برقِ نظر چھپی ہے کیوں ابرِ التفات میں

سانس میں بوئے بادہ ہے سجدے میں پائے یار پر
اب بھی دماغِ زہد کو شک ہے مری نجات میں

تاروں کی جھلکیوں ہی پر کیجیے کیوں نہ اکتفا
ڈھونڈیے آفتاب کیوں جوشؔ اندھیری رات میں

☆☆

آنکھیں اٹھکیلیوں سے مل نیند ہے چشم ناز میں
بھر دے حنا کا رنگ بھی نرگسِ نیم باز میں

چھیڑوں کبھی جو رات کو تاروں سے خوں ٹپک پڑے
درد بھرا ہوا ہے وہ دل کے شکستہ ساز میں

میرے گدازِ عشق کا تم پہ اثر ہوا ضرور
ناز کا رنگ آ چلا پھر سے دلِ نیاز میں

دیکھنا ٹوٹنے پہ ہے جوش کا دل بھی عنقریب
ذکر تھا کل یہ حسن کے خلوتیانِ راز میں

☆☆

1921

1032

یہ ہم جو تابشِ حسنِ بشر کو دیکھتے ہیں
کسے خبر کہ خود اپنی نظر کو دیکھتے ہیں

وہ داغِ سینۂ شاعر کو دیکھ سکتے کاش
جو لوگ شعر کے عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

قفس کے دیکھنے والے بڑی حقارت سے
پلٹ پلٹ کے مرے بال و پر کو دیکھتے ہیں

کھلا ہو وہم کا کھٹکا تو ہے انھیں جذبِ شوق
اداس ہو کے مگر نامہ بر کو دیکھتے ہیں

ہمیں نہیں ہے کچھ اعمالِ جوش سے مطلب
کہ ہم تو صرف متاعِ ہنر کو دیکھتے ہیں

☆☆

پایانِ عشق بستۂ دام ہوا نہیں
صد شکر دل میں اب خلشِ مدعا نہیں

گمراہ ہو نہ جاؤں میں اے حسنِ بے نقاب
اس خیرگی میں مجھ کو تو کچھ سوجھتا نہیں

کس حد کا دلنشیں ہے محبت کا بھی سبق
اک بار جس کو یاد ہوا بھولتا نہیں

ساقی نگاہِ کم سے ہمیں دیکھتا ہے جو
دراصل وہ غریب ہمیں جانتا نہیں

اس نامراد عشق کی تلخی کو کیا کروں
ہر چند جس سے کام ہے وہ بے وفا نہیں

واقف ہے جوشِ عشق سے اپنے تمام شہر
اور ہم یہ جانتے ہیں کوئی جانتا نہیں

☆☆

1923

یہ بات یہ تبسم یہ ناز یہ نگاہیں
آخر تمھیں بتاؤ کیوں کر نہ تم کو چاہیں

اب سر اُٹھا کہ میں نے شکووں سے ہات اُٹھایا
مرجاؤں گا ستمگر نیچی نہ کر نگاہیں

کچھ گل ہی سے نہیں ہے روحِ نمو کو رغبت
گردن میں خار کی بھی ڈالے ہوئے ہے باہیں

اللہ ری دلفریبی جلووں کے بانکپن کی
محفل میں وہ جو آئے کج ہوگئیں کلاہیں

یہ بزم جوش کس کے جلووں کی رہگزر ہے
ہر ذرّے میں ہیں غلطاں اُٹھتی ہوئی نگاہیں

☆☆

1924

اے شوق مجھے گمراہ نہ کر شورش کے لیے اسباب نہیں
اُمید کے اُجڑے گلشن میں اک پھول بھی اب شاداب نہیں

اب عشق کا چہرہ کیا دیکھوں اے حسن ترے آئینے میں
احساس کی آنکھیں دھندلی ہیں اُمید کے رُخ پر آب نہیں

اب دل کا سفینہ کیا ابھرے طوفاں کی ہوائیں ساکن ہیں
اب بحر سے کشتی کیا کھیلے، موجوں میں کوئی گرداب نہیں

پھر جوش فسردہ خاطر ہے اے عہدِ تمنا واپس آ
آسائشیں کھائے جاتی ہیں تمکین کی دل کو تاب نہیں

☆☆

1923

یہ ہم جو تابشِ حسنِ بشر کو دیکھتے ہیں
کسے خبر کہ خود اپنی نظر کو دیکھتے ہیں

وہ داغِ سینۂ شاعر کو دیکھ سکتے کاش
جو لوگ شعر کے عیب و ہنر کو دیکھتے ہیں

قفس کے دیکھنے والے بڑی حقارت سے
پلٹ پلٹ کے مرے بال و پر کو دیکھتے ہیں

برا ہو وہم کا لکھا تو ہے انھیں خطِ شوق
اداس ہو کے مگر نامہ بر کو دیکھتے ہیں

ہمیں نہیں ہے کچھ اعمالِ جوش سے مطلب
کہ ہم تو صرف متاعِ ہنر کو دیکھتے ہیں

☆☆

1925

پایانِ عشق بستۂ دام ہوا نہیں
صد شکر دل میں اب خلش مدعا نہیں

گمراہ ہو نہ جاؤں میں اے حسن بے نقاب
اس خیرگی میں مجھ کو تو کچھ سوجھتا نہیں

کس حد کا دلنشیں ہے محبت کا بھی سبق
اک بار جس کو یاد ہوا بھولتا نہیں

ساقی نگاہِ کم سے ہمیں دیکھتا ہے جو
دراصل وہ غریب ہمیں جانتا نہیں

اس نامراد عشق کی تلخی کو کیا کروں
ہر چند جس سے کام ہے وہ بے وفا نہیں

واقف ہے جوشِ عشق سے اپنے تمام شہر
اور ہم یہ جانتے ہیں کوئی جانتا نہیں

☆☆

1923

یہ بات یہ تبسم یہ ناز یہ نگاہیں
آخر تمھیں بتاؤ کیوں کر نہ تم کو چاہیں

اب سر اُٹھا کہ میں نے شکووں سے ہات اُٹھایا
مرجاؤں گا ستمگر نیچی نہ کر نگاہیں

کچھ گل ہی سے نہیں ہے روحِ نمو کو رغبت
گردن میں خار کی بھی ڈالے ہوئے ہے باہیں

اللہ ری دلفریبی جلووں کے بانکپن کی
محفل میں وہ جو آئے کج ہو گئیں کلاہیں

یہ بزم جوش کس کے جلووں کی رہگزر ہے
ہر ذرّے میں ہیں غلطاں اُٹھتی ہوئی نگاہیں

☆☆

1924

اے شوق مجھے گمراہ نہ کر شورش کے لیے اسباب نہیں
اُمید کے اُجڑے گلشن میں اک پھول بھی اب شاداب نہیں

اب عشق کا چہرہ کیا دیکھوں اے حسن ترے آئینے میں
احساس کی آنکھیں دھندلی ہیں اُمید کے رُخ پر آب نہیں

اب دل کا سفینہ کیا اُبھرے طوفاں کی ہوائیں ساکن ہیں
اب بحر سے کشتی کیا کھیلے، موجوں میں کوئی گرداب نہیں

پھر جوشِ فسردہ خاطر ہے اے عہدِ تمنا واپس آ
آسائشیں کھائے جاتی ہیں تسکین کی دل کو تاب نہیں

☆☆

1923

دیر سے منتظر ہوں میں بیٹھ نہ یوں حجاب میں
تاروں کی چھاؤں میں ذرا آ مرے دل خراب میں

کس سے کہوں میں داستاں طول شب فراق کی
جاگ رہا ہوں ایک میں سارا جہاں ہے خواب میں

اس سے ڈرو وہ فتنۂ بزم حیات ہے جسے
شیب میں تاب سے نہ ہو عشق نہ ہو شباب میں

عرش سے آئی یہ صدا بخش دیے ترے گناہ
یاد کیا کسی کو یوں کل شب ماہتاب میں

یوں تو حریم ناز میں کتنے ہی دل ہوئے تھے پیش
حکم شکستگی ہوا میرے ہی دل کے باب میں

مضطر و بیقرار ہوں جوشؔ وہ خود مرے لیے
کاش اک ایسی رو بھی ہو دہر کے انقلاب میں

☆☆

1922

زمانے کا خدا حافظ کہ جتنے دل میں چھالے ہیں
وہ اب الفاظ بن کر میرے لب تک آنے والے ہیں

کہیں آبادیِ صحرا میں جی اپنا نہیں لگتا
بتا اے وحشتِ دل ہم کہاں کے رہنے والے ہیں

بگولے اٹھ رہے ہیں دیدۂ حیراں نظارہ کر
نہیں معلوم ان میں کس قدر نازوں کے پالے ہیں

کھڑی بنیاد ہے انسانیت کی صبر و تمکیں پر
یہ وہ کہنا ہے جس نے زلزلے روحوں میں ڈالے ہیں

☆☆

1921

ظالم! یہ خموشی بجا ہے اقرار نہیں انکار تو ہو
اک آہ تو نکلے توڑ کے دل، نغمے نہ سہی جھنکار تو ہو

ہر سانس میں صد ہا نغمے ہیں ہر ذرّے میں لاکھوں جلوے ہیں
جاں محوِ رموزِ ساز تو ہو دل جلوہ گہہ انوار تو ہو

شاخوں کی لچک ہر فصل میں ہے ساقی کی جھلک ہر رنگ میں ہے
ساغر کی کھنک ہر ظرف میں ہے مخمور تو ہو سرشار تو ہو

کیوں گر نہ شب مہ روشن ہو کیوں صبح نہ دامن چاک کرے
کچھ وصفِ رموزِ حُسن تو ہو کچھ شرحِ جمالِ یار تو ہو

جتنے میں خطائیں منتظر ہیں انعام کا وہ اقرار کریں
منصور ہزاروں اب بھی ہیں اے جوش صلے میں وار تو ہو

☆☆

1921

نور رگوں میں دوڑ جائے، پردۂ دل جلا تو دو
دیکھنا رقص پھر مرا پہلے نقاب اُٹھا تو دو

رنگ ہے زرد کیوں مرا، حال ہے غیر کس لیے؟
ہو جو بڑے ادا شناس اس کا سبب بتا تو دو

میرے مکاں میں تم کہیں، میں ہوں مکاں سے بےخبر
ڈھونڈ ہی لوں گا میں تمھیں مجھ کو مرا پتا تو دو

ہو کہ نہ ہو مجھے سکون یہ تو خدا کو علم ہے
نزع میں آ کے سامنے ناز سے مسکرا تو دو

لطف نہیں جفا سہی، زیست نہیں قضا سہی
غمزۂ ناروا سہی، عشق کا کچھ صلا تو دو

1040

تم کو غرور ناز ہے تم ہو تغافل آشنا
اچھا اگر یہ بات ہے دل سے مجھے بھلا تو دو

اس سے تمھیں غرض نہیں جلنے لگے کہ جل اُٹھے
محفلِ حیاتِ جوشؔ پہ برقِ نظر گرا تو دو

☆☆

1922

اس بات کی نہیں ہے کوئی انتہا نہ پوچھ
اے مدعائے خلق! مرا مدعا نہ پوچھ

کیا کہہ کے پھول بنتی ہیں کلیاں گلاب کی؟
یہ راز مجھ سے بلبلِ شیریں نوا نہ پوچھ

جتنے گدا نواز تھے کب کے گزر چکے
اب کیوں بچھائے بیٹھے ہیں ہم بوریا؟ نہ پوچھ

پیشِ نظر ہے پست و بلند رہِ جنوں
ہم بیخودوں سے قصۂ ارض و سما نہ پوچھ

سنبل سے واسطہ نہ چمن سے مناسبت
اُس زلفِ مشکبار کا حال اے صبا نہ پوچھ

صد محفلِ نشاط ہے، اک شعرِ دل نشیں
اس بربطِ سخن میں ہے کس کی صدا نہ پوچھ

کر رحم میرے جیب و گریباں پہ ہم نفس
چلتی ہے کوئے یار میں کیوں کر ہوا نہ پوچھ

رہتا نہیں ہے دہر میں جب کوئی آسرا
اُس وقت آدمی پہ گزرتی ہے کیا؟ نہ پوچھ

ہر سانس میں ہے چشمۂ حیوان و سلسبیل
پھر بھی میں تشنہ کام ہوں یہ ماجرا نہ پوچھ

بندہ ترے وجود کا منکر نہیں مگر
دنیا نے کیا دیے ہیں سبق اے خدا نہ پوچھ

کیوں جوشؔ رازِ دوست کی کرتا ہے جستجو
کہہ دو کوئی کہ شاہ کا حال اے گدا نہ پوچھ

☆☆

1926

غرورِ اہلِ زمانہ سے گیر و دار نہ پوچھ
دماغِ کبر گدایانِ کوئے یار نہ پوچھ

بساطِ عالمِ امکاں اُلٹ نہ جائے کہیں
نہ پوچھ بہرِ خدا شرحِ حسنِ یار نہ پوچھ

چٹکنے لگتے ہیں کیوں اشک خندۂ گل سے؟
یہ رازِ دوست ہے اے نکہتِ بہار نہ پوچھ

ہوا غروب کی ساحل پہ جب سنی ہے
دلِ حزیں میں محبت کا خلفشار نہ پوچھ

عذابِ قبر پہ ہنستا ہوں مختصر یہ ہے
کشاکشِ غمِ شبہائے انتظار نہ پوچھ

سوائے حسن اُٹھاتا نہیں کسی کا بھی ناز
نزاکتِ دلِ اربابِ انکسار نہ پوچھ

☆☆

1926

دل پہ وہ زخم کھائے ہیں کہ نہ پوچھ
لطف بھی وہ اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ[1]

اُن کی رفتار نے زمانے میں
ایسے فتنے جگائے ہیں کہ نہ پوچھ

میرے سینے میں ذوقِ تمکیں نے
وہ تلاطم مچائے ہیں کہ نہ پوچھ

عشق کی بے خودی کے عالم میں
ہم نے وہ بھید پائے ہیں کہ نہ پوچھ

۱۔ اس شعر کے کہنے کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ اس کا دوسرا مصرع داغ کے ایک مصرع کے قریب قریب ہے۔ مگر شعر کہتے وقت مجھے اس کا علم نہ تھا اس لیے اسے باقی رہنے دیا گیا۔

صرف اک حسرتِ تجسم میں
اتنے آنسو بہائے ہیں کہ نہ پوچھ

حسنِ کافر نے اپنے قدموں پہ
اتنے مومن جھکائے ہیں کہ نہ پوچھ

ہم نے آرام کی تمنا میں
اتنے صدمے اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ

جوشؔ ان انکھڑیوں کی بجلی نے
اتنے خرمن جلائے ہیں کہ نہ پوچھ

☆☆

1926

دل پہ وہ زخم کھائے ہیں کہ نہ پوچھ
لطف بھی وہ اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ[1]

اُن کی رفتار نے زمانے میں
ایسے فتنے جگائے ہیں کہ نہ پوچھ

میرے سینے میں ذوقِ تمکیں نے
وہ تلاطم مچائے ہیں کہ نہ پوچھ

عشق کی بے خودی کے عالم میں
ہم نے وہ بھید پائے ہیں کہ نہ پوچھ

۱۔ اس شعر کے کہنے کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ اس کا دوسرا مصرع داغ کے ایک مصرع کے قریب قریب ہے۔ مگر شعر کہتے وقت مجھے اس کا علم نہ تھا اس لیے اسے باقی رہنے دیا گیا۔

صرف اک حسرتِ تبسم میں
اتنے آنسو بہائے ہیں کہ نہ پوچھ

حسنِ کافر نے اپنے قدموں پہ
اتنے مومن جھکائے ہیں کہ نہ پوچھ

ہم نے آرام کی تمنا میں
اتنے صدمے اُٹھائے ہیں کہ نہ پوچھ

جوشؔ ان انکھڑیوں کی بجلی نے
اتنے خرمن جلائے ہیں کہ نہ پوچھ

☆☆

1926

آزمانا اگر ہے تیرِ نگاہ
یہ جگر ہے یہ دل ہے بسم اللہ

خون رو اے دلِ تہی پہلو
یہ کنارِ شفق میں جلوۂ ماہ

فتنۂ خلق، تیری زلفِ دراز
محشرِ ناز تیری چشمِ سیاہ

ہم نشیں! تو محال کہتا تھا
دیکھ کرتے ہیں اس طرح سے نباہ

1047

بس یہ مقصود ہے دو عالم سے
تیرا جلوہ ہو اور میری نگاہ

کچھ تو فرمائیے پئے تسکیں
یوں نہ دامن چھڑائیے للہ

ہجر ہے اور میں ہنوز حیات
بخش دے اے خدا یہ میرا گناہ

لطف کی اک نگاہ اے جاناں!
جوش ہے تیرا بندۂ درگاہ

☆☆

1921

نگاہِ گرم سے حالت ہو دل کی اور تباہ
ترا بھی ہے ارادہ اگر تو بسم اللہ!

غضب ہے عارضِ رنگیں پہ چاندنی کی بہار
لبوں پہ کھیل رہا ہے تبسمِ شبِ ماہ

سرہانے مجھ کو جو دیکھا تو آنکھ کھلتے ہی
وہ مسکرائے جبیں سے ہٹا کے زلفِ سیاہ

نہ کیوں ہو طاعتِ بے روح سے بلند اے شیخ
اگر خلوص کی بنیاد پر ہے کوئی گناہ

اٹھائی یار نے کیوں قیدِ سمت و شرطِ جہت
کہیں ٹھہر نہیں سکتی اب اہلِ دل کی نگاہ

جحیم و خلد کسی کی بھی کچھ نہیں چلتی
عطا کیا ہے بشر کو یہ کس نے ذوقِ گناہ؟

پرکھتے کاش وہ رہرو کے ذوقِ منزل کو
سمجھ رہے ہیں جو گم کردہ راہ کو گمراہ

نہ کھا فریبِ سخن خواجۂ بزرگ نہاد!
کہ جوشِ اصل میں ہے اک رہبر نامہ سیاہ

☆☆

1926

نہیں شراب تو ہنگامۂ بہار نہ دیکھ
جو دل میں تاب نہ ہو آبِ روئے یار نہ دیکھ

خدا کو مان، یہ گل گشتِ تیم قاتل ہے
مفارقت میں سوئے ماہ و جوئبار نہ دیکھ

سفر، نشاط سے خالی رہے گا آخر تک
چلا ہے گھر سے تو مڑ مڑ کے بار بار نہ دیکھ

ہزار دے کوئی تجھ کو فریبِ آزادی
نگاہ جبر پہ رکھ، سوئے اختیار نہ دیکھ

1051

جو ایک بار نہ دیکھیں تری طرف زوار
تجھے خدا کی قسم تو ہزار بار نہ دیکھ

محل شرم ہے اے خواجہ! وقت بذل و سخا
سوئے نگاہ گدایاں شرمسار نہ دیکھ

اگر بہار کے بے خوف لوٹتا ہیں مزے
الٹ کے دفتر مستقبل بہار نہ دیکھ

اگر حیات کی تعمیر ہے تجھے منظور
نکل کے شہر سے ٹوٹے ہوئے مزار نہ دیکھ

☆☆

1926

اے ہم نفس! یہ قصۂ وحشت فزا نہ پوچھ
دل کس طرح بنا دلِ بے مدعا؟ نہ پوچھ

غارت گروں کی شستی بیاں ولاشہ دیا؟
غمگیں دلوں کے وعدۂ صبر آزما نہ پوچھ

لب ہائے ناز کے سخن ناسزا نہ سن
چشمِ سیاہ کے ستمِ ناروا نہ پوچھ

قصہ ہے دردناک دلِ داغ داغ کا
کیوں کر یہ ماہتاب بنا ہے سہا؟ نہ پوچھ

طے کر چکا ہوں عشق کی جس راہِ صعب کو
اس راہ کی کشاکشِ بیم و رجا نہ پوچھ

اب تک وہ دل میں آگ بھری ہے کہ الاماں
کس طور سے یہ خاک بنی کیمیا؟ نہ پوچھ

پہلو سے اپنے، جوش کو تاروں کی چھاؤں میں
آتی ہے کس نگار کی آوازِ پا؟ نہ پوچھ

☆☆

1917

جاں بلب ہوں فراق کے مارے
چار دن کی ہے زندگی پیارے

اے مرے وعدہ بھولنے والے
ڈوبنے کے قریب ہیں تارے

جوش سے کل جو نام اک پوچھا
ہوگیا زرد شرم کے مارے

☆☆

1921

دل کا رونا ہے، دل کا ماتم ہے
اب تو ہر سانس نوحۂ غم ہے

میرا صدیوں میں مسکرا دینا
بدتر از صد ہزار ماتم ہے

دیکھ، وہ دل نہ توڑ او ظالم
رازِ کونین کا جو محرم ہے

یاد اُن کی بہت نہیں آتی
شاید اب دل کی زندگی کم ہے

خونِ دل کی ہر ایک بوند میں جوش
وسعتِ عرصۂ دو عالم ہے

☆☆

1922

شاہد[1] و مے سے آشنائی ہے
اپنی مشہور پارسائی ہے

حسن کو رام کرکے چھوڑوں گا
مجھ سے دل نے قسم یہ کھائی ہے

آپ سے ہم سے رنج ہی کیسا
مسکرا دیجیے صفائی ہے

آئی عاشق میں شانِ محبوبی
یعنی اب عشق انتہائی ہے

حد ہے، اپنی طرف نہیں میں بھی
اور ان کی طرف خدائی ہے

☆☆

1922

---

[1] کسی نے کہا تھا یہ مطلع حسرت موہانی کے کسی شعر سے ملتا جلتا ہے۔ لیکن یہ مطلع کہتے وقت میرے ذہن میں حسرت کا وہ شعر نہ تھا۔

فقط اک جام دستِ مہوشاں سے
فزوں ہے دولتِ کون و مکاں سے

خدائی خود مجھے آواز دے گی
کسے امید تھی عشقِ بتاں سے

خدا کے فضل سے ہوں وہ بلانوش
سبک ہوتا نہیں رطلِ گراں سے

نہ پوچھو کیف کے عالم میں کیا کیا
اُلجھتا ہوں زمین و آسماں سے

کلی بن کر نہ اتنا ناز فرما
کوئی کہہ دے یہ خاکِ بوستاں سے

نقاب اُٹھتی نہیں چہرے سے اُن کے
مجھے اُٹھنا پڑے گا درمیاں سے

مجھے خود ڈھونڈتے پھرتے تھے جلوے
وہ دن اب ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے

وہ اک پل جو ترے پہلو میں گزرے
گراں قیمت ہے عمرِ جاوداں سے

زمیں ہے رقص میں گردش میں افلاک
مرے دورِ شرابِ ارغواں سے

مری عصیاں کی راتیں ہیں منور
چراغِ محفلِ روحانیاں سے

قیامت تھی خدا کی بے نیازی
مدد لینا پڑی عشقِ بتاں سے

اتر آئے ، کہو خود ہی زمیں پر
بلاتا ہے مجھے کیوں آسماں سے

پتا منزل کا ہم کو تو ملا جوشؔ
بغاوت کرکے میرِ کارواں سے

☆☆

1927

کر چکا سیرِ، اصل مرکز پر اب آنا چاہیے
تجھ کو اپنے دل میں اک دنیا بسانا چاہیے

رسمِ عالم پر نہ جا، دیکھ اپنی افتادِ مزاج
دہر کو اپنی روش پر کھینچ لانا چاہیے

کھیل ہے کیا آفتابِ رازِ ہستی کا سراغ؟
ذرّے ذرّے کے جگر میں ڈوب جانا چاہیے

کچھ سنا، کیا کہہ رہے ہیں نکتہ سنجانِ حیات؟
جس قدر ہو، دل کی بے چینی بڑھانا چاہیے

جلوۂ خود بیں کے آگے پیش کرتا ہے دماغ!
آئینہ ٹوٹے ہوئے دل کا دکھانا چاہیے

اس سے تیرے حُسنِ بے پردہ پہ حرف آئے گا دیکھ
حشر کے دن بھی نہ مجھ کو ہوش آنا چاہیے

یہ حباب جوئے دل ہے نطق سے اس کو نہ چھیڑ
غم کے افسانے کو آنکھوں سے سنانا چاہیے

خواہ کتنی ہی مسرت ہو تبسم ننگ ہے
ہاں جب آنسو کوئی ٹپکے مسکرانا چاہیے

راہِ دل میں خضر کی حاجت نہیں، تنہا نکل
بڑھ کے اپنا ساتھ بھی پھر چھوٹ جانا چاہیے

اوّل اوّل بھول جا ہر شے بجز یادِ حبیب
آخر آخر یاد بھی دل سے بھلانا چاہیے

تیرا کہنا ہو گیا، لے میں نے آنکھیں پھوڑ لیں
اب تو بزمِ ناز کا پردہ اٹھانا چاہیے

کچھ نہ رہ جائے بجز یک شعلۂ عالم فروز
اس طرح اجزائے ہستی کو جلانا چاہیے

☆☆

1922

قدم انساں کا راہِ دہر میں تھرا ہی جاتا ہے
چلے کتنا ہی کوئی بچ کے، ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے

نظر ہو خواہ کتنی ہی حقائق آشنا، پھر بھی
ہجومِ کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے

خلافِ مصلحت میں بھی سمجھتا ہوں، مگر ناصح!
وہ آتے ہیں تو چہرے پر تغیر آ ہی جاتا ہے

ہوائیں زور کتنا ہی لگائیں آندھیاں بن کر
مگر جو گھر کے آتا ہے وہ بادل چھا ہی جاتا ہے

1062

شکایت کیوں اسے کہتے ہو یہ فطرت ہے انساں کی
مصیبت میں خیالِ عیشِ رفتہ آ ہی جاتا ہے

شگوفوں پر بھی آتی ہیں بلائیں، یوں تو کہنے کو
مگر جو پھول بن جاتا ہے وہ کھلا ہی جاتا ہے

سمجھتی ہیں مآلِ گل، مگر کیا زورِ فطرت ہے
سحر ہوتے ہی کلیوں کو تبسم آ ہی جاتا ہے

☆☆

1927

باتوں میں سرد مہری، آنکھوں میں مہربانی
کس نے سکھائے ہیں یہ آئین دلستانی؟

ہر اک نفس کو میرے صد موجِ برق دے کر
بخشی ہے تو نے دل کے خرمن کی پاسبانی

رکھی ہے اے سبک سر! معمارِ زندگی نے
دل کی شگفتگی پر بنیادِ شادمانی

پھر زخمِ نو کا شاید کرتا ہے خیر مقدم
دل سے گزر رہی ہے اک موجِ کامرانی

فطرت نائل سعیِ باطل پہ ہنس رہی ہے
مذہب بنا رہا ہے قانونِ زندگانی

نبضیں چھٹی ہوئی ہیں ساون کے بادلوں کی
اللہ ری تیری کافر اٹھتی ہوئی جوانی

پہلو میں تیرے اکثر مجھ کو ہوا یہ دھوکا
میں ہوں الوہیت کا اک جزوِ غیر فانی

اے جوش، ہند اب تک محرومِ رنگ و بو ہے
صدیوں ابھی نہ ہوگی شاعر کی قدردانی

☆☆

1924

افشائے رازِ عشق کا ساماں کیے ہوئے
پھر آ گئے وہ بال پریشاں کیے ہوئے

پھر قشقہ بر جبیں کوئی نکلا ہے دیر سے
آہنگِ آزمائشِ ایماں کیے ہوئے

پھر بڑھ رہا ہے میری طرف مطربِ جنوں
صحرا کو اپنے ساتھ غزل خواں کیے ہوئے

پھر مست چل رہی ہے ہوا کوہ و دشت میں
ہر شے کو اپنی رو میں گلستاں کیے ہوئے

خنجر بکف بڑھا ہے مری سمت پھر جمال
کنٹی تک اپنے ہاتھوں کو عریاں کیے ہوئے

پھر اس نے آکے کفر کا اقرار لے لیا
مدت ہوئی تھی دل کو مسلماں کیے ہوئے

پھر آئے ہیں وہ جوش، سوئے مجرمان عشق
شعلے کی طرح تیغ کو عریاں کیے ہوئے

☆☆

1921

کہوں تو کون مانے گا کہ فیضِ چشمِ گریاں سے
طرب کے پھوٹنے لگتے ہیں چشمے روحِ انساں سے

دکھاؤں اپنی فطرت کے نوادر کس توقع پر
کہ اس بازار میں راضی ہیں گاہک جنسِ ارزاں سے

صحائف میرے سر آنکھوں پہ، لیکن واقعہ یہ ہے
خدا کو میں نے پہچانا ہے نورِ صبحِ خنداں سے

الٰہی! یہ جواں چشم و چراغِ بزمِ عالم ہو
بصارت چھین کر جو لے چلا ہے پیرِ کنعاں سے

ربابِ زندگی میں جس کے چھو جانے سے لرزش ہے
وہ ناخن کھیلتا ہے ہر نفس میری رگِ جاں سے

لکھائی "طرح" میں محدود کر کے پھر غزل مجھ سے
خدا اے جوش سمجھے شاعرانِ سست پیماں سے

☆☆

1925

کس قدر آئینۂ تائیدِ ہر تردید ہے
شرک بھی دیکھا تو اک بھٹکی ہوئی توحید ہے

دے انھیں جنبش کبھی عہدِ وفا کے واسطے
تیرے ہونٹوں میں نہاں میرا ہلالِ عید ہے

کس قدر پختہ ہے تیرا وعدۂ دیدار بھی
ہر طلوعِ صبح تیرے عہد کی تجدید ہے

سوچیے کیا چیز ہوگی اس کی صبحِ آرزو
جس کی شامِ نامرادی، صبحِ صد اُمید ہے

مشہدی مرزا میں پنہاں ہے عجب کیفِ جنوں
ایسے دیوانے سے ملنا جوش اپنی عید ہے

☆☆

1921

گردوں میں وہ بانہیں، گردش میں ہیں پیمانے
کیا دین ہے، کیا دنیا شاعر کی بلا جانے

سن لیجیے فرصت ہے، پھر کیا ہو خدا جانے
کب سے ہیں مرے دل میں بیتاب کچھ افسانے

کچھ سیکھ سکیں شاید آبادیاں شہروں کی
اے راہرو ٹھہرو، کچھ کہتے ہیں ویرانے

مطرب وہ اُٹھے پردے ساقی وہ کھلے عقدے
ہاں یوں ہی دمادم دے پیمانوں پہ پیمانے

1070

رہِ عشق سے کیا واقف، واقف ہیں تو صرف اتنے
آغاز ہلاکت ہے انجام خدا جانے

جو غنچہ و شبنم تھے کل رات کے ہونٹوں پر
اب صبح کے کانوں پر نشتر ہیں وہ افسانے

اے جوشؔ الجھتا ہے کیوں شیخ سبک سر سے؟
یہ عشق کو کیا سمجھے، یہ حسن کو کیا جانے

☆☆

1921

کس کو کہیں وہ راز پنہانی، جو اپنے دل میں ہے
آہ اس خنجر کی عریانی جو اپنے دل میں ہے

کس کو سمجھائیں؟ کہ ماخذ ہے چراغِ طور کا
یہ ہجومِ شعلہ سامانی جو اپنے دل میں ہے

ڈالتی ہے روئے حکمت پر حقارت سے نگاہ
رازِ عالم پر یہ حیرانی جو اپنے دل میں ہے

شہپرِ جبریل کو پرواز کا دیتی ہے درس
یہ تصور کی پر افشانی جو اپنے دل میں ہے

کون مانے گا؟ کہ ہے افسردہ مژگانِ تر
یہ مسرت کی فراوانی جو اپنے دل میں ہے

☆☆

1926

محل شکوہ نہیں ہے جہاں کی بوالعجبی
کہاں تک اے دلِ ناداں یہ مشقِ بے ادبی

نظامِ دہر ہے اضداد کے توازن پر
سحر کا لحن ہے پیکِ سکوتِ نیم شبی

ازل کے روز سے ظلمت ہے نور کے مانند
کہ خاکِ تیرہ ہے صناعِ شیشۂ حلبی

تجھے خبر بھی ہے ناداں کہ مثلِ روغن ہے
چراغِ مصطفوی کو ہوائے بولہبی

☆☆

1927

نہ چھیڑ شاعر! ربابِ رنگیں، یہ بزم ابھی نکتہ داں نہیں ہے
تری نواسنجیوں کے شایاں فضائے ہندوستاں نہیں ہے

تری سماعت، نگار فطرت کی لحن کی رازداں نہیں ہے
وگرنہ ذرہ ہے کون ایسا کہ جس کے منہ میں زباں نہیں ہے

زباں پہ ہیں صوفیوں کی یارب! یہ کیسی بے مغز اصطلاحیں
زمیں کے پردے پہ ماسویٰ کا کہیں بھی نام و نشاں نہیں ہے

اگرچہ پامال ہیں یہ بحریں، مگر سخن ہے بلند، ہمدم
نہ دل میں لانا گمانِ پستی، مری زمیں آسماں نہیں ہے

ضمیرِ فطرت میں پرفشاں ہے چمن کی ترتیب نو کا ارماں
خزاں جسے تو سمجھ رہا ہے وہ درحقیقت خزاں نہیں ہے

حریمِ انوارِ سرمدی ہے ہر ایک ذرہ بہ رنگِ کعبہ
مرا یہ عینی مشاہدہ ہے، فریبِ وہم و گماں نہیں ہے

ہر ایک کانٹے پہ سرخ کرنیں، ہر اک کلی میں چراغ روشن
"خیال" میں مسکرانے والے! ترا تبسم کہاں نہیں ہے

فلک سے ہنگامِ شعر گوئی، صدائیں پیہم یہ آ رہی ہیں
کہ آج اے جوشِ نکتہ پرور! ترا سا جادو بیاں نہیں ہے

☆☆

ٹھہر، کہ عبرت کے کارخانے ہر ایک ذرے میں ہیں یہاں کے
نہیں یہ قبریں، ''نشانِ پا'' ہیں حیاتِ فانی کے کارواں کے

میں اس کی گہری نظر کے صدقے میں اس کے ذوقِ طلب کے قرباں
تری تجلی جو دیکھتا ہے، دھویں میں اس تیرہ خاکداں کے

چمکتے ہیں شب کو ماہ و اختر جھلکتا ہے صبح شاہِ خاور
پرستش ان کی کروں نہ کیوں کر؟ نشاں ہیں یہ میرے بے نشاں کے

نہ پوچھ راحت پرست! کیوں کر کھلا ہے یہ بھید میرے دل پر
کہ اشک بہنے سے ٹوٹتے ہیں طلسم نیرنگیٔ جہاں کے

یہ رازِ حق ہے، نہ کھل سکے گا کبھی ترے کبرِ خودنما پر
کہ خاکِ افتادگی کے اندر دریچے کھلتے ہیں آسماں کے

نوائے بلبل سرودِ قمری میں سر دھنوں کیوں نہ جوش ان پر
کہ ہیں یہ کچھ یادگار فقرے، کسی کی شیرینیٔ بیاں کے

☆☆

1927

رسمِ خرد سے ارتباط، روح کو وجہ ننگ ہے
پائے جنوں ادھر نہ جا، دشتِ شعور تنگ ہے

اس کا جمال چھوڑ کر، اس سے بہشت مانگنا
تیری نظر میں ہو ہنر، میرے لیے تو ننگ ہے

عشق کا دل ضرور ہے فرطِ جنوں سے بے ادب
حسن! مگر خطا معاف، تو بھی تو شوخ و شنگ ہے

بات ہے جوشؔ ایک ہی، فرق ہے حسن و عشق کا
میری جبیں کی خستگی، اُن کی جبیں پہ رنگ ہے

☆☆

1927

شکرِ ایزد کہ دل کی بے تابی
بن گئی مایۂ ظفر یابی

وائے قسمت کہ اپنی جنسِ ہنر
ہیچ ہے باوجود نایابی

پست ہے میرے سازِ وحشت سے
نغمۂ بوعلی و فارابی

تھک چکی ہیں رسالتیں کیا کیا
تل ہے انساں کا ذوقِ سرتابی

یاد آتا ہے آگرہ اے جوشؔ
ہائے وہ چاندنی ، وہ مہتابی

☆☆

1924

دلوں کو شامِ الم بنا دے، شبوں کو محرومِ خواب کر دے
تجھے قسم، حسنِ دوست! مجھ کو رہینِ صد پیچ و تاب کر دے

نقاب اُٹھا دے جمالِ مستاں سے دلوں کی دنیا میں ہو اُجالا
اُداس ذروں پہ مسکرا کر نگاہ کر، آفتاب کر دے

مجھے حقیقت سے آشنا کر، دلوں کو تسکین دینے والے
ہر ایک کانٹے کو زندگی کے، مری نظر میں گلاب کر دے

کھلے ہوئے ہیں فلک پہ تارے، تجھے قسم اُن کی سادگی کی
مری شبِ تار کو بھی یارب! کبھی شبِ ماہتاب کر دے

مقام طے ہو رہے ہیں میرے، ہٹا نہ آئینے سے نگاہیں
مجھی پہ صَرف او سنورنے والے، تمام زورِ شباب کر دے

حریمِ جاناں میں باریابی کی جوش اگر تجھ کو آرزو ہے
جگا دے غفلت سے بیخودی کو، خرد کو مصروفِ خواب کر دے

☆☆

1924

جلا کے میری نظر کا پردہ ہٹا دی رُخ سے نقاب تو نے
چراغ اُٹھا کر، مرے شبستاں میں رکھ دیا آفتاب تو نے

فلک، نظر سے تڑپ رہا ہے، زمیں، عشووں سے مل رہی ہے
کہاں سے پایا ہے او ستمگر! یہ مست و کافر شباب تو نے؟

نسیم، اوراق اُلٹ رہی ہے، نجوم، مشعل دکھا رہے ہیں
اُفق کی سرخی میں پیش کی ہے، سحر کی زرّیں کتاب تو نے

میں اپنے سینے میں تجھ کو رکھ لوں، اِدھر تو آ اے حبابِ رنگیں
زمیں پہ ٹپکائیں رس کی بوندیں، فلک پہ چھڑکی شراب تو نے

زمیں کی جانب نظر جھکائے کل ایک شاعر یہ کہہ رہا تھا
ہر ایک ذرے کو مسکرا کر بنا دیا آفتاب تو نے

جو باخبر تھے، وہ مسکرائے جو بے خبر تھے وہ کچھ نہ سمجھے
اُٹھا کے بیگانہ وار آنکھیں، کیا جو مجھ سے خطاب تو نے

ترے نثار اے نگاہِ ساقی! ترے تصور میں کیوں نہ جھوموں
کہ اپنے پرتو کو میرے دل میں بنا دیا ہے شراب تو نے

پلٹ گئیں اشک بن کے نظریں، گرایا جیسے ہی تو نے پردہ
برس پڑیں سیکڑوں نگاہیں، ذرا جو اُلٹی نقاب تو نے

نہ ہوگا تجھ سا بھی لا اُبالی، خدا کی رحمت ہو جوش تجھ پہ
سحر کو کیا کیا ضرورتیں ہیں، کبھی نہ دیکھا یہ خواب تو نے

☆☆

1924

شب، تصور نے یہ بخشا اوجِ روحانی مجھے
اپنے قدموں پر ملی گردوں کی پیشانی مجھے

جا کے گوشے میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

آسمانوں کی بلندی دیکھتی ہے راستہ
خاک سے اُٹھنے نہیں دیتی تن آسانی مجھے

باغ نے لکھوائی مجھ سے طرح دے کر یہ غزل
کچھ پشیمانی انھیں ہے کچھ پشیمانی مجھے

اے چٹکتی صبح کی بیہودہ کلیو! رحم، رحم
یاد دلواتی ہو یہ کس کی خوش الحانی مجھے

دفترِ عالم کا راز اک سطر میں سمجھا دیا
جادۂ عرفاں ہے تیری چینِ پیشانی مجھے

وہ مقامِ اتصال آیا ہے اے یادِ حبیب!
سب سے پہلے اب تری کرنا ہے قربانی مجھے

لکھنؤ کیا چھٹ گیا، اے جوش دنیا چھٹ گئی
اب کہاں ممکن وہ سامانِ غزل خوانی مجھے

☆☆

1925

میرے حواس لے لیے یار کی چشمِ مست نے
فتح کا تاج رکھ دیا سر پہ مرے شکست نے

طعنۂ خود سری دیا عشق جنوں پرست نے
راہِ وفا میں کھو دیا فکرِ بلند و پست نے

سر پہ ترے رہیں سدا پھولوں کے تاج طفلِ گل!
روح کو مست کر دیا تیری ہوئے مست نے

نظمِ عبودیت پڑھی میں نے کچھ اپنے لحن میں
حس کے رباب اٹھا لیا نغمہ زنِ الست نے

آ کے ہماری آنکھ میں، اشک نہ کیوں تھمے رہیں
درس دیا ہے آپ کی چشمِ حیا پرست نے

جا کے نسیمِ جاں ستاں! کہنا یہ بزمِ حسن میں
بھیجا ہے تحفۂ سلام جوشِ سحر پرست نے

☆☆

1923

اے دورِ ہوس پرور، اے عہدِ ریاکاری
کیا شرع میں تیری بھی جائز نہیں مے خواری

اندھوں کو دکھا جلوے، بہروں کو سنا نغمے
قدرت نے مرے حق میں یہ حکم کیا جاری

کیا جور ہے، کیا ضد ہے، کیا دور و تسلسل ہے
دشواری و آسانی، آسانی و دشواری

اے جانِ وفا کب تک اے روحِ کرم تا کے
یہ صبح کی فریادیں، راتوں کی یہ بیداری

پردہ اب اُٹھایا ہے علمائے محبت نے
کاندھے پہ مرے رکھ دو تابوتِ ہوس کاری

مجبور! طلب کر لے ، قدرت کے مناظر کو
کافر ہوں ، اگر خود سے کی ہو کبھی مے خواری

کس حد کی جنوں پرور شرطیں ہیں محبت کی
خاموشی و گویائی ہشیاری و سرشاری

اے شرمِ گنہ! تجھ سے بیدار اُٹھا ہے
یارانِ طریقت کا پندارِ گنہگاری

یہ عیش کی صورت ہے ، وہ لطف کا ساماں ہے
اے جوشؔ کھلونوں کی تاچند خریداری؟

☆☆

1923

وہ جوشِ خیرگی ہے، تماشا کہیں جسے
بے پردہ یوں ہوئے ہو کہ پردا کہیں جسے

اللہ ری خاکساریٔ رندانِ بادہ خوار
رشکِ غرورِ قیصر و کسریٰ کہیں جسے

بجلی گری وہ دل پہ جگر تک اُتر گئی
اس چھیڑ ناز سے، قدِ بالا کہیں جسے

زلفِ حیات لوحِ بشر میں ہے آج تک
وہ خم، گناہِ آدم و حوا کہیں جسے

کتنی حقیقتوں سے فزوں تر ہے وہ فریب
دل کی زباں میں وعدۂ فردا کہیں جسے

میرا نفس ہے، جس کا لقب ہے شمیمِ زلف
میری نظر ہے چہرۂ زیبا کہیں جسے

وہ بھی ہے ایک اصل میں بگڑی ہوئی وفا
اہلِ جہاں عداوتِ اعدا کہیں جسے

لو آ رہا ہے وہ کوئی مستِ خرامِ ناز
اس چال سے کہ لغزشِ صہبا کہیں جسے

میرے نشاطِ خاطرِ امروز میں نہیں
وہ بزدلی کہ خطرۂ فردا کہیں جسے

خنجر ہے جوش ہاتھ میں، دامن لہو سے تر
یہ اس کے طور ہیں کہ مسیحا کہیں جسے

☆☆

1928

دل تمناؤں سے یوں دور ہوا جاتا ہے
حسن تعظیم پہ مجبور ہوا جاتا ہے

اتنی قربت پہ بھی یہ ناز ہے اللہ اللہ
مجھ سے ہر سانس میں وہ دور ہوا جاتا ہے

مائل سجدہ ہوئے جاتے ہیں خوبانِ جہاں
ہوش یوں عشق پہ مغرور ہوا جاتا ہے

☆☆

1926

کافر بنوں گا، کفر کا ساماں تو کیجیے
پہلے گھنیری زلف پریشاں تو کیجیے

اس نازِ ہوش کو کہ ہے موسیٰ پہ طعنہ زن
اک دن نقاب اُلٹ کے پشیماں تو کیجیے

عشاق بندگانِ خدا ہیں، خدا نہیں
تھوڑا سا نرخِ حسن کو ارزاں تو کیجیے

قدرت کو خود ہے حسن کے الفاظ کا لحاظ
ایسا بھی ہو ہی جائے گا پیماں تو کیجیے

تا چند رسمِ جامہ دری کی حکایتیں
تکلیفِ یک تبسمِ پنہاں تو کیجیے

یوں سر نہ ہوگی جوش کبھی عشق کی مہم
دل کو خرد سے دست و گریباں تو کیجیے

☆☆

1926

فقیہہ شہر! مناسب نہیں یہ جلوہ گری
کہ ادعائے خبر ہے کمالِ بے خبری

علاج دل کا کروں کیا، اگرچہ واقف ہوں
کہ برقِ خرمنِ ہستی ہے ذوقِ دیدہ وری

رفیق! جام اُٹھا ذکرِ مدعی موقوف
کسے ہے فرصتِ بغض و دماغِ کینہ وری

فغاں کہ فکر کو میری ملا ہے وہ بازار
جہاں متاعِ ہنر سے گراں ہے بے ہنری

1091

تجھے جراحتِ دل کی ہے فکر کیوں اتنی؟
کہ خود ہے وقت کی فطرت میں ذوقِ بخیہ گری

ہزار نغمۂ رنگین و رقصِ بادِ مراد
فدائے نالۂ شبگیر و گریۂ سحری

سکوتِ شب میں پہنچتا ہے دل وہاں اے جوش
کہ چھوتی ہے جہاں نبضِ آدمی و پری

☆☆

1928

حکم تو یہ ہے کہ اک وضع پہ ہو نظمِ جہاں
چاہتے یہ ہو کہ آویزشِ اضداد رہے

وائے وہ عیش، مصیبت میں رہے جس کا خیال
ہائے وہ رات جو ہنگامِ سحر یاد رہے

دہشتِ برق ہے تعمیرِ نشیمن کا خیال
غمِ جاناں کا تقاضا ہے کہ دل شاد رہے

یہ بغاوت ہے جنوں سے کہ رہے پاسِ خرد
یہ ہے توہینِ جوانی کہ خدا یاد رہے

☆☆

1925

خود اپنی زندگی سے وحشت سی ہو گئی ہے
طاری کچھ ایسی دل پہ حیرت سی ہو گئی ہے

ذوقِ طرب سے دل کو ہونے لگی ہے وحشت
کچھ ایسی غم کی جانب رغبت سی ہو گئی ہے

سینے پہ میرے جب سے رکھا ہے ہات تم نے
کچھ اور دردِ دل میں شدت سی ہو گئی ہے

ممکن نہیں کہ مل کر رہنا ہی مسکرا دو
تم کو تو جیسے ہم سے نفرت سی ہو گئی ہے

اب تو ہے کچھ دنوں سے یوں دل بجھا بجھا سا
دونوں جہاں سے گویا فرصت سی ہوگئی ہے

وہ اب کہاں ہیں لیکن اے ہمنشیں! یہاں تو
مڑ مڑ کے دیکھنے کی عادت سی ہوگئی ہے

اے جوشِ رفتہ رفتہ شاید ہمارے دل سے
ذوقِ فسردگی کو اُلفت سی ہوگئی ہے

☆☆

جب تک آنکھوں میں موجِ صہبا تھی
ذرّے ذرّے میں ایک دنیا تھی

ہارے اب ظلم پہ تو مائل ہو
ورنہ تم سے اُمید ہی کیا تھی

رحم اس عہد کے تصدّق میں
جب تمھیں خود مری تمنا تھی

ہائے کس وقت یہ ہوا معلوم
کہ تری آرزو نہ کرنا تھی

☆☆

1924

قسم ہے آپ کے ہر روز روٹھ جانے کی
کہ اب ہوس ہے اجل کو گلے لگانے کی

وہاں سے ہے مری ہمت کی ابتدا واللہ
جو انتہا ہے ترے صبر آزمانے کی

پھنکا ہوا ہے مرے آشیاں کا ہر تنکا
فلک کو خو ہے تو ہو بجلیاں گرانے کی

ہزار بار ہوئی گو مآلِ گل سے دوچار
کلی سے خو نہ گئی پھر بھی مسکرانے کی

مرے غرور کے ماتھے پہ آ چلی ہے شکن
بدل رہی ہے تو بدلے ہوا زمانے کی

چراغِ دیر و حرم کب کے بجھ گئے اے جوشؔ
ہنوز شمع ہے روشن شراب خانے کی

☆☆

1928

مژدہ اے رندو کہ سرمستی کا ساماں آ گیا
وہ ہوا سنکی وہ یارِ گل بداماں آگیا

خوش ہو اے پیاسی زمیں وہ بوندیاں پڑنے لگیں
مژدہ اے جوئے تنک مایہ کہ طوفاں آگیا

مل کے ہاں اک نعرہ، اے رندو کہ وہ کافر جمال
رُخ پہ بکھرائے ہوئے زلف پریشاں آگیا

ہاں اُٹھو بھرے کو یارو، جام چھلکاتے ہوئے
بزم میں وہ صدرِ بزمِ بادہ خواراں آ گیا

مل کے ہاں اک سجدۂ شکرانہ اے رندانِ پاک
بوستاں میں وہ للۂ باد و باراں آ گیا

بلبلوں کی نغمہ پردازی کا اب کس کو دماغ
بزمِ ناؤ و نوش میں یار غزل خواں آ گیا

کس لیے اب کیجیے سیرِ گلستاں کی ہوس
حلقۂ جام و سبو میں خود گلستاں آ گیا

دیکھیے اب کیوں دریچوں سے خرامِ ابر کو
مے کشوں کے پاس خود ابرِ خراماں آ گیا

عشق! رقصاں ہو کہ آ پہنچا پیامِ مرگِ نو
جوش! سجدے کر کہ تیرا دشمنِ جاں آ گیا

☆☆

1928

متاعِ حلقۂ ادراک و نقدِ عالمِ ہوش
فدائے ساقیؔ ساغر بدست و زلف بدوش

زمانہ ذوقِ سماعت سے پی رہا ہے شراب
سنا رہی ہے وہ افسانہ چشمِ بادہ فروش

یہ بزمِ نغمہ کشی ہے، یہ وقتِ رامش و رنگ
امامِ شہر! خبردار محتسب! خاموش

مچا رہے ہیں تلاطم شراب خانے میں
مغنیانِ بہار و بتانِ عشوہ فروش

کیے ہوئے ہے زمان و مکاں سے بیگانہ
شمیم گل کا تلاطم، صدائے کا خروش

کسی جبیں سے نمایاں نہیں ردائے خرد
کسی نگاہ میں باقی نہیں لباسِ ہوش

اُبل رہی ہیں بہاریں برس رہی ہے شراب
گھل رہی ہے کلیوں میں بانگِ نوشا نوش

شرابِ کہنہ و مہتاب و ساقیِ نوخیز
چمن میں آج یہ سب نعمتیں ہیں دوش بدوش

رگوں میں بادہ ہے، پہلو میں یار، سر پہ قمر
زمیں کنیز ہے آج، آسمان حلقہ بگوش

نہ کیوں ہو مطربۂ چرخ گوش بر آواز
اس آرزو میں کہ سن لے کلام حضرت جوش

☆☆

1928

پھر حسنِ یار مائلِ اظہار ہوگیا
ہر ذرّہ ایک مصر کا بازار ہوگیا

پھر زلف یوں کھلی کہ دل و دیدۂ جہاں
زنجیرِ رنگ و بو میں گرفتار ہوگیا

خوابیدہ بختیوں کا ستایا ہوا فراق
پھر روشناسِ دولتِ بیدار ہوگیا

پھر جلوۂ نگار بنا میرِ انجمن
پھر حسنِ یار قافلہ سالار ہوگیا

پھر موتیوں کو گوشِ وفا رولنے لگا
پھر لعلِ گل فروش گہربار ہوگیا

پھر تابشِ تبسمِ جاناں کے سامنے
کھلنا کلی کو باغ میں دشوار ہوگیا

پھر کم نگاہوں کو ملی رخصتِ نظر
پھر ناز ، التفات پہ تیار ہوگیا

پھر تولنے لگا خمِ گردن، متاعِ ناز
پھر لوچ، شاخِ نرم کا تلوار ہوگیا

وہ خونِ دل کہ سرد تھا نبضِ حیات میں
پھر آشنائے گردشِ رفتار ہوگیا

خلوت سے انجمن میں در آتے ہی وہ نگار
طوفانِ شہر و فتنۂ بازار ہوگیا

آواز دو کہ جوش پہ فیضِ شرابِ ناب
ساقی کی مرحمت کا سزاوار ہوگیا

☆☆

فرہنگ

کلیاتِ جوش

روحِ ادب

نازدیوانم کہ سرمستِ سخن خواہد شدن
ایں مے از قحطِ خریداری کہن خواہد شدن
کوکبم رادرعدم اوجِ قبولے بودہ است
شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

(غالب)

مجھے اپنے دیوان پر ناز ہے کہ اس کے اشعار لوگوں کو سرمست کردیں گے۔ یہ شراب قحطِ خریداری کے سبب (مراد کلام کی پذیرائی نہ ہونے سے ہے) اور زیادہ پرانی ہوجائے گی جو زیادہ نشہ آور اور قیمتی ہوگی۔ میری قسمت کے ستارے کو ازل میں ہی قبولیت کی بلندی کا درجہ مل چکا ہے اور یقین ہے کہ دنیا میں میرے کلام کی شہرت میری وفات کے بعد ہوگی۔

امروز کہ نوبتِ جوانیٔ من است
مے نوشم زانکہ کامرانیٔ من است
عیبش مکنید گرچہ تلخست خوش است
تلخ است از انکہ زندگانیٔ من است

(خیام)

آج میری جوانی کا دور ہے میں شراب پیوں گا کیونکہ اسی میں میری کامرانی ہے۔
میری شراب کی برائی مت کرو اگر چہ یہ تلخ ہے لیکن اچھی ہے اور تلخ بھی اس لیے ہے کہ یہ میری زندگی ہے۔

با عشق و مست و می پرستیم ہمہ
در کوئے خرابات نشستیم ہمہ
مگذشت زنیک و حسن و از وہم و خیال
از ما مطلب ہوش کہ مستیم ہمہ

(خیام)

ہم سب عاشق، مست اور مے پرست ہیں ہم خرابات کے کوچے (مے خانہ) میں بیٹھے ہیں ہماری اچھائی برائی اور وہم وخیال پر نکتہ چینی مت کرو اور ہم سے عقل و ہوش کی اُمید مت کر کیونکہ ہم سب عاشق و مست ہیں۔

بیاورید گر ایں جا بود سخن دانی
غریب شہر سخن ہائے گفتنی دارد

لے آؤ اگر یہاں کوئی سخن داں ہے غریب شہر یعنی اس شہر میں یہ اجنبی کچھ کہنے کی باتیں رکھتا ہے یعنی شاعر باکمال ہے۔

نظم۔ ترانۂ بیگانگی

آبِ حیواں : وہ پانی جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اسے پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی۔
(ظلمات میں ایک چشمے کا نام ہے' آبِ حیات' اسی کے پانی کی یہ تاثیر مشہور ہے)

نظم۔ مناظرِ سحر

طور کا شعلہ : اللہ کا وہ نور جو حضرت موسیٰ کو طور نامی پہاڑ پر دکھائی دیا تھا اور تابِ نظارہ نہ لا سکنے کے سبب وہ اس نور کو دیکھتے ہی بیہوش ہو گئے تھے۔

داؤد : حضرت داؤد پیغمبر تھے اور بادشاہ بھی۔ آپ کا دورِ حکومت 1012 ق م تا 973 ق م بتایا جاتا ہے آپ کو اللہ نے ایسی دلکش آواز عطا کی تھی کہ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو انسانوں کے ساتھ ساتھ چرند پرند بھی ان کے قریب آ کر تلاوت سننے لگتے تھے۔

یوسف : حضرت یوسف حضرت یعقوب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے جو حسن میں بے مثال تھے۔ حضرت یوسف کی قمیض کی خوشبو اُن کے والد نے میلوں دور سے محسوس کر لی تھی۔

ناقوس : سنکھ جو ہندو پوجا کے وقت بجاتے ہیں۔

نظم۔ حالاتِ حاضرہ (ہنگامۂ جنگ)

چشمۂ آبِ حیات : ایک خیالی چشمہ۔ (تفصیل آبِ حیواں کے تحت دیکھیے)

نظم۔ انتظار کے آخری لمحے

طورِ سینا : جزیرہ نمائے سینا میں ایک پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ پر تجلّیٔ الٰہی کا ظہور ہوا۔

نظم۔ حقیقتِ دل

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن
دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن
جوشِ تعلیم کجا عشقِ جگر دوز کجا
محفلِ علم کجا جلوۂ گہہ سوز کجا

عاشقی اور کیا ہے سوائے اپنے محبوب کا غلام ہو جانے کے۔ دل دوسرے کے ہاتھ میں دے دینا اور حیران ہونا۔ اے جوش کہاں تعلیم یعنی تحصیل علم اور کہاں درد محبت، کہاں علم کی محفل اور کہاں عشق و محبت میں تڑپتا ہوا دل۔

نظم۔ نفسِ مطمئنہ

حیدرؓ: حضرت علیؓ کا لقب۔

خیبر: مدینے کے شمال میں واقع بستی خیبر میں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے یہاں کا قلعہ فتح کیا۔

حسینؓ: نواسۂ رسولؐ اور حضرت علیؓ کے صاحبزادے۔

شبیرؓ: حضرت امام حسینؓ کا لقب۔

شہہ صفدر: حضرت علیؓ کا لقب

نظم۔ مجھے تیری جنتوں کی خواہش نہیں

حور و قصور: حوریں اور محلات

نظم۔ برقِ عرفان

کنول: سرخ کاغذ یا ابرق کا پھول جس میں موم بتی جلاتے ہیں۔ شیشے کا ایک ظرف جس میں شمع روشن کرتے ہیں اسے بھی کنول کہتے ہیں۔

صوتِ سرمدی: خدائی آواز

حسنِ ازل: تخلیقِ کائنات کے وقت موجود حسن یعنی ذاتِ خداوندی۔

غزلیات

آ رہی ہے صدائے ہاتفِ غیب
جوش ہمتائے حافظِ شیراز

غیب کی آواز دینے والا فرشتہ آواز لگا رہا ہے کہ اپنے عہد میں جوش، حافظ شیراز کا ہمسر ہے جس طرح حافظ نے اپنے کلام میں عشق و محبت کے ترانے گائے ہیں اسی طرح جوش بھی گا

رہا ہے۔ دراصل یہ تعلّی کا شعر ہے جس میں جوش خود کو حافظ شیراز جیسے بلند مرتبہ شاعر کا ہم رتبہ سمجھتے ہیں۔

اناالحق: یہ ایک کلمہ ہے جس کو حضرت منصور حالتِ محویت و کیفیت استغراق میں کہہ اُٹھے تھے جس کے یہ معنی لیے گئے کہ انھوں نے خدائی کا دعویٰ کر دیا یعنی کہا کہ "میں خدا ہوں" اس جرم کی پاداش میں علما کے فتوے سے وہ سولی پر چڑھا دیے گئے۔ استعارہ حق بات سے جس کے کہنے پر سولی پر چڑھا دیا جائے۔

اہلِ عرفاں: خدا شناس لوگ۔

معرفت کا فلسفہ: اس فلسفہ کے تحت خدا تک رسائی کے لئے کوئی وسیلہ درکار ہے۔

خوابِ نوشیں: میٹھا خواب

ازل: وہ زمانہ جس کی ابتدا معلوم نہ ہو

خضر: حضرت خضر ایک مشہور پیغمبر کا نام ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حیاتِ ابدی حاصل کر چکے ہیں اور ویرانوں میں راہ گم کردہ مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں۔

سہ رُخ

ثوابت و سیار: وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے اور وہ جو پھرنے والے ہیں۔

شمس تبریزی: ایک بلند پایہ صوفی بزرگ جنھیں قتل کر دیا گیا۔

درِ بوتراب: حضرت علیؓ کا دروازہ۔

درود: لفظی معنی سلام۔ دعا۔ اصطلاحاً وہ دعا اور سلام جو نبی کریمؐ پر پڑھا جائے۔

ستارے

ہست و بود: قیام و وجود۔ حیات و زندگی

نزع

لیلیٰ: لیلیٰ بنت عامر عرب کے ایک قبیلے کی باعزت لڑکی تھی۔ جو بچپن ہی میں قیس کو دل دے چکی تھی قیس اُس کی محبت میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ لیلیٰ کے والد نے اُس کی شادی کسی اور شخص سے کر دی لیلیٰ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکی اور گھل گھل کر مر گئی۔

چپ قصاب: قصائی کی کندی جس پر رکھ کر وہ گوشت کا قیمہ کرتا ہے۔

حسنِ مجازی

حسنِ مجازی: غیر حقیقی حسن۔ اصطلاحاً انسانی حسن

پانچ نقطے

سرود: ایک قسم کا ساز

یزید: حضرت امیر معاویہ کا بیٹا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ جس کو امیر معاویہ نے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں واقعہ کربلا پیش آیا۔

کربلا: عراق میں واقع وہ مقام جہاں حضرت امام حسینؓ اور اُن کے رفقا کو شہید کیا گیا تھا۔

سحر سامری: سامری ایک بڑا جادوگر تھا۔ جس نے حضرت موسیٰ کی قوم کو گمراہ کیا تھا اور ان سے سونے کے بچھڑے کی پرستش شروع کروادی تھی۔ اسی سامری کے جادو کو سحر سامری کہتے ہیں۔

کشفِ مرشدِ کامل: استاد یا پیر کامل کا الہام۔ (پیر کامل کی کرامات اور باطن کی باتوں کو سمجھ لینا)

فلسفہ مسرت

نوحے: رونا۔ گریہ و زاری۔ اصطلاحاً کسی رفیق و حبیب کی موت پر کہی جانے والی نظم خصوصاً شہیدانِ کربلا کے حالات بیان کرنے والی نظمیں۔ جنھیں سن کر رونا آ جائے۔

☆☆

نقش ونگار

شہریست پُر ظریفاں و زہر طرف نگارے

یاراں صلائے عشق است ار میکنید کارے

یہ شہر خوش مزاج اور زندہ دل لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور ہر طرف حسینوں کے جمگھٹ ہیں۔

اے دوستو! عشق دعوت دے رہا ہے کہ اگر ہو سکے تو کچھ تدبیر کر یعنی عاشقی اختیار کر۔

نظم۔ یہ کون اُٹھا ہے شرماتا؟

ہیکل: گلے میں پہننے کا ایک زیور (حمائل)۔

جوانی کی آمد آمد

شب خون (شبخون): رات کا حملہ۔ دشمن پر رات کے وقت چھاپا مارنا۔

نظم۔ یہ نظر کس کے لیے ہے

آبِ خضر: ایک خیالی چشمہ جسے چشمۂ حیات یا چشمۂ خضر کہتے ہیں اسی کے پانی کو آبِ خضر کہا جاتا ہے۔

سرو: ایک مشہور درخت جو سیدھا مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔

مسیحا: حضرت عیسیٰ جن پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ آپ ایک جلیل القدر پیغمبر تھے اور اللہ نے اُنھیں بیماروں کو شفا بخشنے کی روحانی قوت عطا کی تھی۔

نظم۔ افشائے راز

باغ عام: حیدرآباد کا ایک دلفریب باغ

نظم۔ پیارپری چہرہ

سمرقند و بخارا: دو خوب صورت اور تاریخی شہر جو ملک ازبکستان میں واقع ہیں۔

سلما: سونے چاندی کے تار جن کو بٹ کر لباس، جوتوں وغیرہ پر لگاتے ہیں۔

چشمہ حیواں: حیات جاودانی بخشنے والا چشمہ جسے چشمۂ حیات بھی کہتے ہیں۔

نظم۔ جمنا کے کنارے

لن ترانی: یعنی تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ جب حضرت موسیٰ نے کہا کہ خداوندا تو اپنا دیدار کرا تو کہا گیا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔

کیمیا: رانگ کو چاندی یا تانبے کو سونا بنانا۔ (تیر بہدف)

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد
رویت ہمہ سال لالہ گوں باد
قدِ ہمہ دلبرانِ عالم
درخدمتِ قامت نگوں باد

(حافظ)

یہ دعائیہ مصرے ہیں جس میں شاعر دعا دے رہا ہے کہ تیرے حُسن میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے تیرا چہرہ تمام عمر لالہ کی طرح سرخ و شاداب رہے اور دنیا کے تمام حسینوں کا قد تیرے قامت کی خدمت میں جھکا رہے۔

نظم۔ گنگا کے گھاٹ پر

شام اودھ: اودھ کی شام جو نہایت حسین اور دلکش ہوتی ہے۔ مجازاً حسین و دلکش شام کے لیے کہتے ہیں۔

خفیف آبی: بہت ہی سبک جس سے آر پار دکھائی دے

نظم۔ مالن

کرن پھول: کان کا ایک زیور

نظم۔ جنگل کی شہزادی

دلبر کہ در کفِ او موم است سنگِ خارا : وہ ایسا محبوب ہے کہ اس کے ہاتھ میں آ کر سخت پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔

صانعِ ازل: ابتدا کو بنانے والا یعنی خدا

خمریات

خیز و در کاسۂ زر آبِ طربناک انداز
پیش از آنے کہ شود کاسۂ سر خاک انداز

(حافظ)

اُٹھ! اور سونے کے پیالے میں مستی لانے والا پانی ڈال اس سے پہلے کہ سر کا پیالہ خاکدان بنے۔ یعنی اس سے پہلے کہ موت آ جائے ساغر سے بھر لے۔

نظم۔ یومِ بہار

تسنیم و سلسبیل: بہشت کی نہروں کے نام

چند جرعے (جرعۂ اوّل)

کہ بدمستی بہ از زہدِ ریائی: دکھاوے کی عبادت اور پرہیزگاری سے بدمستی بہتر ہے۔

نظم۔ کل رات کو

اسمِ اعظم: خدا کا بزرگ تر نام جو بعض کے نزدیک "اللہ" ہے۔

نظم۔ رقاصۂ میکدہ

کوثر: جنت کی ایک نہر

نظم۔ ایک تمنا

گنبدِ فیروزہ طاق: لاثانی نیلا گنبد یعنی آسمان

نظم۔ دعوتِ نائونوش

روح الامین: حضرت جبریلؑ کا لقب

نظم۔ جامِ کیف

قیصر: شاہِ روم کا لقب (شہنشاہ)۔ ملکہ وکٹوریہ اور اڈورڈ ہفتم نے بھی قیصرِ ہند کا خطاب اختیار کیا۔

جمشید: ایران کا ایک مشہور بادشاہ جس کا عہد 800 ق م تھا اس نے تختِ جمشید نامی ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی۔

نادر: ایران کا ایک بادشاہ جس کا نام نادر شاہ تھا اس نے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان پر حملہ کیا اور دہلی میں شدید تباہی مچائی۔

پرویز: ایران کے بادشاہ خسرو دوم کا فرزند جو 590 میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بے پناہ دولت جمع کی تھی۔ اس کی ایک کنیز "شیریں" تھی جس پر فرہاد عاشق تھا۔ کچھ لوگوں کے نزدیک شیریں پرویز کی بیوی تھی۔

چنگیز: 1162 میں منگولیا میں خانہ بدوش خاندان میں پیدا ہوا۔ اُس نے تاتار اور چین کے علاوہ بھی بہت سے ملک فتح کر کے دنیا سے اپنی بہادری کا لوہا منوالیا۔

فدائے دامنِ صد چاک مے گساراں باد

ہزار جامۂ تقویٰ و خرقۂ پرہیز

(حافظ)

مے نوشوں کے دامن صد چاک پر تقوے کے ہزار لباس اور پرہیز گاری کی گدڑیاں فدا ہوں۔

نظم۔ جواب اس شب کا دنیا میں نہیں ہے

قہار: بڑا قہر کرنے والا۔ خدائے تعالیٰ کا صفاتی نام

رحمت اللعالمین: تمام عالموں کے لیے رحمت۔ رسولؐ اللہ کا لقب

رحمٰن: مہربانی کرنے والا۔ خدائے تعالیٰ کا صفاتی نام

ساتگیں: شراب کا بڑا پیالہ

خلدِ بریں: فردوسِ اعلیٰ

انبیائے مرسلیں: بہت سے نبی اور رسول

نصِ قرآں: قرآن مجید کے واضح احکام

تاثرات (پروگرام)

کلبۂ احزاں: غم کدہ۔ غموں کا گھر

نظم۔ وقتِ مروت

خلیل: حضرت ابراہیمؑ کا لقب ہے۔ جنھیں نمرود نے آگ میں ڈلوادیا تھا لیکن وہ محفوظ رہے۔

آتشِ نمرود: حضرت ابراہیمؑ بت پرستی کے خلاف تھے جس سے ناراض ہو کر نمرود نے ایک بڑے قطعۂ زمین پر آگ روشن کرائی اور جب وہ خوب بھڑک گئی تو حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈال دیا۔ اسی آگ کو آتشِ نمرود کہتے ہیں۔

ز تکیہ گاہِ عدم تا بہ کارگاہِ وجود: عدم سے لے کر وجود تک۔ یعنی اس دنیا اور اس دنیا دونوں عالم کے۔

بیا، بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم

ز بوسہ مہر کنم بر لب شکر آلود

آؤ آؤ کہ تجھے بازوؤں میں بھینچ لوں اور بانہوں میں بھر کر تیرے شیریں لبوں پر اپنے بوسے کی مہر ثبت کر دوں۔

دہانِ یار کہ درمانِ درد حافظ داشت

فغاں کہ وقتِ مروّت چہ تنگ حوصلہ بود

محبوب کا وہ دہن جو حافظ کے درد کا علاج رکھتا تھا فریاد ہے کہ اس قدر تنگ حوصلہ ثابت ہوا کہ مروّت کی ایک بات بھی اس سے نہ نکلی۔

نظم۔ نوجوانی کے مزے

اکسیر: نہایت فائدہ مند۔ سریع الاثر دوا

تاجِ کیانی: بادشاہوں کا تاج (کیانی۔ ایران کے بادشاہوں کا ایک خاندان)

نظم۔ جوانی

خوبانِ مجازی: انسانی محبوب

سکندر: ایک مشہور یونانی بادشاہ گزرا ہے اس نے دنیا کے بہت سے ممالک فتح کیے اس لیے اس کو سکندرِ اعظم اور فاتحِ اعظم بھی کہتے ہیں۔ آئینہ کی ایجاد بھی اسی نے کی تھی۔ 323ق م میں فوت ہوا۔ کنایتاً خوش نصیب۔

نظم۔ مفلسوں کی عید

اہلِ دُوَل: بہت دولت مند لوگ

نظم۔ مختار احمد خاں

مختار: مختار احمد خاں ملیح آبادی

عزیز: عبدالعزیز خاں ملیح آبادی

دیدار: دیدار حسن خاں ملیح آبادی

مُلا: لاٹوش روڈ کی پشت پر رہنے والے ایک مولانا جو جوش اور اُن کے احباب کی خوش مذاقیوں سے ناخوش رہا کرتے تھے۔

رفیع: رفیع احمد خاں۔ سابق پروفیسر کیننگ کالج لکھنؤ

شرر: احسن مرزا صاحب شرر لکھنوی

ابرار: ابرار حسن خاں اثر ملیح آبادی

میرزا: شاہزادہ میرزا جہانگیر قدر۔ بی اے ڈپٹی کلکٹر

نذیر: شیخ محمد نذیر صاحب جو کچھ دن ملیح آباد میں ہیڈ ماسٹر رہ چکے ہیں۔

شریف: محمد شریف۔ جوش کے ایک دوست

نورالحسن: نورالحسن خاں ملیح آبادی

ظفر: جوش کے ایک دوست

عطا: عطا حسین لکھنوی خلف مرزا قاسم حسین سپرنٹنڈنٹ پولیس۔

نظم۔ الوداع

آوازِ جرس: قافلے کی روانگی کے ساتھ بجنے والے گھنٹے کی آواز

قصرِ سحر: جوش کے مکان کا نام (ملیح آباد میں)

بُستان: بوستان کا مخفف۔ باغ

گویا: حسام الدولہ تہور جنگ نواب فقیر محمد خاں گویا جوش کے پردادا۔

بشیر: نواب محمد بشیر احمد خاں بشیر۔ جوش کے والد

امانی گنج: ملیح آباد میں امانی گنج کا میدان جہاں جوش نے نظارۂ قدرت کی خاطر مکان تعمیر کرایا تھا۔

نظم۔ انیتیشی

دایائیں: انائیں۔ دودھ پلانے والی عورتیں۔

مامائیں: کنیزیں

مغلانیاں: محل میں رہنے والی مغل قوم کی خادمائیں۔

لونڈی: کنیز۔ باندی

موباف: وہ دھجی جو عورتیں چوٹی میں ڈال کر گوندھتی ہیں۔

ٹول: ایک قسم کا سُرخ رنگ کا کپڑا

اطلس: ایک قسم کا ریشمی کپڑا۔

نظم۔ خدا سے ایک سوال

حجِ اکبر: بڑا حج۔ وہ حج جو جمعہ کے دن ہو۔ اس کی بہت اہمیت ہے۔

تہلیل: لا الٰہ الاّ اللہ کہنا۔

مطالعۂ نظر

دیدہ ور آنکہ تا نہد دل بشمارِ دلبری

در دلِ سنگ بنگرد رقصِ بتانِ آذری

غالب

اصل میں وہ دیدہ ور وہی ہے جو محبت کی دنیا میں قدم رکھے اور پتھر کے دل میں آزر کے بتوں کے رقص کا مشاہدہ کرے۔

عقیق: سرخ رنگ کا قیمتی پتھر۔

یاقوت: ایک قیمتی پتھر

نسیب: عربی میں اس شاعری کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق کا ذکر ہو۔

حسن جہد زخواب و مژہ برہم زد
فتنہ برپا شد و نشتر بہ رگ عالم زد
(نظیری)

محبوب نے نیند سے بیدار ہو کر پلکیں کھول دیں اس کے بیدار ہونے کی ادا ایسی تھی کہ اس نے فتنہ برپا کر دیا اور دنیا کی رگوں پر نشتر لگا دیا۔ پلکوں کو نشتر سے تشبیہ دی گئی ہے جو دنیا کی رگوں میں چبھ گئیں۔

نظم۔ پھول

ارم: ایک شہر کا نام جس میں قوم عاد آباد تھی۔ کچھ لوگوں نے اسے بہ معنی بہشت شداد استعمال کیا۔ اب عموماً مطلق بہشت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

نظم۔ پہلی مفارقت

مہتابی: (ایک قسم کی آتش بازی) وہ چھوٹی سی عمارت جو حوض کے کنارے رات کی چاندنی کی سیر دیکھنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔

نظم۔ زرد کلیاں

شاما: ایک خوش الحان چھوٹا پرندہ۔ اس کا رنگ کالا اور پیر پیلے ہوتے ہیں۔

پنڈا پسیجا ہونا: بدن گرم ہونا۔ ہلکا ہلکا بخار ہونا۔ پنڈا بہ معنی بدن

تجاہل عارفانہ: جان بوجھ کر انجان بننا

نظم۔ عقد کالا محل

اولی الابصار: صاحب بصیرت

وقنا ربّنا عذاب النّار: بچا ہمیں اے ہمارے رب دوزخ کے عذاب سے۔

نظم۔نگار رفتہ

عدن: حدودِ یمن کا ایک جزیرہ جہاں کا موتی بہت اچھا اور قیمتی ہوتا ہے۔

ختن: ایک شہر کا نام جو چین میں ہے۔

نظم۔شادی ومرگ

نفیری: شہنائی

شرع: آئین مذہب

نظم۔تیرے لیے

دارالقضا: قاضی کی کچہری، عدالت

نظم۔خواب کی پرچھائیں

مجنوں: عرب میں نجد کے مقام پر آباد قبیلہ بنی عامر کے سردار ملوح بن فراخم کا بیٹا تھا جو لیلیٰ کے عشق میں گرفتار ہو کر مجنوں مشہور ہوا۔اس کا اصلی نام قیس عامری تھا۔

شیریں: خسرو پرویز کی بیوی یا کنیز کا نام تھا جس سے فرہاد کو عشق ہو گیا اور اس کے لیے فرہاد نے کوہِ بے ستون کو کاٹ کر قصرِ شیریں تک دودھ کی ایک نہر نکالی تھی۔

فرہاد: فرہاد شیریں کا عاشق تھا جب وہ دودھ کی نہر کو قصرِ شیریں تک لانے کے قریب تھا تو اسے شیریں کی موت کی جھوٹی خبر دی گئی اور اس نے اپنے تیشے کو سر پر مار کر خودکشی کر لی۔

نظم۔جفائے التفات

آیۃ: آیت۔جس کے لغوی معنی نشان یا علامت کے ہیں اصطلاحاً قرآن کا پورا جملہ۔

نظم۔آرزوئے محروم

بالش وبستر: تکیہ اور بستر

در کوئے تو معروفم و از روئے تو محروم
گرگ دہن آلودہ و یوسف ندریدہ

(سعدی)

تیری گلی میں تو میں تیرے عاشق کے طور پر مشہور ہوں جبکہ آج تک تیری دید سے محروم ہوں۔ میری مثال اس بے قصور بھیڑیے کی طرح ہے جس نے یوسف کا خون نہیں کیا تھا لیکن الزام اُسی پر آیا۔

نظم۔ خبر ہے کہ نہیں؟

مہر کا فانوس: محبت و دوستی کی حفاظت کرنے والا جذبہ۔

نظم۔ حیرا عہد تمنا

زلیخا: عزیز مصر کی بیوی کا نام تھا جو حضرت یوسف پر دل و جان سے فریفتہ ہو گئی تھیں اور اُن کے عشق کا اس درجہ شہرہ ہو گیا تھا کہ مصر کی عورتیں طعنہ زن رہتی تھیں کہ زلیخا جیسی عورت اپنے غلام پر عاشق ہے۔

نظم۔ التجائے کرم

ماہ شب چاردہم: چودھویں کا چاند کنایتاً محبوب۔

نظم۔ التجائے مرگ

نیساں: اہل روم کا ساتواں مہینہ اور اس مہینے کی بارش ہندی میں بیساکھ اور انگریزی میں اپریل سے متصل یعنی مارچ اپریل کے زمانے کی بارش۔ کہتے ہیں کہ اس بارش سے سیپ میں موتی، کیلے میں کافور، بانس میں بنس لوچن اور گائے کے کان میں گئو لوچن وغیرہ پیدا ہوتا ہے۔

چاک قمیص یوسف کنعاں: فلسطین کے مقام کنعاں کے باشندے حضرت یوسف پر زلیخا عاشق ہو گئی تھیں وہ عمر میں یوسف سے بہت بڑی تھیں پھر بھی ہر وقت یوسف کو حاصل کرنے کے لیے بیتاب رہا کرتی تھی ایک دن انھوں نے حضرت یوسف کو کمرے میں بند کر لیا یوسف خود کو چھڑا کر بھاگے تو زلیخا نے ان کا دامن پکڑ کر گھسیٹا جس سے یہ دامن پیچھے سے پھٹ گیا دامن کا پیچھے سے پھٹنا اس بات کی دلیل قرار پایا کہ غلطی حضرت یوسف کی نہیں زلیخا کی تھی۔

شعلہ و شبنم

نظم۔ پیانِ محکم

رام و لچھمن: راجہ دشرتھ کے صاحبزادے۔ جنھوں نے راون کو شکست دی تھی۔ رام کو اہلِ ہنود بھگوان مانتے ہیں رام نے اپنے والد کا حکم بجالانے کی خاطر چودہ برس جنگل میں کاٹ دیے اور اُن کے بھائی لچھمن نے ساتھ رہ کر اُن کی خدمت کی۔

راون: لنکا کا راجہ راون تھا۔ جو رام کی بیوی سیتا کو جنگل سے اُٹھالے گیا اور اسی باعث رام سے لڑائی ہوئی جس میں وہ مارا گیا۔

سیتا: رام کی بیوی جسے راون اُٹھالے گیا تھا۔

بابِ خیبر: خیبر کے قلعے کا دروازہ۔ یہ بہت مضبوط قلعہ تھا جو یہودیوں کے قبضے میں تھا اور حضرت علی نے اسے فتح کیا تھا اور دروازہ اُکھاڑ پھینکا تھا۔

عنتر: حضرت علی کے زمانے میں کفار میں ایک مشہور پہلوان جو جنگ میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

ارجن: مہابھارت کا ایک کردار جو تیر اندازی میں ماہر تھا۔

نظم۔غلاموں سے خطاب

گنبدِ بےدر: آسمان

زمہریر: کرۂ ہوا کا وہ طبقہ جو نہایت سرد ہے۔ دوزخ کا وہ طبقہ جس میں سردی کا عذاب دیا جائے گا۔

ذوالفقار: حضرت علیؓ کی تلوار کا نام

نظم نعرۂ شباب

اجمیر: صوبۂ راجستھان کا ایک شہر جہاں خواجہ معین الدین چشتی کا مزار ہے۔

پریاگ: الٰہ آباد کے نزدیک ایک مقام جو ہندوؤں کے لیے مقدس ہے۔

گنگا: ایک مشہور ندی جسے ہندو پوجتے ہیں۔

ملکوں کا رجز

تاجِ دارائی: فارس کے نامور بادشاہ دارا کا تاج کنایتاً ہر بادشاہ کا تاج۔

دولتِ قاروں: قارون حضرت موسیٰ کا خالہ زاد یا چچازاد بھائی تھا جو بے احد امیر و کبیر تھا۔ اس کے خزانوں کی کنجیاں ساٹھ خچروں پر لادی جاتی تھیں۔ کنایتاً دولتِ کثیر۔

مبادا ایں جمع را یارب غم از بادِ پریشانی: اے خدا! یہ سارے لوگ غم اور پریشانی کی ہواؤں سے محفوظ رہیں۔

نظم۔بیدار ہو بیدار

پارا: سیماب۔ایک رقیق دھات

گرگ دہن آلودہ و یوسف ندریدہ: وہ دہن آلودہ بھیڑیا جس نے یوسف کو نہیں کھایا۔ استعارہ ایسے شخص کا جو مفت میں بدنام ہو۔

نظم۔زوالِ جہانبانی

ماہِ کنعاں: حضرت یوسفؑ کی خوبصورتی کے باعث انھیں ماہِ کنعاں کہا جاتا تھا۔ کنعاں ملک کا نام تھا۔

خسرو پرویز: ایران کا بادشاہ ہُرمز کا بیٹا اور نوشیرواں کا پوتا تھا جس کا نام شیریں و فرہاد کے عشق کے باعث افسانوی حیثیت حاصل کر گیا۔

کوہکن: پہاڑ کھودنے والا۔ فرہاد کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے کوہ بے ستون کو کاٹ کر دودھ کی نہر نکالی تھی۔

حبش: ایک ملک کا نام (افریقہ میں ہے) جہاں کے لوگ بہت کالے ہوتے ہیں۔

فرعون: مصر کا وہ کافر بادشاہ جس کے محل میں حضرت موسیٰ کی پرورش ہوئی۔ دعوتِ حق کے باعث وہ موسیٰ کی جان کا دشمن تھا اور دریائے نیل میں غرق ہو گیا تھا کتنا ظالم اور مغرور۔

نظم۔ بغاوت

رستم: رستم فارس کا ایک مشہور پہلوان تھا جس کا ذکر فارسی ادب میں کثرت سے آیا ہے۔ خصوصی طور پر فردوسی نے اپنے شاہنامے میں رستم اور اس کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

نظم۔ زنداں کا گیت

روضۂ رضواں: فردوسِ بریں

بلقیس: شہر سبا کی حکمراں تھی جو کہ آتش پرست تھی۔ حضرت سلیمان کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر اُن کے نکاح میں آ گئی تھی۔

سلیمان: حضرت داؤد کے بیٹے اور بنی اسرائیل کے پیغمبر گزرے ہیں۔ اُن کی حکومت بہت ہی وسیع و عریض تھی۔ اُن کی حکمرانی نہ صرف انسانوں پر بلکہ جنوں پر بھی تھی چرند پرند اُن کے تابع تھے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے۔

نظم۔ زمانہ بدلنے والا ہے

کنگرۂ قصرِ برتری: عالیشان محلوں کے کنگوروں کی شان و شوکت

نظم۔ اللہ کرے

نوح کی کشتی: عراق میں ایک پیغمبر گزرے ہیں جن کا نام نوح تھا۔ وہ اپنی قوم کو برابر تبلیغ کرتے رہے لیکن اسی (80) آدمیوں کے علاوہ کوئی بھی مشرف بہ اسلام نہ ہوا تو آپ نے اپنی قوم کے لیے بد دعا کی اللہ کی طرف سے اُنھیں ایک کشتی بنانے کا حکم ملا جب اُن کی کشتی تیار ہو گئی تو عذابِ الٰہی طوفان کی شکل میں نازل ہوا اور اُن لوگوں کے علاوہ جو کشتی میں سوار تھے پوری قوم اس طوفان میں تباہ ہو گئی۔ اسی کشتی کو نوح کی کشتی کہتے ہیں۔ جو جائے امن کا استعارہ ہے۔

نظم۔ مستقبل

مرغِ سلیماں: حضرت سلیمان کا پرندہ یعنی ہد ہد

نفسِ بادِ صبا مشک فشاں خواہد شد
عالمِ پیر دگر بارہ جواں خواہد شد

(حافظ)

(موسم بہار کی آمد ہے) بادِ صبا کا جھونکا مشک چھڑکنے والا ہو جائے گا۔ اور یہ بوڑھا عالم دوبارہ جواں ہو جائے گا۔

نظم۔ علی گڑھ کی پنجاہ سالہ جوبلی

نصرانیت: عیسائیت

سیّد احمد خاں: سر سیّد احمد خاں جو علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی تھے۔

نظم۔ علی گڑھ سے خطاب

ٹیمز: لندن کا مشہور دریا، دریائے ٹیمز (THAMES)

دیدۂ ازرق: نیلی آنکھ (انگریز قوم کی آنکھیں)

نظم۔ غدار سے خطاب

نمر: شوہر

ابلیس: فرشتوں کا استاد جو اللہ کی حکم عدولی اور نافرمانی کے باعث راندۂ درگاہ ہوا۔

نظم۔ خریدارِ نیکی

سدِ سکندر: کانسے کی وہ دیوار جس کے بابت مشہور ہے کہ سکندر بادشاہ نے تاتار اور چین کے درمیان بنائی تھی۔ کنایتاً نہایت مضبوط اور پائدار۔

نظم۔ ہمت

نوشیرواں: فارس کا ایک بہت ہی منصف مزاج اور عادل بادشاہ جو اپنی سخاوت اور عدل کے سبب

نوشیروان عادل کہلاتا تھا۔ اہل عرب اس کو کسریٰ بھی کہتے ہیں۔ وہ 531 میں تخت نشین ہوا اور 571 میں اس کا انتقال ہوا۔

بر تخت جم کہ تاجش محراب آفتاب است
ہمت نگر کہ مورے باآں حقارت آمد

جمشید کا وہ تخت کہ جس کا تاج آفتاب کی محراب ہے۔ ہمت تو دیکھو کہ ایک چیونٹی باوجود حقیر اور ناتواں ہونے کے اس پر چڑھ آئی یعنی ہمت مردانہ سے دشوار کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔

نظم۔ رعب حکومت

سہراب: فارس کے مشہور پہلوان رستم کا بیٹا تھا جو نہایت دلیر اور طاقت ور تھا۔ تاتاریوں کی طرف سے اُس نے رستم سے مقابلہ کیا تھا اور انجانے میں اپنے باپ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

نظم۔ دامِ فریب

برو ، ایں دام بر مرغ دگرنہ
کہ عنقا را بلندست آشیانہ

(حافظ)

جا! یہ جال دوسرے پرند پر ڈال اس لیے کہ عنقا کا آشیانہ بلند ہے شاعر کا مقصد یہ ہے کہ نادر محبوب اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آتا ہے۔ اس کے لیے بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے۔

نظم۔ ضعیفہ

شورِ سگانِ راہ و غوغائے شغال: راستے کے کتوں کا شور اور گیدڑوں کی آوازیں۔

نظم۔ بیوہ زن

ڈائن: جادوگرنی جو بچوں کا کلیجہ کھا جاتی ہے۔

نظم۔ حیف اے ہندوستاں

مہابھارت: قدیم ہندوستان کی وہ بہت بڑی جنگ جو کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان ہوئی جسے منظوم بھی کیا گیا۔

نظم۔ جہاد سے

اگر پدر نتواند پسر تمام کند: اگر کسی کام کو باپ نہیں کر پایا تو بیٹا اسے پورا کرے گا۔

نظم۔ کہاں تک

جامۂ احرام: زائرین حرم حج کے سفر میں مخصوص مواقع پر بغیر سلا کپڑا پہنتے ہیں اسے احرام کہتے ہیں۔

نظم۔ شاعرِ ہندوستاں

ٹیگور: بنگالی زبان کا مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور

رنگ و بو

دریں زمانہ نشد کس حریفِ فریادم
بہ بلبلانِ چمن ہم گلے فرستادم

اس زمانے میں کسی نے میری فریاد نہ سنی حتیٰ کہ میں نے چمن کے بلبلوں کو بھی پھول بھیجا لیکن کچھ نتیجہ نہ ہوا۔

نظم۔ صبوحی

سلمٰی: بہت حسین عورت۔ معشوقہ

نظم۔ برسات کی پہلی گھٹا

ملار: (ملہار) وہ گیت جو برسات کے موسم میں گائے جاتے ہیں ایک راگنی کا نام بھی ہے۔

نظم۔ پیغمبرِ فطرت

صلِ علیٰ: صلِ علیٰ محمد (درود بھیج حضرت محمد ﷺ) کا مخفف۔ کلمۂ تحسین۔ واہ واہ۔ سبحان اللہ

صاحبِ کتاب: وہ پیغمبر جس پر کوئی آسمانی کتاب اُتری ہو۔

صحیفہ: مقدس کتاب

نظم۔ بیاہتا ناگن کالی رات

اختلاج: دھڑکنا۔ بے چین ہونا (عام طور پر دل کا دھڑکنا)

نظم۔ رودِ شام

ڈھاک: ایک درخت جس کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں۔

نظم۔ بہار آنے لگی

قمریاں: فاختہ کی قسم کے پرندے

نظم۔ نیچر کی خواب گاہ

انجن: ریل کے انجن سے مراد ہے۔

نظم۔ لیلیٰ صبح

شلوکا: کہنیوں تک آستینوں کا کرتا جو لمبائی میں کمر تک ہوتا ہے۔

نظم۔ لو کی آمد آمد

ارغنوں: ارگن باجا۔ کنایتاً آوازیں

نظم آواز کی سیڑھیاں

راگنی: راگ کا ہر شعبہ (کل راگوں کی 36 راگنیاں ہیں)

گنبدِ کہن: مراد آسمان سے ہے۔

نظم۔ کلیوں کی بیداری

تال دینا: گانے میں وزن اور سر قائم رکھنے کے لیے تالی بجانا۔

نظم۔ فاختہ کی آواز

یعقوب: حضرت یعقوب اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور جناب یوسف کے پدر تھے آپ ہی کی اولاد سے یہودیوں کے ۱۲ فرقے چلے جن کو بنی اسرائیل کہا گیا کیونکہ کسی فرشتے نے آپ کا نام اسرائیل رکھا تھا۔ جناب یعقوب حضرت یوسف کے غم میں اتنا روئے کہ آنکھیں سفید اور بے نور ہو گئی تھیں۔

سیتا: رام کی بیوی جوان کے ساتھ بن کو گئی تھیں۔

نظم۔موجِ عرفاں

یمین و یسار: دائیں بائیں۔فوج کا دایاں بایاں بازو

نظم۔اکتارے کا جادو

اکتارہ: ایک تار کا تنبورا

نظم۔رقیب فرشتے

بھیرویں: ایک راگنی جو صبح کے وقت گائی جاتی ہے۔

نظم۔گریۂ مسرت

عثمان ساگر: حیدرآباد کا ایک روح پرور تالاب

کاجل پارنا: ایک خاص ترکیب سے کاجل بنانا۔

اسلامیات

کفر چو منے، گزاف آساں نہ شود
محکم از ایمان من ایمان نہ شود
در دہر چو من یکے و آنہم کافر
پس در دو جہان یکے مسلماں نہ شود

(خیام)

مجھے کافر کہنا آسان نہیں ہے میرے ایمان سے زیادہ مضبوط کسی کا ایمان نہیں ہے زمانے میں میرے جیسی منفرد شخصیت اور وہ بھی کافر! جب یہ حال ہے یعنی اگر میں مسلمان نہیں ہوں تو دونوں جہان میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔

نظم۔اے خدا

حمزہ: حضرت امیر حمزہ رسول اللہ کے چچا تھے۔

بوذرؓ و سلیمانؓ: یہ دونوں صحابیٔ رسولؐ تھے۔

نظم۔ذاکر سے خطاب

"لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار": علی کے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار

کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

ذاکر: شہیدانِ کربلا کے واقعات بیان کر کے رُلانے والا۔

مولیٰ: مالک۔ آقا۔ مراد حضرت حسینؑ سے ہے۔

آبِ رکناباد : شیراز کی ایک نہر کا نام

مصلیٰ : شیراز میں ایک مقام کا نام

ابنِ حیدرؑ : حضرت علی کے فرزند۔ حضرت حسینؑ سے مراد ہے

امامِ مشرقین : حضرت حسینؑ

کانٹا: ترازو

تکبیر: اللہ اکبر کہنا

چراغِ دودمانِ مصطفےٰؐ: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے خاندان کا چراغ مراد حضرت امام حسین سے ہے۔

بہتر: معرکۂ کربلا میں حضرت حسین کے ساتھ کل 72 لوگ تھے۔

بیعت: اطاعت و فرماں برداری کا عہد

ملّتِ بیضا: روشن مذہب۔ مراد اسلام سے ہے۔

اشجعِ عالم: دنیا کے دلیر تر۔

اہلِ بیتِ پاک: رسول اللہ ﷺ کے کنبے کے لوگ۔ خصوصاً حضرت محمد ﷺ حضرت علیؑ۔

بی بی فاطمہ، حضرت حسنؑ اور حضرت حسین

نظم۔ اے مرتضیٰ

ماسویٰ: صوفیوں کی اصطلاح میں ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے ماسوا ہے۔

رحلت کی شب رسول کے بستر سے آشکار: رسول نے جب مکہ سے مدینہ کو رات کے وقت

ہجرت کی تو اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹا دیا تاکہ مشرکین یہی سمجھتے رہیں کہ محمدؐ

اپنے بستر پر ہیں۔ ہر طرف خطرہ ہی خطرہ تھا لیکن حضرت علی رسول اللہ ﷺ

کے بستر پر آرام سے سوتے رہے۔

مرحب و عنتر: حضرت علی کے دور کے دو نہایت طاقتور پہلوان جن کی بہادری مشہور تھی حضرت علیؑ

نے انھیں شکست دی۔

جبرئیل: ان فرشتوں میں ہیں جن کو تقرب بارگاہِ الٰہی کا شرف حاصل ہے۔ آپ ہی محمدؐ کے پاس وحی لے کر آتے تھے۔

عبادتِ ثقلین: انسان اور جن، دونوں کی عبادتیں۔

بدر و حنین: اسلام کی دو جنگیں جو بدر اور حنین کے مقامات پر لڑی گئیں جن میں رسول اللہ ﷺ خود شریک تھے ان میں مسلمانوں کی فتح ہوئی۔

پیغمبرِ انام: تمام موجودات کے پیغمبر۔ یعنی رسول اللہ ﷺ

نظم۔ شمعِ ہدایت

لات و ہُبل: ظہورِ اسلام سے قبل یہ قریش کے دیوتا تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ لات ان کا وہ دیوتا تھا جس کی سونے سے قبل پرستش کی جاتی تھی اور وہ لوگ اس کی قسم بھی کھاتے تھے اور ہُبل ان کا معبودِ اعظم تھا جس کے بت کی وہ تعظیم کرتے تھے۔ اس بت کی جو مورتی قریش کو ملی وہ عقیق کی تھی جس کا ایک ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش نے اس کا وہ ہاتھ سونے کا بنوا کر لگایا تھا۔ یہ مورتی انسان کی شکل کی تھی۔

روم و عجم: ملک روم اور عجم یعنی عرب کے سوا تمام دوسرے ممالک۔

سحرِ سامری: سامری ایک بڑا جادوگر تھا جس نے موسیٰ کی قوم کو گمراہ کیا تھا اور سونے کا ایک بچھڑا بنایا تھا جو حرکت بھی کرتا تھا اور بولتا بھی تھا اس نے قوم موسیٰ سے کہا کہ یہ تمھارا اور موسیٰ کا خدا ہے چنانچہ ان لوگوں نے اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔

بلالؓ: حضرت بلال حبشی صحابیِ رسول۔ اُن کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ افریقہ کے رہنے والے تھے۔

بتول: حضرت فاطمہؓ کا لقب

غزنوی: مشہور بادشاہ محمود غزنوی

خیز و دل شکستہ را دولتِ سوز ساز دہ
مسلمِ خستہ حال را، رخصتِ ترکتاز دہ

اُٹھ اور شکستہ دل لوگوں کو سوز و ساز کی دولت سے نواز خستہ حال مسلم قوم کو فتح وظفر کی اجازت عطا کر۔ (مراد جنگ میں بہادری سے لڑکر فتح حاصل کرنے سے ہے۔) شاعر کا مخاطب محمد ﷺ سے ہے۔

نظم۔آفتاب سے خطاب

بغداد: عراق کا دارالسلطنت

صولتِ اسکندری: سکندر بادشاہ کا رعب و دبدبہ۔سکندر کی حکومت دنیا کے بیشتر ممالک پر تھی۔

آزری: آزر سے منسوب۔ جو کہ بُت تراش تھا۔

چترِ شاہی: بادشاہوں کے سر پر لگائی جانے والی بڑی چھتری۔

اے نیلگوں دریا کے رخشندہ گہر: آسمان کے چمکتے موتی۔یعنی سورج

غرناطہ: ملک اسپین کا ایک مشہور شہر جسے گرؤانا بھی کہتے ہیں۔

زلیخا پر پھر جوانی آنا: اللہ نے زلیخا کو ان کی جوانی پھر سے لوٹا دی تھی۔

قُم باذنی: میرے حکم سے جی اُٹھ (ایک کامل فقیر حسین بن منصور حالتِ جذب میں یہ کلمہ کہہ کر مردے زندہ کردیا کرتے تھے یہ کلمہ کہنے کی وجہ سے آپ بحکم شرع قتل کیے گئے)۔

نظم۔فتح سمرنا

کمالی: کمال پاشا

نظم۔رحلتِ محمد علی

محمد علی: مولانا محمد علی جوہر

اورنگ: تختِ شاہی

نظم۔شاہنشاہ ہمایوں کا مقبرہ

بیمار بوڑھا تاجدار: آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر

نظم۔ متولیانِ وقفِ "حسین آباد" سے خطاب

شو: نمائش

چشمکِ مریخ: نحوست کی آنکھ کا اشارہ (مراد انگریزوں سے ہے)

نصرانی: عیسائی

گرامو فون: ایک آلہ جس کے ریکارڈ (توے) سے آواز نکلتی ہے۔

نظم۔ آنسو اور تلوار

صورِ اسرافیل: وہ صور جس کو حضرت اسرافیل قیامت کے دن پھونکیں گے اس کی پہلی آواز سے تمام جاندار مر جائیں گے اور دوسری بار کی آواز سے تمام بے روح زندہ ہو جائیں گے۔ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کا وقفہ چالیس سال کا ہوگا۔

انصار: مددگار۔ مدینے کے وہ باشندے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی تھی۔

گون: ایک لمبا سا جبہ جو عموماً انگریز پہنا کرتے ہیں۔

حبیب ابنِ مظاہر: حضرت حسینؓ انھیں اپنا دوست کہتے تھے یہ حسین کے بلاوے پر کربلا گئے اور وہیں شہید ہوئے تھے یہ بہت بزرگ تھے۔ پلکوں کے بال تک سفید تھے۔

ربِ مشرقین: مشرق و مغرب کا رب یعنی اللہ تعالیٰ

اکبر: حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے جنھیں رسول سے مشابہت کے باعث شبیہ رسول بھی کہا جاتا تھا، معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔

عباس: حضرت امام حسین کے بھائی جو بطنِ فاطمہ سے نہیں بلکہ حضرت علی کی بیوی ام البنین سے تھے۔ معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے۔

نظم۔ مسلماں کو کیا ہوا

نجد: عرب کا ایک ریگستانی ملک

انفاسِ عیسوی: حضرت عیسیٰ اپنی پھونک سے بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔ اسی پھونک کو انفاس عیسوی کہا گیا ہے۔

أصنامِ آزری: آزر کے بنائے ہوئے بت

ساقی کوثر: حشر میں کوثر کے حوض پر رسول اللہ اپنے امتیوں کو جام بھر بھر کے پلائیں گے اس لیے انھیں ساقی کوثر کہتے ہیں۔ کچھ لوگ حضرت علی کو بھی کہتے ہیں۔

خلیل: حضرت ابراہیم کا لقب

حدیث: اصطلاحِ شرع میں رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل کی خبر۔

قبضہ: تلوار کا دستہ

ابوتراب: حضرت علی کا لقب

''پھر ایہ سامری سے برستے ہیں اژدہے''

جادوگر سامری نے اپنے جادو سے بہت سے سانپ بنا دیے تھے جو حضرتِ موسیٰ کی طرف لپکے تھے

نظم۔ سوگوارانِ حسینؑ سے خطاب

خیر البشر: حضرت محمد ﷺ

روح الامین: حضرت جبریلؑ چونکہ آپ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی کے امانت دار تھے اس لیے یہ لقب دیا گیا

کوفہ: عراق کا ایک شہر۔

آلِ بوتراب: حضرتِ علی کے کنبے والے

فاطمہ: رسول اللہ کی صاحبزادی۔ حضرت علیؓ کی بیوی اور حضرت حسینؑ کی والدہ

ہاشمی: قبیلہ بنو ہاشم کے لوگ۔ (رسولؐ خدا کے پردادا ہاشم کی اولاد)

شبیر: حضرت امام حسین کا لقب

غزوۂ بدر و حنین: اسلام کی دو جنگیں جن میں رسولؐ خود شریک تھے۔

نظم۔ کافر نعمت مسلماں

چلہ: چالیس دن کسی گوشے سے بیٹھ کر عمل یا وظیفہ پڑھنا

امّ الکتاب: تمام کتابوں کی ماں یعنی قرآن کریم

سبطِ نبی: نواسۂ رسول حضرتِ امام حسن اور حسین

نظم۔ولادت رسول ﷺ

گلہ بان: عرب کے لوگوں سے مراد ہے۔ کیونکہ یہ مویشیوں کو چراتے تھے۔

رحمۃ اللعالمین: تمام عالموں کے لیے رحمت یعنی محمد ﷺ

مقداد، سلمان، بوذر: صحابیٔ رسول کے نام

نظم۔آوازۂ حق

جیٹھ: ہندی کے ایک مہینے کا نام جس میں دھوپ بہت تیز ہوتی ہے۔

تریاق کا ست: زہر کی دوا کی روح

باغ ارم: جنت کا باغ

ایاز و محمود: محمود غزنوی اور اس کا غلام جس کا نام ایاز تھا۔ وہ بہت وفادار تھا اور محمود اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔

ایوب: حضرت ایوب کو اللہ نے بہت ساری نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ اور وہ ہر نعمت پر اُن کا شکر ادا کرتے تھے ان کا امتحان لینے کے لیے ان کا مال و متاع تباہ کر دیا گیا۔ جسم میں زخم ہو گئے اور کیڑے پڑ گئے لیکن وہ پھر بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔ آخر کار اللہ نے اُنھیں پھر ساری نعمتیں واپس کر دیں۔

یونس: ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں جو دمشق میں ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی بددعا سے دمشق میں عذاب نازل ہوا۔ اور پھر وہ خود بھی اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ ایک مچھلی نے اُنھیں نگل لیا جس کے پیٹ میں وہ چالیس روز تک تسبیح و تہلیل کرتے رہے اللہ کو اُن پر رحم آ گیا اور مچھلی نے اُنھیں ساحل پر اگل دیا۔

قاسم: حضرت امام حسن کے صاحبزادہ جو کربلا میں شہید ہوئے

سم خوردہ برادر: مراد حضرت امام حسنؑ سے ہے کہ اُنھیں زہر دے کر شہید کیا گیا تھا۔

شمر: یزید کی فوج کا افسر جو حضرت امام حسین کا قاتل تھا کنایتاً مردود اور ظالم

طفلی میں بھی ساونت نے اژدر کو نہ چھوڑا: حضرت علی جب عہد طفلی میں گہوارہ میں تھے تو ایک بڑا سانپ ان کو ڈسنے کے لیے آیا اُنھوں نے اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالا۔

ید: اللہ کا ہاتھ۔ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

رہوار: تیز چلنے والا گھوڑا

عظمت للہ: بزرگی اللہ کے لیے ہے۔ قدرتِ الٰہی کی عظمت پر حیرت ظاہر کرنے یا کسی خوفناک چیز سے پناہ مانگنے کے لیے کہتے ہیں۔

زینب: حضرت امام حسینؑ کی بہن۔ معرکہ کربلا کے وقت وہاں موجود تھیں اور بعد میں اسیر ہو گئیں۔

زہرا (فاطمہ): دخترِ رسول ﷺ بی بی فاطمہ زہرا

عابد: حضرت حسینؑ کے فرزند جو زین العابدین مشہور تھے۔ کربلا میں موجود تھے لیکن بہت بیمار تھے اس باعث والد نے انھیں جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی اور وہ بچ گئے بعد میں پابہ زنجیر کر کے ملکِ شام لے جائے گئے۔

سکینہ: امام حسینؑ کی صاحبزادی جن کا سن تین سال کا تھا یہ بھی اسیروں میں شامل تھیں۔

یزید: حضرت امیر معاویہ کا لڑکا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس کے باعث کربلا کا واقعہ پیش آیا۔

نظم۔ اے موہنان لکھنؤ

چوڑیاں ٹھنڈی کرنا: جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیتے ہیں اس کو چوڑیاں ٹھنڈی کرنا کہتے ہیں۔

بادۂ سرجوش

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است

اس زمانے میں اگر کوئی دوست خرابی سے خالی ہے تو وہ خالص شراب کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مخلص دوست صراحی اور شاعری کے علاوہ کوئی نہیں۔

فرشِ سنجاب: چوہے سے ذرا بڑا جانور جس کو سنجاب کہتے ہیں اس کی پشم دار کھال کا فرش۔ اس کھال سے پوستین بھی بناتے ہیں۔ مراد بہت بہترین ملائم فرش سے ہے۔

لب نوش خند: شہد سے میٹھی ہنسی والے لب

نظم۔ ولادت رسول ﷺ

گلہ بان: عرب کے لوگوں سے مراد ہے۔ کیونکہ یہ مویشیوں کو چراتے تھے۔

رحمت اللعالمین: تمام عالموں کے لیے رحمت یعنی محمد ﷺ

مقداد، سلمان، بوذر: صحابیٔ رسول کے نام

نظم۔ آوازۂ حق

جیٹھ: ہندی کے ایک مہینے کا نام جس میں دھوپ بہت تیز ہوتی ہے۔

تریاق کاست: زہر کی دوا کی روح

باغ ارم: جنت کا باغ

ایاز و محمود: محمود غزنوی اور اس کا غلام جس کا نام ایاز تھا۔ وہ بہت وفادار تھا اور محمود اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔

ایوب: حضرت ایوب کو اللہ نے بہت ساری نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ اور وہ ہر نعمت پر اُن کا شکر ادا کرتے تھے ان کا امتحان لینے کے لیے ان کا مال و متاع تباہ کر دیا گیا۔ جسم میں زخم ہو گئے اور کیڑے پڑ گئے لیکن وہ پھر بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔ آخر کار اللہ نے اُنھیں پھر ساری نعمتیں واپس کر دیں۔

یونس: ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں جو دمشق میں ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی بددعا سے دمشق میں عذاب نازل ہوا۔ اور پھر وہ خود بھی اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ ایک مچھلی نے اُنھیں نگل لیا جس کے پیٹ میں وہ چالیس روز تک تسبیح و تہلیل کرتے رہے اللہ کو اُن پر رحم آ گیا اور مچھلی نے اُنھیں ساحل پر اگل دیا۔

قاسم: حضرت امام حسن کے صاحبزادہ جو کربلا میں شہید ہوئے

سم خوردہ برادر: مراد حضرت امام حسن سے ہے کہ اُنھیں زہر دے کر شہید کیا گیا تھا۔

شمر: یزید کی فوج کا افسر جو حضرت امام حسین کا قاتل تھا کمینہ مردود اور ظالم

طفلی میں بھی ساونت نے اژدر کو نہ چھوڑا: حضرت علی جب عہد طفلی میں گہوارہ میں تھے تو ایک بڑا سانپ ان کو ڈسنے کے لیے آیا انھوں نے اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالا۔

ید: اللہ کا ہاتھ۔ کنیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

صبا: تیز چلنے والا گھوڑا

ست لِلّٰہ: بزرگی اللہ کے لیے ہے۔ قدرتِ الٰہی کی عظمت پر حیرت ظاہر کرنے یا کسی خوفناک چیز سے پناہ مانگنے کے لیے کہتے ہیں۔

عب: حضرت امام حسینؑ کی بہن۔ معرکۂ کربلا کے وقت وہاں موجود تھیں اور بعد میں اسیر ہو گئیں۔

ہرا (فاطمہ): دخترِ رسول ﷺ بی بی فاطمہ زہرا

بد: حضرت حسینؑ کے فرزند جو زین العابدین مشہور تھے۔ کربلا میں موجود تھے لیکن بہت بیمار تھے اس باعث والد نے انھیں جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی اور وہ بچ گئے بعد میں پا بہ زنجیر کر کے مُلکِ شام لے جائے گئے۔

سکینہ: امام حسینؑ کی صاحبزادی جن کا سن تین سال کا تھا یہ بھی اسیروں میں شامل تھیں۔

یزید: حضرتِ امیر معاویہ کا لڑکا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس کے باعث کربلا کا واقعہ پیش آیا۔

نظم۔ اے مومنانِ لکھنؤ

چوڑیاں ٹھنڈی کرنا: جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیتے ہیں اس کو چوڑیاں ٹھنڈی کرنا کہتے ہیں۔

بادۂ سرجوش

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است

اس زمانے میں اگر کوئی دوست خرابی سے خالی ہے تو وہ خالص شراب کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مخلص دوست صراحی اور شاعری کے علاوہ کوئی نہیں۔

فرشِ سنجاب: چوہے سے ذرا بڑا جانور جس کو سنجاب کہتے ہیں اس کی پشم دار کھال کا فرش۔ اس کھال سے پوستین بھی بناتے ہیں۔ مراد بہت بہترین ملائم فرش سے ہے۔

لبِ نوش خند: شہد سے میٹھی ہنسی والے لب

نظم۔ولادت رسول ﷺ

گلہ بان: عرب کے لوگوں سے مراد ہے۔ کیونکہ یہ مویشیوں کو چراتے تھے۔

رحمۃ اللعالمین: تمام عالموں کے لیے رحمت یعنی محمد ﷺ

مقدادؓ، سلمانؓ، بوذرؓ: صحابیٔ رسول کے نام

نظم۔آوازۂ حق

جیٹھ: ہندی کے ایک مہینے کا نام جس میں دھوپ بہت تیز ہوتی ہے۔

تریاق کاست: زہر کی دوا کی روح

باغِ ارم: جنت کا باغ

ایاز و محمود: محمود غزنوی اور اس کا غلام جس کا نام ایاز تھا۔ وہ بہت وفادار تھا اور محمود اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔

ایوبؑ: حضرت ایوب کو اللہ نے بہت ساری نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔ اور وہ ہر نعمت پر اُن کا شکر ادا کرتے تھے ان کا امتحان لینے کے لیے ان کا مال و متاع تباہ کر دیا گیا۔ جسم میں زخم ہو گئے اور کیڑے پڑ گئے لیکن وہ پھر بھی اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔ آخر کار اللہ نے اُنھیں پھر ساری نعمتیں واپس کر دیں۔

یونسؑ: ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں جو دمشق میں ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان کی بددعا سے دمشق میں عذاب نازل ہوا۔ اور پھر وہ خود بھی اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ ایک مچھلی نے اُنھیں نگل لیا جس کے پیٹ میں وہ چالیس روز تک تسبیح و تہلیل کرتے رہے اللہ کو اُن پر رحم آ گیا اور مچھلی نے اُنھیں ساحل پر اگل دیا۔

قاسمؑ: حضرت امام حسن کے صاحبزادہ جو کربلا میں شہید ہوئے

سم خوردہ برادر: مراد حضرت امام حسنؑ سے ہے کہ اُنھیں زہر دے کر شہید کیا گیا تھا۔

شمر: یزید کی فوج کا افسر جو حضرت امام حسین کا قاتل تھا کتنا بامروت اور ظالم

طفلی میں بھی سالوت نے اژدر کو نہ چھوڑا: حضرت علی جب عہدِ طفلی میں گہوارہ میں تھے تو ایک بڑا سا سانپ ان کو ڈسنے کے لیے آیا انھوں نے اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالا۔

یداللہ: اللہ کا ہاتھ۔ کنیتاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

رہوار: تیز چلنے والا گھوڑا

العظمت للہ: بزرگی اللہ کے لیے ہے۔ قدرت الٰہی کی عظمت پر حیرت ظاہر کرنے یا کسی خوفناک چیز سے پناہ مانگنے کے لیے کہتے ہیں۔

زینب: حضرت امام حسینؓ کی بہن۔ معرکۂ کربلا کے وقت وہاں موجود تھیں اور بعد میں اسیر ہوگئیں۔

زہرا (فاطمہ): دخترِ رسول ﷺ بی بی فاطمہ زہرا

عابد: حضرت حسینؓ کے فرزند جو زین العابدین مشہور تھے۔ کربلا میں موجود تھے لیکن بہت بیمار تھے اس باعث والد نے انھیں جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی اور وہ بچ گئے بعد میں پابہ زنجیر کر کے مُلکِ شام لے جائے گئے۔

سکینہ: امام حسینؓ کی صاحبزادی جن کا سن تین سال کا تھا یہ بھی اسیروں میں شامل تھیں۔

یزید: حضرت امیر معاویہ کا لڑکا اور بنی امیہ کا دوسرا خلیفہ۔ حضرت امام حسینؓ نے اس کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا جس کے باعث کربلا کا واقعہ پیش آیا۔

نظم۔ اے مومنانِ لکھنؤ

چوڑیاں ٹھنڈی کرنا: جب کوئی عورت بیوہ ہو جاتی ہے تو اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ دیتے ہیں اس کو چوڑیاں ٹھنڈی کرنا کہتے ہیں۔

بادۂ سرجوش

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است

صراحیِ مے ناب و سفینۂ غزل است

اس زمانے میں اگر کوئی دوست خرابی سے خالی ہے تو وہ خالص شراب کی صراحی اور غزل کی کتاب ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مخلص دوست صراحی اور شاعری کے علاوہ کوئی نہیں۔

فرشِ سنجاب: چوہے سے ذرا بڑا جانور جس کو سنجاب کہتے ہیں اس کی پشم دار کھال کا فرش۔ اس کھال سے پوستین بھی بناتے ہیں۔ مراد بہت بہترین ملائم فرش سے ہے۔

لبِ نوش خند: شہد سے میٹھی ہنسی والے لب

الیاس: ایک جلیل القدر پیغمبر جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بحری راستوں میں بھٹک جانے والوں کو راستہ بتاتے ہیں۔

سلیمانیاں: سلیمان کی طرح حکومت کرنا، سلیمان ایک ایسے پیغمبر گزرے ہیں جو بادشاہ بھی تھے اور ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ جن دیو۔ پری چرند پرند بھی پر تھی۔

چنگیز: تاتار اور چین کا بادشاہ چنگیز خاں جس نے بزور شمشیر دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ استعارہ ظالم و جابر مزاج والے سے۔

مسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ جو زندہ ہی آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور آج تک زندہ ہیں۔

خضر: ایک مشہور پیغمبر جو حیاتِ ابدی پا چکے ہیں اور خشکی کے راستوں میں راستہ بھول جانے والوں کو راہ دکھاتے ہیں۔

آبِ بقا: چشمۂ آبِ حیات جس کے پانی کو پی کر انسان حیاتِ ابدی حاصل کر لیتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ ایک خیالی چشمہ ہے۔ حقیقت میں اس کا وجود نہیں

شریعت برہان: واضح دلیلوں والی شریعت استعارہ شریعت محمدیؐ سے۔

مشتری: خریدار

لن ترانیاں: حضرت موسیٰ نے اللہ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو انھیں "لن ترانی" کا جواب ملا تھا یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اصطلاحاً ڈینگیں مارنا یا بات کو طول دینا

شست وشو: دھوکر صاف کرنا

جمشید: ایران کا ایک مشہور بادشاہ جس نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی اور اس میں ایک شاندار جشن منایا گیا جس میں لوگوں کو مالا مال کیا گیا۔ اس جشن کو نوروز کا نام دیا گیا۔

قباد: عظیم الشان بادشاہ۔ کیانی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام تھا لیکن کنایتاً ہر عظیم بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کن: جب اللہ نے موجوداتِ عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے "کن" کہا یعنی ہو جا اور سب کچھ پیدا ہو گیا۔

رم آہو: دور بھاگنے والا ہرن۔ استعارہ محبوب سے جو کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

حبل المتین: مضبوط رسّی۔ پکا وسیلہ۔ مجازاً خدا کا راستہ (قرآن کے لیے بھی مستعمل ہے)

تا کے یہ جست و خیز بہ آہنگِ خانقاہ: خانقاہ میں نغموں پر یہ اچھل کود کب تک؟

بے ستوں: ایران کا وہ مشہور پہاڑ جسے کاٹ کر فرہاد نے شیریں کے لیے دودھ کی نہر نکالی تھی۔

کوہکن: فرہاد جس نے شیریں کے لیے پہاڑ کاٹا۔

والتیل: قرآن کی ایک آیت۔

ہُوَ الغنی: اللہ غنی کرنے والا ہے۔

حسنِ مہ دو ہفتہ و ابریقِ یک منی: چودھویں کے چاند جیسا حسن اور ایک من (چالیس سیر کا وزن) شراب رکھنے والی صراحی۔

آبِ خضر: دیکھیے آبِ بقا

سکندر: ایک مشہور بادشاہ جس نے دنیا کے بیشتر ممالک فتح کر لیے تھے۔ کنایتاً خوش نصیب۔

چشمۂ حیواں: دیکھیے آبِ بقا

زمزم: زمزم کا چشمہ جو حضرتِ اسماعیلؑ کے ایڑیاں رگڑنے سے وجود میں آیا۔ مجازاً پاک پانی

کوثر: جنت کی ایک نہر۔

ساغرِ جم: بادشاہ جمشید (جس کا اصلی نام جم تھا) کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں حال۔ مستقبل اور افلاک کا حال دکھائی دیتا تھا۔ اس کو جامِ جم۔ جامِ جہاں نما۔ جامِ جہاں بیں اور جامِ جمشید بھی کہتے ہیں۔ کنایتاً نہایت قیمتی پیالہ۔

اہلِ الفاظ: الفاظ کے صرف لغوی معنی نظر میں رکھنے والے لوگ۔ مجازاً کوتاہ بیں۔

مہ کنعاں: دیکھیے ماہِ کنعاں

زلیخا: عزیزِ مصر کی بیوی جو حضرتِ یوسف پر فدا ہو گئی تھیں اور ایک دن ان کا دامن پکڑ لیا تھا۔ یوسف خود کو چھڑا کر بھاگے تو دامن پھٹ گیا اسی پھٹے ہوئے دامن کو دکھا کر زلیخا نے اُن پر دست درازی کا الزام لگاتے ہوئے اُنھیں قید خانے میں ڈلوا دیا تھا۔

بادۂ سرجوش (قدیم رنگِ تغزل)،

داوَر: دیکھیے داور (روحِ ادب کی فرہنگ میں)

الیاس: ایک جلیل القدر پیغمبر جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بحری راستوں میں بھٹک جانے والوں کو راستہ بتاتے ہیں۔

سلیمانیاں: سلیمان کی طرح حکومت کرنا۔ سلیمان ایک ایسے پیغمبر گزرے ہیں جو بادشاہ بھی تھے اور ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ جن دیو۔ پری چرند پرند سبھی پر تھی۔

چنگیز: تاتار اور چین کا بادشاہ چنگیز خاں جس نے بزورِ شمشیر دنیا کے بہت سے ممالک کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ استعارہ ظالم و جابر مزاج والے سے۔

مسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ جو زندہ ہی آسمان پر اُٹھا لیے گئے اور آج تک زندہ ہیں۔

خضر: ایک مشہور پیغمبر جو حیاتِ ابدی پا چکے ہیں اور خشکی کے راستوں میں راستہ بھول جانے والوں کو راہ دکھاتے ہیں۔

آبِ بقا: چشمۂ آبِ حیات جس کے پانی کو پی کر انسان حیاتِ ابدی حاصل کر لیتا ہے۔ خیال یہ ہے کہ ایک خیالی چشمہ ہے۔ حقیقت میں اس کا وجود نہیں

شریعتِ برہان: واضح دلیلوں والی شریعت استعارہ شریعتِ محمدیؐ سے۔

مشتری: خریدار

لن ترانیاں: حضرت موسیٰ نے اللہ سے کہا کہ میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں تو انھیں "لن ترانی" کا جواب ملا تھا یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ اصطلاحاً ڈینگیں مارنا یا بات کو طول دینا

شست وشو: دھو کر صاف کرنا

جمشید: ایران کا ایک مشہور بادشاہ جس نے ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی اور اس میں ایک شاندار جشن منایا گیا جس میں لوگوں کو مالا مال کیا گیا۔ اس جشن کو نوروز کا نام دیا گیا۔

قباد: عظیم الشان بادشاہ۔ کیانی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام تھا لیکن کنایتاً ہر عظیم بادشاہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کن: جب اللہ نے موجوداتِ عالم کو پیدا کرنا چاہا تو اس نے "کن" کہا یعنی ہو جا اور سب کچھ پیدا ہو گیا۔

رمِ آہو: دور بھاگنے والا ہرن۔ استعارہ محبوب سے جو کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

حبل المتین: مضبوط رسی۔ پکا وسیلہ۔ مجازاً خدا کا راستہ (قرآن کے لیے بھی مستعمل ہے)
تا کے یہ جست و خیز بہ آہنگِ خانقاہ: خانقاہ میں نغموں پر یہ اچھل کود کب تک؟
بے ستوں: ایران کا وہ مشہور پہاڑ جسے کاٹ کر فرہاد نے شیریں کے لیے دودھ کی نہر نکالی تھی۔
کوہکن: فرہاد جس نے شیریں کے لیے پہاڑ کاٹا۔
واللیل: قرآن کی ایک آیت۔
ہُوالغنی: اللہ غنی کرنے والا ہے۔
حسن مہ دو ہفتہ و ابریق یک منی: چودھویں کے چاند جیسا حسن اور ایک من (چالیس سیر کا وزن) شراب رکھنے والی صراحی۔
آبِ خضر: دیکھیے آبِ بقا
سکندر: ایک مشہور بادشاہ جس نے دنیا کے بیشتر ممالک فتح کر لیے تھے۔ کنایتاً خوش نصیب۔
چشمہ حیواں: دیکھیے آبِ بقا
زمزم: زمزم کا چشمہ جو حضرت اسمٰعیلؑ کے ایڑیاں رگڑنے سے وجود میں آیا۔ مجازاً پاک پانی
کوثر: جنت کی ایک نہر۔
ساغرِ جم: بادشاہ جمشید (جس کا اصلی نام جم تھا) کے پاس ایک ایسا پیالہ تھا جس میں حال۔ مستقبل اور افلاک کا حال دکھائی دیتا تھا۔ اس کو جامِ جم۔ جامِ جہاں نما۔ جام جہاں بیں اور جامِ جمشید بھی کہتے ہیں۔ کنایتاً نہایت قیمتی پیالہ۔
اہلِ الفاظ: الفاظ کے صرف لغوی معنی نظر میں رکھنے والے لوگ۔ مجازاً کوتاہ بیں۔
مہ کنعاں: دیکھیے ماہ کنعاں
زلیخا: عزیزِ مصر کی بیوی جو حضرت یوسف پر فدا ہو گئی تھیں اور ایک دن ان کا دامن پکڑ لیا تھا۔ یوسف خود کو چھڑا کر بھاگے تو دامن پھٹ گیا اسی پھٹے ہوئے دامن کو دکھا کر زلیخا نے اُن پر دست درازی کا الزام لگاتے ہوئے اُنھیں قید خانے میں ڈلوا دیا تھا۔

بادۂ سرجوش (قدیم رنگِ تغزل)،

داوَر: دیکھیے داور (روحِ ادب کی فرہنگ میں)

کیمیا: دوسری سستی دھاتوں سے سونا بنانا۔ مجازاً بہت قیمتی شے

لات ومنات: دو بتوں کے نام جن کی ظہورِ اسلام سے قبل عرب میں پرستش ہوتی تھی۔

چشمۂ زندگی: چشمۂ آبِ حیات جس کا پانی پی کر انسان دائمی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

جبریل: دیکھیے جبریل (شعلہ و شبنم کی فرہنگ میں)

غزنوی: مشہور بادشاہ محمود غزنوی جو راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔

ایاز: محمود غزنوی کا غلام جس کو وہ بہت عزیز رکھتا تھا اور اس کی ذہانت کے پیشِ نظر اسے امورِ مملکت میں بھی شامل کر لیا تھا۔ ایاز بہت وفادار اور ایماندار تھا۔

سلسبیل: جنت کی ایک نہر کا نام

سُہا: سات ستاروں کے جھمکے یعنی بنات النعش میں کا ایک باریک سا ستارہ۔ کنایتاً بے بضاعت۔

صحائف: مقدس کتابیں

پیرِ کنعاں: حضرت یعقوبؑ (حضرت یوسف کے والد)

مشہدی مرزا: احسن مرزا صاحب شرر مشہدی لکھنوی جو جوش کے بہترین احباب میں سے تھے۔

مہتابی: حوض کے کنارے چھوٹی سی عمارت۔ (تفصیل نقش ونگار کی فرہنگ میں)

الست: "کیا نہیں ہوں میں"۔ اشارہ ہے قرآن مجید کی آیت "الست بربکم" کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے بنی آدم سے یعنی ان کی پیٹھوں سے اُن کی نسل کو باہر نکالا اور ان سے پوچھا کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں بے شک تو ہمارا پروردگار ہے۔ (اسی دن کو روزِ الست بھی کہا جاتا ہے۔)

قیصر: شاہِ روم کا لقب۔ استعارہ ہے پُرشکوہ بادشاہ سے

کسریٰ: شاہانِ عجم کو کسریٰ کہتے تھے۔ یہ لفظ نوشیروانِ عادل کے لیے مخصوص ہو گیا۔ استعارہ ہے پُرشکوہ بادشاہ سے۔

آدم وحوا: باوا آدم اور بی بی حوا۔ جن کے ذریعے انسان وجود میں آیا۔

☆☆

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

خسرو شناسی
مرتبین: ظ۔ انصاری
ابوالفیض سحر
صفحات: 368
قیمت: -/81 روپے

کلیاتِ فانی
مرتبہ: ظہیر احمد صدیقی
صفحات: 318
قیمت: -/101 روپے

کلیاتِ عیش
مرتبہ: حبیبہ بانو
صفحات: 556
قیمت: -/80 روپے

کلیات آنند نرائن ملا
ترتیب و تدوین: خلیق انجم
صفحات: 770
قیمت: -/170 روپے

انتخابِ کلامِ حسرت
مرتب: فضل امام
صفحات: 91
قیمت: -/30 روپے

جامع التذکرہ (جلد سوم)
مؤلف: محمد انصار اللہ
صفحات: 965
قیمت: -/346 روپے

₹ 347/-

ISBN: 978-81-7587-874-7
9 788175 878747

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language